ادۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ ادۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے

محاضرات

فی العقیدہ والدعوہ

فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

دوسرا مجموعہ/ جلد دوم

۸۴-اسپتالوں میں دعوت الی اللہ کی فضیلت:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

اس رفاہی تنظیم کے ذمہ داران اور چنندہ مخلص ساتھیوں سے مل کر بڑی مسرت ہو رہی ہے، اللہ اس ملاقات کو بابرکت بنائے، یہ عظیم رفاہی تنظیم دین کے بعد سماج کی اہم بنیاد صحت کے میدان میں انسانیت کی خدمت انجام دے رہی ہے، بلا شبہ جسمانی صحت ہر خیر و بھلائی کے کام میں معاون ہے، جس طرح جسموں کو مختلف عوارض اور امراض لاحق ہوتے ہیں اسی طرح اللہ نے ہر مرض کی دوا بھی تیار کر دی ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: (مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً)۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کی دوا بھی نازل نہ کی ہو۔(صحیح بخاری:۵۶۷۸)۔

چنانچہ ہر بیماری کی دوا موجود ہے خواہ اس کا علم کسی کو ہو یا نہ ہو۔(مسند احمد:۳۵۷۸)۔

اسی بنیاد پر یہ اسپتال اور اس طرح کی رفاہی تنظیمیں قائم ہیں تا کہ اس اہم سماجی ذمہ داری کو انجام دیں، سو یہاں پر بھی مخلص اور صدق وامانت کے شیدائی موجود ہیں جو اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

بلا شبہ دعوت الی اللہ کا کام بھی سماجی اصلاح کیلئے بہت اہم ہے اور یہ انبیائی مشن ہے، ضروری ہے کہ دعوت دین کے ساتھ مکارم اخلاق، اچھے اعمال اور اچھے سلوک کی طرف بھی دعوت دی جائے، اصول عقیدہ اور اصول دین کے ساتھ ساتھ عبادات و معاملات کے اصول کی طرف بھی دعوت دی جائے داعیان دین کو ہر میدان میں کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ یہ امانت اور ذمیداری ہے جوان کے سروں پرڈالی گئی ہے ۔

اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی میدان کو نہیں چھوڑتے مگر وہاں دعوت دین کو ضرور پیش کرتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسم حج کا استغلال کرتے اور باہر سے آنے والے تمام قبیلوں کے پاس انکے خیموں میں جاتے اور انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے، اہل مکہ کی مجلسوں میں جا کر انہیں دین کی دعوت دیتے، انکے مریضوں کی عیادت کرنے جاتے اور انہیں دعوت پیش کرتے کہ شاید مرتے وقت کلمہ پڑھ لیں اور حسن خاتمہ کے ساتھ موت ہو اور جنت انکا ٹھکانہ ہو، جیسا کہ مشہور ہے کہ آپ نے اپنے چچا ابو طالب کی مرض الموت میں انکی عبادت کی تھی اور دین کی دعوت پیش کی تھی، اسی طرح ایک یہودی کی عیادت کی تھی جو سکرات الموت میں مبتلا تھا اسے دین کی دعوت پیش کی، اس نے توبہ کرکے اسلام قبول کرلیا اور اسی حالت میں اسکی موت ہوگئی، اور وہ دوزخ سے نجات پا گیا۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دین کی خاطر کسی بھی میدان اور ذریعہ کو نہیں چھوڑتے تھے، چنانچہ اسی دعوت کے ذریعے اسلام پوری دنیا میں پہونچا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہوں اور سرداروں کے پاس خطوط بھیجتے تھے اور انہیں اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو داعی بنا قبیلوں اور قوموں کی طرف بھیجتے تھے جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور دوسرے لوگوں کو مختلف علاقوں کی طرف بھیجا۔

اس لئے ضروری ہے کہ دعوت الی اللہ کا کام ہمہ وقت ہر جگہ اور ہر میدان میں جاری رہے، انہیں

میدانوں میں اسپتال بھی ایک اہم میدان ہے، یہاں بہت سارے لوگ آتے ہیں جنہیں دعوت دین کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے اسپتالوں میں جہاں مسلمان کام کرتے ہیں انہیں دینی سوجھ بوجھ اور علم وبصیرت کی ضرورت ہے تاکہ وہ دین سے متعلق امور کی وضاحت کرسکیں، اور یہاں جو غیر مسلم اطباء اور معاونین کام کرتے ہیں انہیں دعوت کی ضرورت ہے، اسلئے کہ اسلام سب کیلئے ہے صرف عربوں کیلئے خاص نہیں ہے، اور سب سے پہلے ہم اس کام کے مکلف ہیں کہ دین کی تبلیغ کریں اور اس دین کو پورے عالم میں پھیلائیں، بطور خاص ان لوگوں تک ضرور اس دین کو پہونچائیں جو ہمارے ملک میں آتے ہیں اور ہمارے درمیان رہتے ہیں، انہیں ہم دین کی دعوت پیش کریں، ہمارے لئے سب سے اہم ہدیہ اسلام کی دعوت ہے جو ہم ان کو پیش کرسکتے ہیں۔

اسلام کے مقابلے کوئی چیز نہیں ہے، ہماری خواہش ہے کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہوجائیں، اور وہ بھی جنت کے مستحق بن جائیں، دوزخ سے نجات پاجائیں، یہی ہماری ترجیح ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ ⌧ذِ⌧ سَبِيلِي أَدْعُو اِلَ⌧ اللَّ⌧ِ عَلَ⌧ بَصِيرَ⌧ٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّ⌧ِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِ⌧ِينَ) ترجمہ: کہہ دے یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔ (یوسف:۱۰۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔ بے شک تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔ (النحل:۱۰۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ) ترجمہ: اور بات کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں ۔(فصلت: ۳۳)۔

ایک داعی کی بات سب سے افضل بات ہے، سب سے بہتر اور سب سے عمدہ کلام ہے؛ کیونکہ وہ اللہ کی طرف بلاتا ہے اسکے دین کی طرف بلاتا ہے، کیونکہ دین کے بغیر انسان کی کوئی قیمت نہیں ہے، بلکہ ایسے شخص کے مقابل میں حیوان کہیں زیادہ بہتر ہیں، کیونکہ حیوان مکلف نہیں ہے، اور یہ انسان عاقل ہے اور مکلف ہے، سو اگر یہ دین فطرت پر نہیں ہوگا تو حیوان اس سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا) ترجمہ: یا تو گمان کرتا ہے کہ ان کے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، وہ نہیں ہیں مگر چوپاؤں کی طرح، بلکہ وہ راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہیں ۔(الفرقان: ۴۴)۔

اس طرح پوری انسانیت دعوت دین کی محتاج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے پوری انسانیت کی خاطر رحمت بنا کر بھیجا گیا، اور اسی رحمت کا نتیجہ ہے کہ آپ جس سے بھی ملتے اسکے سامنے دین پیش کرتے، اس پر رحمت اور شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اسکے لیے خیر و بھلائی چاہتے ہوئے اور اسے شر سے نکالتے ہوئے، یہی انسانیت کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی ہے۔

نصیحت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ انسانوں کو اللہ کی طرف بلائیں، انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائیں، دوزخ سے جنت اور کفر سے ایمان نیز شقاوت سے سعادت کی طرف بلائیں اور اسکے لئے خیر و بھلائی کا جذبہ رکھیں تا کہ وہ بھی جہالت اور تاریکی سے نکل کر صراط مستقیم پر آجائے۔

ایک داعی کا عمل سب سے بہتر عمل ہے جس پر وہ کوئی دنیا طلب نہیں کرتا اور نہ ہی مدح وستائش کا طالب ہوتا ہے، وہ صرف انسانیت کی خیر خواہی اور بھلائی چاہتا ہے، یہی اسکا مشن ہے، ارشاد باری تعالی

ہے:(وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ)
ترجمہ: اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔(آل عمران:۱۸۷)۔

سو جس کے پاس بھی دین کا علم ہو از پر واجب ہے کہ وہ اسے لوگوں تک پہونچائے، اور اس دین کی تبلیغ کریں کیونکہ یہ تمام انسانیت کا دین ہے، بل انس و جن سب کا دین ہے۔

سو یہ بہت بڑی ذمیداری ہے، ہم میں سے ہر ایک پر یہ واجب ہے کہ حسب استطاعت اس دین کی تبلیغ کریں اور بلا شبہ اسپتالوں کے اندر اطباء، مریضوں اور دیگر عملہ ملا کر ایک بڑا سماج رہتا ہے جنہیں ضرورت ہے کہ ان کے اندر دین کی تبلیغ کی جائے، انہیں اللہ کی طرف بلایا جائے، اگر مومن ہے تو اسے دین کی پابندی کرنے، نیکی کرنے اور گناہوں سے توبہ کرنے نیز اصلاح کی دعوت دی جائے، اور غیر مسلم ہے تو اسے دخول اسلام کی دعوت دی جائے کفریہ اعمال سے دور رہنے اور جنتی اعمال کرنے کی دعوت دی جائے، ہر کو تبلیغ اور دعوت دین کی ضرورت ہے۔

سو ہر ایک پر حسب استطاعت تبلیغ واجب ہے، بطور خاص جو ذمیداران ہیں، کیونکہ دعوت دین کی ذمیداری ساری ذمیداریوں سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ ایک مسلمان پر دنیاوی امور انجام دینے سے قبل دینی امور انجام دینا زیادہ ضروری ہے، سو ہر ایک حسب استطاعت دین کیلئے کام کرے، ایک اثر میں وارد ہوا ہے کہ تم میں سے ہر کوئی اسلام کی سرحدوں میں سے ایک سرحد کا نگہبان ہے، اللہ نہ کرے تمہاری طرف سے دین اسلام کو نقصان پہونچے۔(السنہ للمروزی، ص ۱۳)۔

دین کی دعوت جس طرح اچھی گفتگو، وعظ و نصیحت اور حسن بیان سے ہوتی ہے اسی طرح اچھے کردار سے بھی ہوتی ہے، ایک داعی جو کہتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہے، یہ دوسروں کیلئے قدوہ اور نمونہ ہوتا ہے، جس طرح کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسوہ اور نمونہ ہیں، اسی طرح دین کے داعیوں کو بھی بہتر اسوہ بننا

چاہئے۔

اچھا کرداراور معاملہ میں سچائی دعوت الی اللہ کا حصہ ہے، اس لئے کہ دین اسلام وفاداری، سچائی، خیر خواہی اور بھلائی کا دین ہے، ایک مسلم داعی جو کہتا ہے اس پر پہلے عمل کرکے دکھاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ) ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟ (البقرہ: ۴۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ[2] كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ [2] اللہ کے نزدیک ناراض ہونے کے اعتبار سے بڑی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہیں کرتے۔(الصف: ۳)۔

آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ دوسروں سے خیر کا مطالبہ کریں اور خود اس پر عمل پیرا نہ ہوں؟! پہلے آپ خود عمل کرکے دکھائیں پھر دوسروں سے مطالبہ کریں، یہی ایک داعی کی صفت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ) ترجمہ: اور بات کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ (فصلت: ۳۳)۔

چنانچہ ایک داعی کو اپنی تحریر اور گفتگو سے پہلے معاملات اور کردار میں نمونہ بننا پڑے گا، کیونکہ گفتار کے مقابلے کردار کا اثر زیادہ ہوتا ہے بایں طور کہ ایک نیک صالح داعی کو دیکھ کر اسکی باتیں سننے سے پہلے ہی لوگ متاثر ہو جائیں گے۔

یہ معلوم ہے کہ اسپتالوں کے اندر مریض ہوتے ہیں انہیں اس وقت موت یاد آتی ہے، اس سے

خائف ہوتے ہیں، اس وقت وہ دعوت کو زیادہ قبول کریں گے، اسلئے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے، اور انہیں دین کی طرف بلانا چاہئے، انہیں توبہ اور حسن خاتمہ کی یاد دلانا چاہیے، انکے لئے کشادہ پر امید باتیں کرنی چاہئے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرانا چاہئے، بلکہ انہیں خیر کی رغبت دلانا چاہئے، بیماری سے شفا یابی کی امید دلانی چاہئے اور کہنا چاہئے کہ تم بخیر ہو کل کے مقابلے آج تمہاری حالت بہتر ہے، یہی دعوت کا اسلوب ہے کہ آپ اپنے مدعو سے مانوس ہوں اسے خوش رکھیں اور توبہ کی یاد دلائیں، اور کہیں کہ توبہ صرف مریض کیلئے خاص نہیں ہے بلکہ ہر حال میں اللہ تعالی توبہ قبول کرتا ہے، اسی طرح وصیت کی یاد دلائیں اور کہیں کہ وصیت سے کسی کی عمر نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے بلکہ یہ امور کو منضبط کرنے کیلئے ایک احتیاطی قدم ہے اسلئے وصیت لکھ کر رکھیں گرچہ صحت منداور تنومند رہیں، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مسلمان کے لیے جن کے پاس وصیت کے قابل کوئی بھی مال ہو درست نہیں کہ دو رات بھی وصیت کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھے بغیر گزارے۔" (صحیح بخاری: ۲۷۳۸)۔

چونکہ انسان کو نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا اور کیا پیش آئے گا، اسلئے اس پر جو بھی قرض، حقوق اور امانتیں ہوں انہیں لکھ کر رکھنا چاہئے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ جائیں، اور کوئی یہ نہ کہے کہ میں ابھی طاقتور نوجوان ہوں، ابھی موت کیسے آئے گی، جب ایک نوجوان ایسا نہیں کہ سکتا تو پھر ایک مریض کیسے یہ کہہ سکتا ہے جو کہ بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے، وہ تو وصیت لکھنے کا زیادہ مستحق ہے۔

اس سے یہ بھی کہا جائے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی موت قریب ہے، بلکہ

اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ ہر مسلمان سے مطلوب ہے، خواہ وہ صحت کی حالت میں ہو یا بیماری کی حالت میں۔ بس آپ وہ سب کو لکھ کر رکھیں جو آپ کے ذمے میں ہے اور جو کچھ آپ کیلئے ہے، تاکہ قیامت کے روز جوابدہ نہ ہونا پڑے، اور جو حقوق آپ پر بنتا ہو وہ لوگوں کے حوالے ہو جائے۔

اسی طرح مریض کو توبہ کی یاد کرائی جائے گی، توحید اور کلمہ شہادت کی یاد دلائی جائے گی، کہا جائے گا کہ یہ ایک مسلمان سے ہمہ وقت مطلوب ہے خواہ بیماری کی حالت ہو یا صحت کی، آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کریں اور کلمہ شہادت پڑھا کریں، تاکہ دل میں ہمیشہ اطمینان رہے، ارشاد باری تعالی ہے: (الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ) ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔ (الرعد: ۲۸)۔

اور شاید بار بار ذکر واذکار دوہرانے اور کلمہ شہادت کے پڑھنے سے خاتمہ بالخیر ہو، اور اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول صادق آجائے: (مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ) ترجمہ: جس کا آخری کلام (لا إله إلا الله) ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (سنن ابی داود: ۳۱۱۶)۔

مزید ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے: (لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) ترجمہ: اپنے بیماروں کو جو قریب مرنے کے ہوں ان کو (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) سکھاؤ۔ (صحیح مسلم: ۹۱۶)۔

اسی طرح مریضوں کو طہارت اور نماز کے احکامات سکھانے کی ضرورت ہے، اسلئے کہ بعض مریض بالخصوص جاہل قسم کے لوگ طہارت اور نماز کے تعلق سے بڑے متساہل اور غافل ہوتے ہیں اور بیماری کی حالت میں خود کو معذور سمجھتے ہیں، اور اسی وجہ سے کچھ مریض نماز بھی ترک کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اسپتال میں ہوں، نماز پڑھنے میں یہاں پریشانی ہے، یہ مجھے نکلنے کے بعد پڑھ لوں گا، جب کہ ممکن ہے وہ وہاں سے نکلے ہی نہ، بلکہ وہیں پر موت ہو جائے، اور جہالت اور سستی کی وجہ سے اس پر کچھ

فرائض رہ جائیں، حالانکہ نماز میں کوئی حرج اور مشقت نہیں ہے، جیسا کہ مریض کے بارے میں آتا ہے: (صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ) ترجمہ: کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔ (صحیح بخاری: ۱۱۱۷)۔

اگر قبلہ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے تو یہ اس پر واجب ہے، اور اگر طاقت نہیں ہے تو جس طرف چہرہ ہے اسی طرف پڑھ لے اور نماز بالکل نہ چھوڑے، بلکہ پہلو کے بل بھی پڑھ سکتا ہے حتی کہ اشارے سے بھی پڑھ سکتا ہے، یہ دین آسان ہے، انسان کی طاقت سے زیادہ اسے مکلف نہیں بنایا جاتا، ارشاد باری تعالی ہے: (لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا) ترجمہ: اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔ (البقرہ: ۲۸۶)۔

چنانچہ وہ ہر نماز کو وقت پر پڑھ لیا کرے گا خواہ بیٹھ کر پڑھے یا لیٹ کر یا اگر طاقت ہے تو کھڑے ہو کر۔

اور جہاں تک طہارت کی بات ہے تو اگر غسل اور وضو کرنے کی سہولت اور طاقت ہے تو یہی اصل ہے، وہ پانی ہی کے ذریعے طہارت حاصل کرے گا، اور اگر پانی سے طہارت حاصل کرنے کی طاقت نہیں ہے تو وہ تیمم کرے گا، اور اپنی سہولت کیلئے پاک مٹی رہ بے پاس رکھ لے تا کہ وقت پر اسی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لے جو کہ غسل اور وضو کیلئے کافی ہو گا۔

اور اگر کہیں ایسی حالت ہو جائے کہ اسے نہ تو پانی میسر ہو اور نہ ہی مٹی اور نہ ہی وہ بستر سے اٹھ سکتا ہو اور نہ ہی اسے کوئی معاون میسر ہو، تو ایسی صورت میں وہ جس بھی حالت میں گر چہ اسے پانی اور مٹی نہ ملے، گر چہ وہ وضو اور تیمم نہ کرے کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں ہے، بہر صورت وہ نماز ترک نہیں کرے گا۔

اور اگر اسے جمع بین الصلوات کی بھی ضرورت پڑے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ اور مغرب اور عشاء کو

ایک ساتھ دونوں میں سے کسی ایک کے وقت میں ادا کرسکتا ہے یعنی اگر چاہے تو جمع تقدیم کرلے اور اگر چاہے تو جمع تاخیر کرلے۔ دین آسان ہے الحمد للہ، لیکن بیماری اور کمزوری کا بہانہ بنا کر نماز ہی ترک کردے یہ بالکل جائز نہیں ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسکے کپڑے میں گندگی لگی ہو تو اسی کا بہانہ بنا کر نماز ترک کردے تو یہ بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اگر دوسرا کپڑا نہیں ہے تو اسے دھلے گا اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھ لے گا، بہرصورت وہ نماز ترک نہیں کرے، حسب استطاعت وہ نماز پڑھے گا، ارشاد باری تعالی ہے:(فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا) ترجمہ: سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو اور سنو اور حکم مانو۔(التغابن:١٦)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا) ترجمہ: اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔(البقرہ:٢٨٦)۔

اور جیسا کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تک میں تم سے یکسو رہوں تم بھی مجھے چھوڑ دو (اور سوالات وغیرہ نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں اپنے (غیر ضروری) سوال اور انبیاء کے سامنے اختلاف کی وجہ سے تباہ ہوگئیں۔ پس جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم بھی اس سے پرہیز کرو اور جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو بجالاؤ جس حد تک تم میں طاقت ہو۔“(صحیح بخاری:٧٢٨٨)۔

الحمدللہ، دین اسلام بہت ہی آسان ہے، مگر ضرورت ہے علماء اور فقہاء کی جو ان مریضوں کو سمجھائیں اور دین کی دعوت پیش کریں، انکے پاس جا کر انہیں فین کے احکامات بتلائیں اور انہیں یونہی جاہل نہ چھوڑیں، کہ فلاں فلاں کی باتوں پر اعتماد کرکے نماز ترک کرتے رہیں، یا یہ کہ جب یہاں سے باہر نکلیں گے تو پڑھ لیں گے، معاملہ ہر صورت میں بہت سنگین ہے، اور ایسا اسلئے ہو رہا ہے کیونکہ دعوت کا کام کمزور پڑ گیا ہے، لیکن الحمد للہ، جب سے اللہ تعالی نے وزارت صحت کے ذمیداران کو توفیق بخشی بطور خاص وزیر صحت اور انکے عملہ کو، کہ جنہوں نے اسپتالوں میں دعوت دین کے شعبے کو قائم کیا اور اسے فعال بنایا، میں سمجھتا ہوں اسپتالوں میں دعوت دین سے بہت فائدہ ہوگا، میری گزارش ہے کہ اس شعبے کے ذمیداران اس پر دھیان دیں اور مریضوں کو بیماری سے متعلق دین کے ضروری احکامات سکھائیں، دین میں انکے لئے کیا رخصت ہے اور کیا رخصت نہیں ہے اسے واضح کریں، انہیں یونہی نہ چھوڑا جائے کہ وہ اپنی عادات اور لوگوں کہ کہی سنی باتوں پر بھروسہ کئے رہیں، سو دعوت کے شعبے میں یہ بہت ضروری ہے، اور اگر مائک سے مریضوں کے کمروں میں کچھ دینی وعظ و نصیحت اور بیماری سے متعلق ضروری ہدایات بیان کئے جائیں تو بہتر ہوگا۔

اسی طرح یہ بھی بہتر ہوگا کہ دعوت کے میدان میں کام کرنے والے مریضوں کا فون نمبر رکھیں اور مناسب اوقات میں گاہے بگاہے انکی زیارت کرتے رہیں، ممکن ہے اسے کسی مسئلے میں عالم اور داعی کی ضرورت پڑے تو وہ فون پر مسئلہ دریافت کر لے، یہ بہت اہم ہے، ہر بستر پر داعیان دین کا فون نمبر ہونا چاہیے۔

اسپتالوں میں دعوت دین کے میدان میں ایک اہم کام یہ بیک ہے کہ اسپتال میں کام کرنے والی عورتوں اور خاتون ڈاکٹرز کو مرد حضرات سے دور رہنے کی نصیحت کی جائے اور اختلاط وخلوت سے روکا جائے، یعنی مرد حضرات کیلئے اسپتالوں میں الگ جگہ ہو اور خواتین کیلئے الگ، اور تمام خواتین پر پردے

کو لازم کیا جائے کہ وہ پردے اور حیاء کو لازم پکڑیں اور مردوں سے ہنسی مذاق نہ کریں، امانت داری سے اپنی ذمیداری ادا کریں، اسپتال کے جو ذمیداران ہیں انہیں ان امور آگاہ کیا جائے وہ ضرور ان شاء اللہ ان باتوں پر دھیان دیں گے کیونکہ اس سے اسپتال مختلف فتنوں سے محفوظ رہیں گے، اور یہ اسپتال کے ذمیداران کا کام ہے کہ اس پہلو دھیان دیں۔

دعوت الی اللہ کا کام صرف دعوت کے شعبے ہی تک منحصر نہیں ہے بلکہ اس مشن میں اطباء، نرس، کمپاؤنڈرز اور دیگر عملہ بھی شامل ہے، اپنی بساط بھر ہر کوئی اپنا تعاون دے گا، ارشاد باری تعالی ہے:(وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ) ترجمہ: اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔(المائدہ: ۲)۔

معلوم ہوا کہ یہ ذمہ داری سب کی ہے، اس میں باہمی تعاون واجب ہے، تساہل بالکل جائز نہیں ہے، یہ ایسی ذمہ داری ہے جس کے تئیں بروز قیامت ہر ایک سے سوال ہوگا، اسلئے یہ بہت بڑی ذمیداری ہے لیکن جو شخص اللہ پگ بھروسہ کرتا ہے اور اس ذمہ داری کا اہتمام کرتا ہے اللہ اسکے لئے راستے آسان کر دیتا ہے۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو خیر و بھلائی، علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، فتنوں سے محفوظ رکھے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: کیا ہر کوئی دعوت الی اللہ کا کام کر سکتا ہے، اس بارے میں کیا ضابطہ کیا ہے،

جواب: ہر مسلمان پر حسب استطاعت دعوت کا کام واجب ہے، ہر کوئی اتنا تو کہہ سکتا ہے کہ بھائی آپ یہ غلطی کر رہے ہیں، اللہ کا خوف کریں، اور اگر کوئی اشکال ہو تو اہل علم سے پوچھ لیں، البتہ جہاں تک فقہ وفتاوی اور احکام دین کا تعلق ہے تو یہ کام صرف علمائے ہی کر سکتے ہیں۔

سوال: کیا اسپتالوں میں دعوت دین کا کام کرنے والوں کیلئے کچھ خاص صفات ہیں جن سے متصف ہونا ضروری ہے؟

جواب: ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ گفتار و کردار اور اپنے تمام تصرفات میں اسوہ اور نمونہ بنے، دعوت دین میں مخلص ہو، اللہ کی رضا اور آخرت کی خواہش ہو، مدح وستائش اور دکھاوے سے پاک ہو، دوسروں کو تکلیف پہونچانے اور کسی میں عیب نکلنے کی نیت نہ ہو، بلکہ مقصد خیر خواہی ہو، غلطی کتنے والوں کی غلطیوں کی تشہیر نہ کرے، غلطیوں کی اصلاح راز داری کے ساتھ ہو، نرمی اور حکمت کا استعمال کرے۔

سوال: یہ معلوم ہے کہ ڈاکٹر مریض سے جو بھی کہے وہ اسے قبول کر لیتا ہے، تو کیا ایک ڈاکٹر مریض کو دعوت دین پیش کر سکتا ہے بطور خاص جب مریض کے اندر بعض شرعی مخالفت دیکھے، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: ڈاکٹر پر بھی دعوت دین کی ذمیداری ہے، چنانچہ اگر وہ مریضوں کے یہاں شرعی مخالفت

دیکھے تو اسے صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرے، اور اگر کوئی غلطی دیکھے مگر اصلاح کا طریقہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں شعبہ دعوت کو اطلاع دے، وہ آ کر صحیح رہنمائی کریں گے، یا اسکا درست حل پیش کریں گے۔

سوال: اگر کوئی نرس اسلام قبول کرلے اور اسکا شوہر کافر ہو تو وہ کیا کرے، کیا اسکا نکاح فسخ ہو جائے گا، اور اگر اسکا شوہر عدت کے دوران فوت ہو جائے تو کیا وہ اس پر سوگ منائے گی؟

جواب: اسکے اسلام قبول کرنے کی صورت میں کچھ قانونی کارروائی کرنا ہوگی، چنانچہ اسے سب سے پہلے شعبہ جالیات کے واسطے سے کسی محکمے میں لے جا کر اسکے اسلام لانے کی توفیق کرنی ہوگی، اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو قاضی اسکے بارے میں شرعی فیصلہ کرے گا۔

سوال: بعض عملہ کی طرف سے یہ قابل ملاحظہ ہے کہ وہ عورتوں سے فون وغیرہ پر باتیں کرتے رہتے ہیں، چنانچہ مرد اور عورت کے درمیان تعامل کی بہتر طریقہ کیا ہے؟

جواب: بلاشبہ عورتیں فتنہ ہیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پر عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں بتایا ہے، چنانچہ اگر کسی مرد کسی عورت سے بات کرنے کی ضرورت ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ درج ذیل شرائط پر عمل کرے:

پہلی شرط: ضرورت کے وقت بات کرے، ہنسی مذاق کی خاطر بات نہ کرے۔

دوسری شرط: عورت باحجاب ہو، بے پردہ حیاباختہ نہ ہو کہ دیکھنے والا فتنے میں مبتلا ہو جائے۔

تیسری شرط: بقدر ضرورت بات کرے، ضرورت سے زیادہ بات نہ کرے۔

چوتھی شرط: بات کرتے وقت کسی کمرے یا آفس میں خلوت نہ ہو۔

سوال: میں میڈیکل کالج کا ایک طالب ہوں، یہاں پر بہت سی طالبات اور نرس بے پردہ رہتی ہیں، ہم انہیں کیسے سمجھائیں جبکہ وہ چہرہ کھولنے کے جواز کو حجت بناتی ہیں؟

جواب: آپ اپنی باتیں پیش کردیں خواہ کوئی اسے قبول کرے یا نہ کرے، اسلئے کہ پورے بدن کا حجاب واجب ہے، اسکی دلیل قرآن میں موجود ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ) ترجمہ: اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔(النور: ٣١)۔مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ) ترجمہ: اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو۔(الاحزاب: ٥٣)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا) ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتیں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے۔(الاحزاب: ٥٩)۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: " كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ، فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سوار ہمارے سامنے سے گزرتے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوتے، جب سوار ہمارے سامنے آجاتے تو ہم اپنے نقاب اپنے سر سے چہرے پر ڈال لیتے اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اسے کھول لیتے۔(سنن ابی داود: ١٨٣٣)۔

صحابیات نے یہ عمل حج وداع کے دوران کیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اگر نہ ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتیں، اسلئے یہ مرفوع کے درجے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کا اقرار کیا اس پر نکیر نہیں کی، اس لئے حجاب واجب ہے۔

اور جہاں تک بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ چہرے کا پردہ واجب نہیں ہے یا یہ کہ اس میں اختلاف ہے، تو اس مسئلے میں حجت کسی امتی کا قول نہیں ہوگا، بلکہ اللہ اور اسکے رسول کا قول حجت ہوگا، سو جسے اللہ اور اسکے رسول کا خوف ہو اسے چاہئے کہ وہ اس مسئلے میں کتاب وسنت سے دلیل تلاش کرے لوگوں کے اقوال چھوڑ دے جو کہ دلیل نہیں ہیں۔

سوال: اسپتالوں کے اندر ڈاکٹروں اور نرسوں اور دیگر مرد وخواتین عملہ کی درمیان اختلاط اور بے پردگی پائی جاتی ہے، اور بعض دفعہ بہت داری شرعی مخالفتوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: بلا شبہ یہ سب منکر عمل ہے، میں امید کرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو، اگر ہو رہا ہو تو بہت کم ہو، اور جلد ہی ختم ہو جائے، مسلم ملک اور مسلمانوں کے اسپتالوں میں ایسا ہو بالکل مناسب نہیں ہے، ایسی صورت حال میں ذمیداران اسپتال کی ذمیداری بڑھ جاتی ہے، چنانچہ جس طرح وہ ڈیوٹی کے اوقات، کاموں اور دیگر دنیاوی امور پر نظر رکھتے ہیں اسی طرح ضروری ہے کہ امور دین پر بھی نظر رکھیں، اور اگر اسپتالوں میں اس طرح کے منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہو تو انہیں خاتم کریں، اسلئے کہ اسپتالوں کو اس لیے قائم نہیں کیا گیا ہے بلکہ علاج ومعالجہ کیلئے قائم کیا گیا ہے جہاں پر دینی اقدار اور انسانی وقار کا خیال کیا جاتا ہو، یہاں کے اسپتال بداخلاقی کو بڑھاوا دینے کیلئے نہیں بلکہ اخلاق میں نمونہ بننے کیلئے ہیں، دعا ہیکہ اللہ تعالی ذمیداران کو توفیق دے، اور اللہ انکی ان منکرات کے خاتمے میں مدد فرمائے۔

سوال: میں دوافروش ہوں، دواؤں کے لیں دین کو لیکر نرسوں سے گفتگو میری ہوتی رہتی ہے، کیا مجھ پر کچھ گناہ ہے؟

جواب: بقدر ضرورت اگر گفتگو ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، حرج اس وقت ہے جب یہ گفتگو بلا ضرورت ہنسی مذاق اور فضول میں ہو۔

سوال: بعض مریض ڈاکٹروں سے اللہ کے مقابلے کچھ زیادہ ہی تعلق خاطر رکھ لیتے ہیں، ایسے مریضوں کو کیسے سمجھائیں؟

جواب: میں نہیں سمجھتا کہ ایک مسلمان خالق کے مقابلے ایک مخلوق سے اپنا تعلق خاطر زیادہ بڑھا لے گا، ایک مسلمان اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اور علاج معالجے کیلئے جو جائز اسباب ہیں انہیں بھی استعمال کرتا ہے، اطباء سے مشورہ بھی لیتا ہے، یہ سب جائز اسباب ہیں، لیکن انہیں پر بھروسہ نہیں کیا جاتا، بلکہ بھروسہ اللہ پر کیا جاتا ہے اس طرح دونوں چیزوں کے اندر تطبیق ہو جاتی ہے بایں طور کہ نفع بخش اسباب کا استعمال بھی کرے اور اللہ پک بھروسہ بھی کرے۔

سوال: اسپتال میں لیدیڈیز ڈپارٹمنٹ میں خواتین کو دعوت دین پر ابھارنے کیلئے کچھ رہنمائی فرمائیں کیونکہ انکے یہاں اس تعلق سے بہت کمیاں پائی جاتی ہیں؟

جواب: بلا شبہ جس طرح مردوں پر دعوت دین کا فریضہ واجب ہے اسی طرح خواتین پر بھی خواتین کے اندر یہ فریضہ واجب ہے، کیونکہ خواتین کی مجلسوں میں مرد حضرات نہیں جاتے، انہیں عورتیں ہی دعوت دین پیش کرسکتی ہیں، اللہ نے انہیں بھی حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) ترجمہ:

مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ (التوبہ:۷۱)۔

سوال: اگر اسپتال میں میرا اپوائنٹ منٹ ہو اور وہاں استقبالیہ یا او پی ڈی میں بے پردہ خواتین بیٹھتی ہوں تو کیا میں وہاں علاج کیلئے جاؤں؟

جواب: اگر ضروری علاج ہے تو ضرور جائیں، لیکن نگاہیں نیچی کرکے بقدر ضرورت ہی بات کریں، کسی عورت سے خلوت اختیار نہ کریں۔

سوال: مریض اگر علاج نہ کرائے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟

جواب: علاج کرانا جائز اور مباح ہے، اور جو چیز مباح ہوتی ہے اس میں نہ گناہ ملتا ہے اور نہ ہی ثواب، اور اسکے ترک کرنے پر نہ ہی کوئی سزا ملتی ہے۔

سوال: میں جس ڈپارٹمنٹ میں کام کرتا ہوں وہاں کبھی کبھی دعوتی پروگرام ہوتا ہے اور کبھی کبھار لیکچر دینے والی خاتون ہوتی ہیں، تو کیا میں اس پروگرام میں شرکت کرسکتا ہوں؟

جواب: کسی عورت کیلئے بے پردہ مردوں کے سامنے خطاب کرنا جائز نہیں ہے، ابھی ہمارے یہاں یہ حالت نہیں پہونچی ہے، الحمد للہ، مرد حضرات دعوتی کام کیلئے کافی ہیں، چنانچہ مرد حضرات خطاب کریں اور اس میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حاضر ہوسکتی ہیں، ہاں اگر صرف عورتوں میں خطاب کرنا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جس خاتون کے اندر دعوت کی صلاحیت ہے وہ عورتوں کے مجمع میں خطاب کرسکتی ہے۔

سوال: محض دعوت دین کے مقصد سے نرسوں کے سامنے نظریں نیچی رکھ کر مسکرانا کیسا ہے؟

جواب: دعوت دین کا کام حرام اور مکروہ وسائل اپنا کر نہیں کیا جاتا، اجنبی عورتوں کے سامنے مسکرانا اور انہیں اپنی طرف مائل کرنا شیطانی حربہ ہے، ایسے غیر مشروع ذرائع کو دعوت دین کیلئے استعمال کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ دعوت کے لئے مشروع طریقوں کا استعمال کریں۔

سوال: ہمارے یہاں بعض نرسیں ایسی ہیں جو پردہ کرتی ہیں مگر انکی ہتھیلی اور آنکھیں کھلی ہوتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: نقاب پہننے میں آنکھیں کھلی رہتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر دستانے کا استعمال کیا جائے تو ہتھیلی بھی ڈھک جائے گی جو کہ بہتر ہے۔

سوال: کچھ مریض اپنی چادر پر ہاتھ مار کر تیمم کر لیتے ہیں، حالانکہ مٹی کے صندوق رکھے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا کیا جائے؟

جواب: چادروں سے تیمم نہیں ہوگا، کیونکہ ان پر غبار نہیں ہوتے، تیمم کیلئے پاک گردو غبار اور مٹی کا ہونا ضروری ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ) ترجمہ: تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔ (المائدہ:٦)۔

چنانچہ پاک مٹی کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ غبار اور گرد ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی جگہ جہاں گردو غبار نہ ہو وہاں سے تیمم نہیں ہوسکتا۔

سوال: ستر پوشی واجب ہے، مگر آپریشن تھیٹر اور اسپتال کی دوسری جگہوں پر اس تعلق سے بڑی لاپرواہی دیکھی جاتی ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: جہاں تک آپریشن کا معاملہ ہے تو اس وقت خاتون کا بقدر ضرورت بدن کا کھولنا جائز ہے، اس شرط کے ساتھ کہ لیڈی ڈاکٹر نہ ہو۔

سوال: کیا اگر کمرے کا دروازہ کھلا ہو تو اس سے خلوت نہیں مانا جائے گا جیسے کہ او پی ڈی اور اسپتال کے دیگر ڈپارٹمنٹ میں ہوتا ہے؟

جواب: صرف دروازے کا کھلا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ تیسرے شخص کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ تیسرا مرد ہو یا عورت۔

سوال: رقیہ شرعیہ کے بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: رقیہ شرعیہ قرآنی آیات، ماثور دعاؤں اور پناہ مانگنے والی آیتوں اور حدیثوں سے ہوتی ہے، انہیں پڑھ کر مریض کے اوپر پھونک ماری جاتی ہے، یا پانی میں پڑھ کر مریض کو پلایا جاتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ مکمل بھروسہ اللہ پر ہو، اور رقیہ کو ایک سبب مانے۔

سوال: ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ اسباب کا ترک کرنا معصیت ہے اور ان پر اعتماد کرنا شرک ہے۔ اس حدیث کی صحت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ حدیث نہیں بعض علماء کا قول ہے، کیونکہ شریعت کے اندر اسباب اپنانے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَخُذُوا حِذْرَكُمْ) ترجمہ: اور اپنے بچاؤ کا سامان پکڑے رکھو۔

(النساء:۱۰۲)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ) ترجمہ: اوران کے لیے جتنی کرسکو قوت کی صورت میں اور تیار بندھے گھوڑوں کی صورت میں تیاری رکھو۔(الانفال:۶۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ) ترجمہ: وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو تابع بنادیا،سواس کے کندھوں پر چلواوراس کے دیے ہوئے میں سے کھاؤاوراسی کی طرف (دوبارہ) اٹھ کر جانا ہے۔(الملک:۱۵)۔

معلوم ہوا کہ اسباب اختیار کرنا شرعی حکم ہے،اگرکوئی اسے جاں بوجھ کرترک کرتا ہے تو گویا شریعت پرطعن کرتا ہے، اسلئے کہ اسباب کے علنا نے کس حکم ہے،اوراگرکوئی انہیں اسباب پت مکمل بھروسہ کرتا ہے تو یہ شرک ہے، کیوں کہ بھروسہ اللہ پر کرنا ہے۔

سوال: سکرات الموت کے وقت مریض کوکلمہ کی تلقین کی صحیح کیفیت کیا ہے؟

جواب: ایسی حالت میں مریض کے پاس بڑے ہی نرمی اور حکمت سے کلمہ پڑھنا چاہیئے تا کہ اسے یاد آجائے اور وہ بھی آپ کے ساتھ پڑھنے لگے، اگر ایک ہی مرتبہ کہہ دے تو وہی کافی ہے، اسے حکم نہ کریں کہ کہیں تکلیف میں انکار نہ کربیٹھے۔



۸۵-خواتین کے مسائل:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

عورتیں مردوں کی سگی ہیں، اور یہ سماج کے اندر آدھی آبادی کو شیئر کرتی ہیں، گھر میں بچوں کی تربیت انہیں کے ذمہ ہے، اسلئے انہیں بھی دین کی تعلیمات سکھانا اور انہیں آداب واخلاق کی تعلیم دینا واجب ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض مجالس عورتوں کیلئے بھی خاص کرتے تھے، بلکہ عید کے موقع پر مردوں کے سامنے خطبہ دینے کے بعد عورتوں میں بھی خطبہ دیا اور انہیں وعظ ونصیحت کی اور آخرت کی یاد دلائی۔(صحیح بخاری:۹۷۶)۔

قرآن کریم کے اندر بہت ساری ایسی آیات ہیں جن کے اندر خاص عورتوں کیلئے احکامات و ارشادات موجود ہیں، ساتھ ہی یہ عورتیں اکثر شرعی مسائل میں مردوں کے ساتھ شامل ہیں۔

* وہ مسائل جن میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں:

ارکان اسلام، ارکان ایمان، واجبات دین کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب میں مرد اور عورت سب برابر ہیں، اسی طرح عقیدہ توحید اور خالص اللہ کی عبادت کرنے نیز شرک سے بچنے میں دونوں برابر ہیں، ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرے اور غیر اللہ کی پرستش نہ کرے، اسی طرح نماز، روزہ، زکاۃ اور حج جیسے فرائض کی ادائیگی میں دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ مرد کی طرح عورت پر بھی واجب

ہے کہ وہ اللہ پر، اسکے فرشتوں پر، اس کی کتابوں اور رسولوں پر، آخرت اور تقدیر پر ایمان لائے۔

اسی طرح رزق حلال اور جائز کمائی کرنے اور حرام کمائیوں سے بچنے میں بھی دونوں برابر ہیں، ان تمام امور میں مرد وعورت دونوں کیلئے شرعی نصوص عام ہیں۔

اسی طرح اجر وثواب اور عقاب کے استحقاق میں بھی دونوں برابر ہیں، اجر وثواب کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے :(إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا[35]وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا) ترجمہ: بے شک مسلم مرد اور مسلم عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقینا وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔ (الاحزاب:۳۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) ترجمہ: جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یقینا ہم اسے ضرور زندگی بخشیں گے، پاکیزہ زندگی اور یقینا ہم انھیں ان کا اجر ضرور بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔ (النحل: ۹۷)۔

چنانچہ نیکیوں پر اجر کے حصول اور دخول جنت کے استحقاق میں جس طرح ایک عورت مرد کے برابر ہے اسی طرح معصیت پر سزا اور دخول نار کے استحقاق میں بھی وہ مرد کی طرح ہے ارشاد باری تعالی ہے: (لِّيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا) ترجمہ: تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور (تاکہ) اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول کرے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الاحزاب: ۷۳)۔

اسی طرح ایمان باللہ میں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے میں اور مومنوں سے محبت کرنے اور کافروں سے بغض رکھنے میں یہ بھی مردوں کی طرح ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) ترجمہ: اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (التوبہ: ۷۱)۔

اس سے پہلے اللہ تعالی نے یہ واضح کیا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں اسکے بالکل برعکس ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:(الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں، ان کے بعض بعض سے ہیں، وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول گئے تو اس نے انھیں بھلا دیا۔ یقینا منافق لوگ ہی نافرمان ہیں۔(التوبہ:٦٧)۔

اسی طرح ایک عورت سچائی کو لازم پکڑنے میں بھی مرد کی طرح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ) ترجمہ: اور سچے مرد اور سچی عورتیں۔(الاحزاب:٣٥)۔گفتگو میں سچائی معاملات میں سچائی، اللہ اسکی مخلوق کے ساتھ سچائی۔

اسی طرح غیبت، چغلی، جھوٹ اور جھوٹی گواہی کی حرمت میں بھی ایک عورت مرد کے برابر ہے۔

ہاں اللہ تعالی نے عورتوں کی خلقت اور طبیعت کے اعتبار سے اسکے لیے ضرور کچھ احکام خاص کئے ہیں جن میں مرد شامل نہیں ہیں، اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے۔

* زیب وزینت سے متعلق عورتوں کے مسائل:

زیب وزینت اور لباس میں ایک عورت مردوں سے مختلف ہے اسکے لئے کچھ خاص لباس اور زینت ہیں جو مردوں کیلئے نہیں ہیں، ویسے اللہ تعالی نے مرد وخواتین ہر ایک کیلئے مطلق طور پر زیب و زینت کو حلال کیا ہے ارشاد باری تعالی ہے:(قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ) ترجمہ: تو کہہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے

اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں؟ کہہ دے یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں (بھی) ہیں، جبکہ قیامت کے دن (ان کے لیے) خالص ہوں گی، اسی طرح ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔ (الاعراف: ۳۲)۔

لیکن کچھ ضرورتوں کی بنیاد پر عورتوں کیلئے خاص زیب و زینت کی اجازت ہے جو مردوں کو نہیں ہے، لیکن وہ اب شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ زینت دوسروں کیلئے فتنے کا باعث بنے، اور اسی طرح وہ زینت اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر نہ کرے۔

اسی طرح کچھ زینت کی چیزوں کو حرام کر دیا گیا ہے جیسے زینت کے واسطے ابرو کے بال اکھاڑنا، کیوں کہ ایسی چیزوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:" لُعِنَتِ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ وَالنَّامِصَةُ وَالْمُتَنَمِّصَةُ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ مِنْ غَيْرِ دَاءٍ"، قَالَ أَبُو دَاوُد: وَتَفْسِيرُ الْوَاصِلَةِ الَّتِي تَصِلُ الشَّعْرَ بِشَعْرِ النِّسَاءِ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ الْمَعْمُولُ بِهَا، وَالنَّامِصَةُ الَّتِي تَنْقُشُ الْحَاجِبَ حَتَّى تُرِقَّهُ وَالْمُتَنَمِّصَةُ الْمَعْمُولُ بِهَا، وَالْوَاشِمَةُ الَّتِي تَجْعَلُ الْخِيلَانَ فِي وَجْهِهَا بِكُحْلٍ أَوْ مِدَادٍ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ الْمَعْمُولُ بِهَا.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ملعون قرار دی گئی ہے بال جوڑنے والی، اور جڑوانے والی، بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی، اور بغیر کسی بیماری کے گودنے لگانے والی اور گودنے لگوانے والی۔ ابوداوٗد کہتے ہیں: (واصلة) اس عورت کو کہتے ہیں جو عورتوں کے بال میں بال جوڑے، اور (مستوصلة) اسے کہتے ہیں جو ایسا کروائے، اور (نامصة) وہ عورت ہے جو ابرو کے بال اکھیڑ کر باریک کرے، اور (متنمصة) وہ ہے جو ایسا کروائے، اور (واشمة) وہ عورت ہے جو

چہرہ میں سرمہ یا سیاہی سے خال (تل) بنائے، اور (مستوشمة) وہ ہے جو ایسا کروائے۔ (سنن ابی داود:۴۱۷۰)۔

اسی طرح دانتوں کو کاٹ چھانٹ کر خوبصورت بنانا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ "لَعَنَ اللَّهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ تَعَالَى". مَالِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ سورة الحشر آية 7.

ترجمہ: علقمہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حسن کے لیے گودنے والیوں، گدوانے والیوں پر اور چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں پر اور دانتوں کے درمیان کشادگی پیدا کرنے والیوں پر، جو اللہ کی خلقت کو بدلیں ان سب پر لعنت بھیجی ہے، میں بھی کیوں نہ ان لوگوں پر لعنت کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور اس کی دلیل کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ آیت (وما آتاکم الرسول فخذوہ) ہے۔ (صحیح بخاری:۵۹۳۱)۔

چنانچہ اگر یہ محض زیب وزینت اور حسن کی خاطر کیا جائے تو لعنتی امر ہوگا، لیکن اگر علاج معالجے کی خاطر ہو اور دانتوں کو سدھارنا ضروری ہو یا دانت عیب دار ہو باہر کی طرف بڑھا ہوا ہو یا کسی اصلاح کی ضرورت ہو یا کیڑے وغیرہ لگنے سے دانتوں کی صفائی کا مسئلہ ہو تو ان صورتوں میں علاج کے باب سے جائز ہوگا اسلئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی عورت پر لعنت بھیجی ہے جو ایسا محض حسن کیلئے کرتی ہو۔

اسی طرح گودوانا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سر کے قدرتی بالوں میں مصنوعی بال لگانے والیوں پر اور لگوانے والیوں پر اور گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے۔" (صحیح بخاری: ۵۹۳۳)۔

بدن پر گودوانے کا کام عورتیں زمانہ جاہلیت میں کرتی تھیں، اور آج تک وہی کام پایا جاتا ہے، چنانچہ اس وقت بھی پڑوسی ممالک کی عورتیں اپنے ہاتھوں اور چہروں پر گودواتی ہیں، جب کہ ایسی عورتوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔

* زیورات سے متعلق عورتوں کے مسائل:

مردوں پر اللہ تعالی نے سونے اور ریشم کو حرام کیا ہے چنانچہ یہ اسے بطور زیور کے استعمال نہیں کر سکتے، نہ ہی سونے کی انگوٹھی پہن سکتے اور نہ ہی سونے کی گھڑی اور چشمہ پہن سکتے، سونے کا استعمال کرنا مردوں پر حرام ہے جبکہ عورتوں کیلئے حلال ہے، وہ اس کا زیور پہن سکتی ہیں، لیکن استعمال میں مبالغہ اور اسراف نہیں بلکہ میانہ روی اختیار کیا جائے، عام عورتوں کی عادت اور رواج کے مطابق ہی ہو، سونے کی طرح ریشم بھی عورت کیلئے حلال ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ ، يَقُولُ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرِيرًا بِشِمَالِهِ ، وَذَهَبًا بِيَمِينِهِ ، ثُمَّ رَفَعَ بِهِمَا يَدَيْهِ ، فَقَالَ: " إِنَّ هَذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي ، حِلٌّ لِإِنَاثِهِمْ ".

ترجمہ: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ

میں ریشم اور دائیں ہاتھ میں سونا لیا، اور دونوں کو ہاتھ میں اٹھائے فرمایا: ”یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام، اور عورتوں کے لیے حلال ہیں“۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۵۹۵)

اسی طرح ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِي يَدِ رَجُلٍ، فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ، وَقَالَ: " يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ "، فَقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهِ، قَالَ: لَا وَاللَّهِ لَا آخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سونے کی انگوٹھی دیکھی ایک شخص کے ہاتھ میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتار کر پھینک دی اور فرمایا: ”تم میں سے کوئی قصد کرتا ہے جہنم کے انگارے کا، پھر اس کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔“ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس شخص سے کہا: تو اپنی انگوٹھی اٹھا لے اور اس سے نفع حاصل کر (یعنی اس کی قیمت سے) وہ بولا: قسم اللہ کی! میں اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا۔ (سبحان اللہ! صحابہ کا تقویٰ اور اتباع اس درجہ کو پہنچا تھا اگر وہ اٹھا لیتا اور بیچ لیتا تو گناہ نہ ہوتا)۔ (صحیح مسلم: ۲۰۹۰)۔

یہ صحابہ کا ایمان اور اطاعت و فرمانبرادی تھی۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ سونے کا استعمال مردوں پر حرام ہے خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، ہاں سخت ضرورت کے وقت استعمال کر سکتے ہیں مگر صرف ضرورت کے بقدر جیسے کہ دانتوں کو سونے کے تار سے باندھنا جب یہ ضرورت کے تحت ہو نہ کہ زینت کے طور پر، اگر زینت کے طور پر ہو گا تو حرام ہو جائے گا، ہاں دانتوں کی حفاظت کی خاطر جائز ہے کیونکہ سونے کی یک خاصیت ہے کہ اس کے اندر زنگ نہیں لگتی ہے

جبکہ دوسرے دھات زنگ آلود ہو کر منہ کے اندر سڑاند پیدا کر سکتے ہیں، جبکہ سونے میں نہ تو زنگ لگتا ہے اور نہ ہی اسکی وجہ سے سڑاند پیدا ہوتی ہے۔

سونا عورتوں کیلئے جس طرح جائز ہے اسی طرح اجنبی مردوں کے سامنے اسکا ظاہر کرنا حرام ہے، چنانچہ اگر وہ ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلے تو زیور کو بھی چھپائے انہیں ظاہر نہ کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ) ترجمہ: اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔ (النور:۳۱)۔

یہاں مراد پازیب ہے جو کپڑوں کے اندر ہوتا ہے، تو اگر عورتوں کو زیور کی آواز چھپانے سے منع کیا گیا تو پھر زیور کو اجنبی مردوں کے سامنے اظہار کا کیا حکم ہوگا، پتہ چلا کہ یہ اجازت عورتوں کو صرف اپنے شوہر کے سامنے، محرم مردوں کے سامنے گھر میں اور عورتوں کے سامنے ہے۔

اسی طرح عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ زیب و زینت کی خاطر جائز لباس میں جو چاہیں پہنیں، مگر اسے پہن کو ظاہر دکھاتے ہوئے نہ نکلیں، اگر باہر نکلنا ضروری ہو تو زینت کے لباس اتار دے گی، اور عام لباس پہنے گی جو پورے بدن کو ڈھانپے ہوئے ہو اور بطور زینت نہ ہو، اور نہ ہی اس قدر تنگ ہو جو مفاتن بدن اور اعضاء جسم کے جوڑوں کو ظاہر کر رہا ہو، بلکہ اس طرح وسیع اور ساتر ہو جو بالکل قابل توجہ نہ ہو۔

اسی طرح عورت کیلئے خوشبو کا استعمال کرنا بھی جائز ہے مگر گھر میں، شوہر کے پاس لیکن اگر ضرورت کے تحت باہر نکلنا ضروری ہو تو خوشبو نہیں لگائے گی، کیونکہ ایسی صورت میں وہ دوسروں کی توجہ کا مرکز بنے گی، اور پھر یہ فتنوں کا سبب ہوگا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ وَلْيَخْرُجْنَ إِذَا خَرَجْنَ تَفِلَاتٍ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی

کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو اور ان خواتین کو چاہیے کہ وہ خوشبو لگائے بغیر باہر نکلیں۔ (مسند دارمی: ۱۲۴۸)۔

یعنی زیب و زینت کے ساتھ نہ نکلے بلکہ ایسی ہیئت میں نکلے جو قابل توجہ نہ ہو، اسلئے ایک عورت سڑکوں، بازاروں، مساجد اور مدارس میں خوشبو کے ساتھ نہیں نکلے گی کیونکہ اس میں اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی ہے، وہ اپنے اور دوسروں کیلئے فتنوں کا سبب بن سکتی ہے۔

* جنازہ کے تعلق سے عورتوں کے مسائل:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: "لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ (دلچسپی سے) سننے والی پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن ابی داود: ۳۱۲۸)۔

جو عورت نوحہ کرتی ہے وہ میت پر زور زور سے آواز نکالتی ہے، اس پر حسرت کا اظہار کرتی ہے، اسکے محاسن کو گنا گنا کر روتی ہے، ایسی عورت کے تعلق سے ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ) ترجمہ: بین کرنے والی اگر توبہ نہ کرے اپنے مرنے سے پہلے تو جب قیامت ہوگی تو اس پر گندھک کا پیرہن اور کھجلی کی اوڑھنی ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۹۳۴)۔

ہاں اگر عورت میت پر بغیر آواز کے روئے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ایک انسان اپنے

قریبی میت پر رونے سے نہیں روک سکتا، بلکہ آواز بلند کرنے کی ممانعت ہے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت چلا کر رونے والی، سر منڈوانے والی اور گریبان چاک کرنے والی عورتوں سے براءت کا اظہار کیا ہے، جیسا کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے۔(صحیح بخاری:۱۲۹۶)۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مختلف قسموں سے اپنی براءت کا اظہار کیا ہے جن کے اندر جاہلی عادت پائی جاتی ہیں بطور خاص جہالت کی بنیاد پر۔

اسی طرح عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:" لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ، وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور اس پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔(سنن ابی داود:۳۲۳۶)۔

چنانچہ اگر کوئی زیارت کرتی ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ملعونہ ہے، زیارت قبر صرف ان مردوں کے ساتھ خاص ہے جو مردوں پر سلام بھیجنا اور انکے حق میں دعا کرنا چاہتے ہوں، لیکن جو قبروں سے تبرک اور مردوں سے تقرب حاصل کرنا چاہتے ہوں جس طرح کہ مزاروں اور خانقاہوں میں کیا جاتا ہے تو یہ بالکل حرام ہے، بلکہ شرکیہ زیارت ہے۔

*نماز کے تعلق سے عورتوں کے مسائل:

نماز اور عبادت کے میدان میں بھی عورتوں کیلئے کچھ خاص احکام ومسائل ہیں، چنانچہ ایک عورت نہ تو اذان دے سکتی ہے اور نہ ہی اقامت، یہ دونوں مرد کیلئے خاص ہیں، نہ ہی عورتوں کی جماعت کیلئے اور نہ ہی اپنے لئے، بلکہ عورتیں بغیر اذان اور تکبیر کے نماز پڑھیں گی۔

اسی طرح نماز کے تعلق سے اللہ نے مردوں پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو واجب کیا ہے اور جو لوگ تنہا گھر پر نماز پڑھتے ہیں ان پر وعید آئی ہے ارشاد باری تعالی ہے: (يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ[42] خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ) ترجمہ: جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور وہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے تو وہ طاقت نہیں رکھیں گے۔ [42] ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلت انھیں گھیرے ہوئے ہوگی، حالانکہ انھیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا، جب کہ وہ صحیح سالم تھے۔(القلم: ۴۳)۔

یعنی وہ اذان سنتے ہیں نماز کی طرف بلانے جاتے ہیں مگر اپنے گھروں سے نہیں نکلتے، انکی نماز ہوتو جائے گی مگر واجب چھوڑنے کا گناہ ملے گا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: " أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَجُلٌ أَعْمَى، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ يُرَخِّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ، فَرَخَّصَ لَهُ، فَلَمَّا وَلَّى، دَعَاهُ، فَقَالَ: " هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی کھینچ کر مسجد تک لانے والا نہیں اور اس نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو گھر میں نماز پڑھ لیا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دیدی۔ پھر

جب لوٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اذان سنتے ہو؟" اس نے عرض کی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم مسجد آیا کرو۔" (صحیح مسلم: ٦٥٣)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ، شَاسِعُ الدَّارِ، وَلِي قَائِدٌ لَا يُلَائِمُنِي، فَهَلْ لِي رُخْصَةٌ أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي؟ قَالَ: هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں نابینا آدمی ہوں، میرا گھر بھی (مسجد سے) دور ہے اور میری رہنمائی کرنے والا ایسا شخص ہے جو میرے لیے موزوں ومناسب نہیں، کیا میرے لیے اپنے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اذان سنتے ہو؟"، انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(پھر تو) میں تمہارے لیے رخصت نہیں پاتا"۔ (سنن ابی داود: ٥٥٢)

اسی طرح ایک دوسری حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے اذان سنی لیکن مسجد میں نہیں آیا تو اس کی نماز نہیں ہو گی، الا یہ کہ کوئی عذر ہو"۔ (سنن ابن ماجہ: ٧٩٣)۔

یہ مردوں کے حق میں ہے لیکن جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو ان پر جماعت کو اللہ نے ساقط کر دیا ہے، اور گھر ہی کے اندر ان پر نماز پڑھنا واجب کر دیا ہے، کیوں کہ گھر زیادہ پردہ کے لائق اور محفوظ ہے،

لیکن اگر وہ مسجد جانا چاہتی ہے تو جائز ہے اسے روکا نہیں جائے گا مگر وہ شرعی آداب کا خیال کر کے جائے گی، ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو، البتہ ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں"۔ (سنن ابی داود: ۵٦٧)۔

چنانچہ ایک عورت اگر اپنے گھر میں نماز پڑھتی ہے تو یہ اللہ کے یہاں زیادہ محبوب ہے اور اس پر اجر بھی زیادہ ہے اور یہی عمل افضل بھی ہے، لیکن اگر مسجد جاتی ہے تو یہ صرف مباح ہے اور ساتھ میں شرط بھی ہے کہ وہ زیب و زینت اور خوشبو کے ساتھ نہ جائے، اور مکمل پردے کے ساتھ جائے جیسا کہ صحابیات مسجد نبوی میں جاتی تھیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:" لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِي مُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ".

ترجمہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کئی مسلمان عورتیں اپنی چادریں اوڑھے ہوئے شریک نماز ہوتیں، پھر اپنے گھروں کو واپس چلی جاتی تھیں، اس وقت انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۷۲)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ:" لَمَّا نَزَلَتْ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ خَرَجَ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ كَأَنَّ عَلَى رُءُوسِهِنَّ الْغِرْبَانَ مِنَ الْأَكْسِيَةِ".

ترجمہ: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب آیت کریمہ (يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ) "وہ اپنے اوپر چادر لٹکالیا کریں" (سورۃ الاحزاب: ۵۹) نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں نکلتیں تو سیاہ چادروں کی وجہ سے ایسا لگتا گویا ان کے سروں پر کوئے بیٹھے ہوئے ہیں۔(۴۱۰۱)۔

ایسی صورت میں ضروری ہے کہ مسلم خواتین صحابیات کے نقش قدم پر چلیں اور مسجد کیلئے جائیں تو پورے پردے اور سادگی کے ساتھ، اب ظاہر سی بات ہے اگر وہ ضرورت کے تحت گھر سے باہر بازار وغیرہ کی طرف جائے گی تو بدرجہ اولی مزید سادگی اور مکمل پردے کے ساتھ جائے گی، جبکہ آج دیکھا جاتا ہے کہ خواتین بازار کیلئے پورے زیب وزینت کے ساتھ نکلتی ہیں جس سے نہ تو اللہ خوش ہوگا اور نہ ہی اسکا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اس لئے عورتوں پر واجب ہے کہ وہ گھروں کو لازم پکڑیں اور ضرورت کے تحت ہی باہر نکلیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ) ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔(الاحزاب: ۳۳)۔

کیونکہ خواتین پر ویسے بھی نہ تو جماعت فرض ہے اور نہ ہی جمعہ، لیکن اگر وہ جماعت اور جمعہ میں حاضر ہوتی ہے تو وہ بھی اس کے لیے کافی ہوگا۔ اور جمعہ میں مردوں کے تابع ہوں گی لہذا جمعہ کی نماز ظہر کیلئے کافی ہے۔

مسجد میں عورتوں کا نماز کیلئے نکلنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی صف مردوں کے پیچھے بنائیں گے یا اگر کوئی تنہا ہے تو مردوں کے پیچھے سلف صف میں کھڑی ہوگی، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کے اندر وارد ہوا ہے کہ انہیں پیچھے رکھو جیسا کہ اللہ نے انہیں پیچھے کر دیا ہے۔(مصنف عبد

الرزاق:۵۱۲۹)۔

اسلئے عورتیں مردوں کے صف میں یا کوئی عورت مرد کے بغل میں کھڑی نہیں ہوسکتی، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مردوں کی صفوں میں سب سے بہتر پہلی صف ہے اور سب سے بری آخری صف ہے۔ اور خواتین کے لیے سب سے بری پہلی صف ہے (جب کہ مردوں کی صفیں ان کے قریب ہوں) اور اچھی صف پچھلی صف ہے۔ (جو کہ مردوں سے دور رہو)۔(صحیح مسلم:۴۴۰)۔

اور اگر عورتوں کی صف اور مردوں کی صفوں کے درمیان پردہ یا دیوار حائل ہو تو مزید بہتر ہے، لیکن اگر ہو پائے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ دیوار یا پردے کا حائل ہونا ضروری نہیں، بس ضروری صرف یہ ہیکہ عورتوں کی صف مردوں کی صفوں سے پیچھے اور کچھ دور رہے۔

* اثنائے حیض خواتین کے مخصوص مسائل:

عورتوں کے کچھ مسائل اور احکام ایسے ہیں جن کا تعلق حیض ونفاس سے ہے، اللہ تعالی نے عورتوں کی تخلیق کچھ اس ڈھنگ سے کی ہے کہ ان کے اندر حمل وولادت اور رضاعت کی صلاحیت بھی ہے؛ اسلئے کہ وہ کھیت کی حیثیت رکھتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں) (البقرہ:۲۲۳)۔

یہاں کھیتی سے مراد ذریت واولاد ہے، چنانچہ مرد کھیتی کا مالک جبکہ عورت کھیتی کی جگہ ہے، اور

کھیت سے مراد ذریت ہے جسے اللہ مرد وعورت کے واسطے سے نکالتا ہے۔

اسی لئے جو عورت حیض والی ہوتی ہے وہی حاملہ بھی ہوتی ہے اور جسے حیض نہیں آتا وہ حاملہ بھی نہیں ہوتی ہے، اور حیض کس خون یہ بیماری کی وجہ سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک طبعی اور فطری خون ہے جو رحم کھ اندر سے نکلتا ہے، اور اس میں کوئی عیب یا کمی نہیں بلکہ عورت کیلئے باعث کمال ہے۔

یہی خون پیٹ میں پل رہے بچے کیلئے باعث غذائیت ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حاملہ عورت کو حیض کا خون نہیں آتا، اور بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اسی خون کو اللہ تعالی دودھ میں تبدیل کر دیتا ہے، اسی لئے اس دوران بہت کم عورتوں کو حیض کا خون آتا ہے، لیکن عورت اگر نہ تو حاملہ ہو اور نہ ہی دودھ پلا رہی ہو تو ایسی صورت میں اسے ہر ماہ ایک متعین دورانیہ کے حساب سے خون آتا رہتا ہے۔

اس حیض کے دوران عورت کے لئے کچھ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جنہیں وہ اس دوران نہیں کر سکتی ہے:

پہلی چیز:

حیض کے دوران اسے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اللہ نے اس دوران اسکے لئے نماز کو ساقط کر دیا ہے، اسی لئے پاک ہونے کے بعد اس کی قضا بھی نہیں کرے گی، کیونکہ دوران حیض اس پر نماز واجب نہیں تھی، اور یہ اللہ کی طرف سے تخفیف ہے، کیونکہ اس کی قضا عورت کیلئے باعث مشقت ہوتی اسی لئے اللہ نے اپنی رحمت اور کرم سے اسے پورے طور پر ساقط کر دیا۔

دوسری چیز:

اس دوران روزہ بھی نہیں رکھے گی۔ اگر کسی حائضہ عورت نے روزہ رکھ لیا تو درست نہیں ہوگا، ہاں پاک ہونے کے بعد روزے کی قضا کرے گی کیونکہ یہ باعث مشقت نہیں ہے، اسلئے سال میں صرف ایک بار روزہ فرض ہے برخلاف نماز کے جو کہ روزانہ پانچ بار فرض ہے، اس تعلق سے ام المومنین سیدہ عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا تو آپ نے اس پر کیا جواب دیا اسکے لئے یہ حدیث دیکھیں:

عَنْ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: "سَأَلْتُ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: مَا بَالُ الْحَائِضِ، تَقْضِي الصَّوْمَ، وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ قُلْتُ: لَسْتُ بِحَرُورِيَّةٍ، وَلَكِنِّي أَسْأَلُ، قَالَتْ: كَانَ يُصِيبُنَا ذَلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ".

ترجمہ: سیدہ معاذہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا وجہ ہے جو حائضہ روزوں کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ انہوں نے کہا: تو حروری تو نہیں؟ میں نے کہا، نہیں میں تو پوچھتی ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم عورتوں کو حیض آتا پھر حکم ہوتا، روزوں کی قضا کرنے کا اور نماز کی قضا کا حکم نہ ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۳۳۵)۔

پتہ چلا کہ دوران حیض ایک عورت نہ تو نماز پڑھے گی اور نہ ہی روزہ رکھے گی، البتہ پاک ہونے کے بعد روزے کی قضا کرے گی لیکن نماز کی قضا نہیں کرے گی۔

تیسری چیز:

ایک عورت دوران حیض مصحف کو نہیں چھوئے گی؛ اسلئے کہ اللہ کا فرمان ہے: (إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ [77] فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ [78] لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ) ترجمہ: بلاشبہ یہ یقیناً ایک باعزت پڑھی جانے والی چیز ہے۔ [77] ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ [78] اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کیے ہوئے ہیں۔ (الواقعہ: ۷۹)۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (لا يمس القرآن إلا طاهر) ترجمہ: قرآن کو صرف پاک انسان ہی چھوئے گا۔ (مستدرک حاکم: ۱/ ۵۵۳)۔

چوتھی چیز:

دوران حیض قرآن بھی زبانی نہیں پڑھے گی الا یہ کہ کوئی بہت مجبوری ہو، جیسے کہ اس نے جو یاد کیا

ہے اسے بھول جانے کا ڈر ہو جیسا کہ بعض محققین علماء نے فتوی دیا ہے، لیکن اگر اسے بھولنے کا ڈر نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں نہیں پڑھے گی، کیوں کہ حدث اکبر کی حالت میں ہے اور ایسی حالت میں کسی کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے، جیسے کہ اگر ایک مرد جنبی ہو تو اسکے لئے بھی قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنبی کی حالت میں قرآن نہیں پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۲۲۹)۔

پانچویں چیز:

دوران حیض کوئی عورت مسجد میں بیٹھنے کیلئے نہیں جائے گی، اگر درس اور وعظ ونصیحت سننا چاہتی ہے تو مسجد کے باہر بیٹھ کر سنے اس لئے کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، تَقُولُ:" جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُجُوهُ بُيُوتِ أَصْحَابِهِ شَارِعَةٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: وَجِّهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَصْنَعِ الْقَوْمُ شَيْئًا رَجَاءَ أَنْ تَنْزِلَ فِيهِمْ رُخْصَةٌ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ بَعْدُ، فَقَالَ: وَجِّهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ، فَإِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ"، قَالَ أَبُو دَاوُد: هُوَ فُلَيْتٌ الْعَامِرِيُّ.

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حال یہ تھا کہ بعض صحابہ کے گھروں کے دروازے مسجد سے لگتے ہوئے کھل رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان گھروں کے رخ مسجد کی طرف سے پھیر کر دوسری جانب کرلو“، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں یا صحابہ کرام کے گھروں میں) داخل ہوئے اور لوگوں نے ابھی کوئی تبدیلی نہیں کی تھی، اس امید پر کہ شاید ان کے متعلق کوئی رخصت نازل ہو، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ ان کے پاس آئے تو فرمایا: ”ان گھروں کے رخ مسجد کی طرف سے پھیر لو، کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں

سمجھتا"۔(سنن ابی داود: ۲۳۲)۔

چھٹی چیز:

عیدگاہ میں مصلی سے بھی دور رہے گی، چنانچہ وہ عیدگاہ جائے گی مگر جائے نماز سے دور رہے گی، مسلمانوں کے ساتھ دعاؤں میں شریک ہوگی جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: " أُمِرْنَا أَنْ نَخْرُجَ فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، قَالَ ابْنُ عَوْنٍ: أَوِ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ، فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ ".

ترجمہ: محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں حکم تھا کہ حائضہ عورتوں، دوشیزاؤں اور پردہ والیوں کو عیدگاہ لے جائیں ابن عون نے کہا کہ یا (حدیث میں) پردہ والی دوشیزائیں ہے البتہ حائضہ عورتیں مسلمانوں کی جماعت اور دعاؤں میں شریک ہوں اور جائے نماز سے الگ رہیں۔(صحیح بخاری: ۹۸۱)۔

پتہ چلا کہ ایک عورت دوران حیض مسجد میں بیٹھ نہیں سکتی ہے البتہ کسی ضرورت کے تحت وہاں سے گزر سکتی ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ، فَقَالَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "مجھے جانماز اٹھا دے مسجد سے۔" میں نے کہا: میں حائضہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔" (صحیح مسلم: ۲۹۸)۔

ہاں ایک حائضہ عورت کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ دوران حیض ذکر و اذکار اور صبح و شام کی دعائیں پڑھے،

وہ صرف قرآن پڑھنے سے پرہیز کرے گی۔

ساتویں چیز:

دوران حیض جماع کرنا بھی حرام ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَ یسۡ‍ٔـلُوۡنَکَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ قُلۡ ہُوَ اَذًیۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ وَ لَا تَقۡرَبُوۡہُنَّ حَتّٰی یَطۡہُرۡنَ فَاِذَا تَطَہَّرۡنَ فَاۡتُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ) ترجمہ: اور وہ تجھ سے حیض کے پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔ (البقرہ: ۲۲۲)۔

جماع کے علاوہ دیگر طریقوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسلئے کہ حرام صرف جماع کرنا ہے۔

آٹھویں چیز:

دوران حیض طلاق دینا بھی حرام ہے، اسی لئے کو طلاق بدعی کہتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ) ترجمہ: اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو گنو اور اللہ سے ڈرو جو تمھارا رب ہے۔ (الطلاق: ۱)۔

یعنی پاکی کی حالت میں انہیں طلاق دو، چنانچہ عورت جب حیض سے پاک ہو تو اسی پاکی کے دورانیہ میں طلاق دو اس شرط کے ساتھ کہ اس پاکی کے دوران جماع نہ کیا گیا ہو، لہذا اگر پاک ہونے کے بعد جماع کر لے تو اب اس پاکی کے اندر طلاق دینا جائز نہیں ہوگا اسی طرح حالت حیض میں بھی طلاق

دینا جائز نہیں ہے۔

* حج کے تعلق سے عورتوں کے خصوصی مسائل:

زندگی میں ایک بار حج کرنا واجب ہے بشرطیکہ اسکی طاقت ہو یعنی زاد راہ اور سفر کا خرچہ برداشت کرسکے۔ یہ ہر مستطیع بالغ مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مگر عورت کیلئے ایک تیسری شرط بھی ہے، اور وہ یہ ہیکہ اسکے لئے محرم کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ محرم نسبی ہو یا رضاعی، محارم مردوں کا ذکر اللہ نے اس آیت کے اندر کیا ہے: (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ) ترجمہ: اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں۔ (النور: ۳۱)۔

اسی طرح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ) ترجمہ: عورت اپنے شوہر یا کسی ذی رحم محرم کے بغیر دو دن کا بھی سفر نہ کرے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۹۷)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ ".

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حلال نہیں کسی عورت کو جو ایمان رکھتی ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ سفر کرے تین رات کا مگر اس کے ساتھ کوئی محرم

ہو۔“(صحیح مسلم:۱۳۳۸)۔

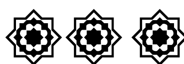
اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ، إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ” کوئی بھی عورت جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے ایک دن کی مسافت طے کرنا جائز نہیں سوائے اپنے محرم کے ساتھ۔“(صحیح مسلم:۱۳۳۹)۔

پتہ چلا کہ حالت سفر میں عورت کو محرم کی ضرورت ہے خواہ یہ سفر حج کیلئے ہو یا کسی دوسرے مقصد سے، کیونکہ تنہا سفر کرنے میں اسے خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، دوسرے یہ کہ عورت کمزور ہوتی ہے، اسے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، محرم کے ہونے سے اسے ایک محافظ کا احساس ہوتا ہے۔

یہاں پر ایک دو اور تین سفر کرنے سے مراد اونٹ کی سواری کا سفر ہے، جبکہ آج کل وہ سفر چند گھنٹوں میں مکمل ہوسکتا ہے، اس لئے اصل اعتبار سفر کا ہے دونوں کا حکم ایک ہی ہے؛ چنانچہ سفر کی مسافت اگر ۸۰ /کلو میٹر یا اس سے زیادہ ہے یعنی دو مرحلہ کیونکہ تقریبا چالیس کلو میٹر کا ایک مرحلہ ہوتا ہے، تو یہ مسافت ایک عورت کیلئے تنہا سفر کرنا جائز نہیں ہے نہ ہی پیدل، نہ ہی جانور کی سواری پر اور نہ ہی گاڑی اور جہاز پر، خواہ وہ تنہا ہو یا پوری جماعت کے ساتھ اگر اسکا کوئی محرم نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسکا سفر کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ سفر حج کیلئے ہو یا کسی دوسرے مقصد کیلئے، کیوں کہ حدیثوں کا عموم اسی پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ ایک عورت کو محرم کی ضرورت سفر میں پڑتی ہے خواہ سفر کتنا ہی آرام دہ ہو۔



سوالات

سوال: اس وقت مارکٹ میں برقع کی طرح ایک لباس آیا ہے جسے کیپ ڈریس(Cape Dress) کہتے ہیں، یہ لباس بدن کو گردن سے نیچے پیر تک ڈھک لیتا ہے سوائے سر کے، اسکے لئے عورتیں ڈوپٹہ استعمال کرتی ہیں، اس برقع اور عباءہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اصل پردہ ہے، عورت کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایسا لباس پہنے جس سے اسکا پورا بدن ڈھک جائے، بایں طور کہ وہ لباس موٹا اور ڈھیلا ہو، اتنا باریک نہ ہو کہ باہر سے بدن جھلکے اور نہ ہی اسقدر تنگ ہو کہ بدن کا جوڑ جوڑ ظاہر ہو۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ لباس عباءہ یا برقع میں شمار نہیں ہوگا کیونکہ عباءہ کپڑے (ڈریس) کے اوپر پہنا جاتا ہے، اور یہ خود ایک ڈریس ہے۔

سوال: شہوت اور نفس پرست پہلے یہ فاسد مقدمہ پیش کرتے ہیں کہ عورت گھر میں مظلوم ہوتی ہے، پھر حقوق نسواں کے نام پر گھر سے اس کے نکلنے اور بے پردگی کا مطالبہ کرتے ہیں جو کہ شریعت مطہرہ کے خلاف کھلی بغاوت ہے، اس تعلق سے آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: یہ حقیقت ہیکہ ایک مریض کو میٹھا پانی بھی کڑوا لگتا ہے، یہی حال اور نفاق اور کفر کے ان مریضوں کا ہے جنہیں شرعی احکام کڑوے لگتے ہیں، عورتیں جب احکام دین کی پابندی کرتی ہیں تو انہیں وہ ظلم لگتا، ورنہ فی الواقع دین اسلام کے اندر عورت کو جو اعزاز اور عزت واحترام حاصل ہے وہ کسی دین دھرم یا قوم میں حاصل نہیں ہے۔

گھروں میں اسے راحت وسکون کے ساتھ رہنے کیلئے کہا گیا ہے نہ کہ باہر جا کر پریشان ہونے کیلئے، اور ایسے کام کرنے کیلئے جو عورتوں کے مناسب نہ ہو کیونکہ اسے باہر نکالنا ہی اس پر ظلم ہے عزت اسی میں ہے کہ راحت وآرام کے اسباب مرد مہیا کرے اور عورت گھر میں آرام سے رہے۔

سوال: اس عورت کے بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے جو گھر میں اس قدر زیب وزینت کے ساتھ رہتی ہے جو اسکے بالغ بھائیوں کیلئے شہوت بھٹکنے کا خطرہ ہوتا ہے، چنانچہ میک اپ کے ساتھ خوشبو لگائے اور کپڑا بھی تنگ اور باریک ہو اور بال بھی کھلے ہوں؟

جواب: عورت کیلئے بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ دیگر مردوں کے سامنے اس طرح زیب وزینت اپنائے خواہ وہ اسکے محارم ہی کیوں نہ ہوں، ایسے مردوں کے سامنے وہ سادہ لباس میں سادگی کے ساتھ رہے گی، چہرہ، ہتھیلی اور سر کے بالوں کے سوا بدن کے دوسرے مفاتن کو ظاہر نہیں کرے گی، یہ سب اسکے شوہر کیلئے خاص ہے، چنانچہ گھر ہی میں ایک عورت کیلئے دو طرح کا لباس اور زینت ہوتی ہے؛ ایک شوہر کے سامنے اور دوسرا دیگر گھر والوں کے سامنے۔

سوال: یہ معلوم ہے کہ اکثر سرکاری اسپتالوں میں مردوں کے ساتھ خواتین ڈاکٹر بھی ہوتی ہیں، تو کیا میرے لئے یہ حرام ہے کہ پرائیویٹ اسپتال میں جانے کی طاقت ہونے کے باوجود سرکاری اسپتالوں میں اپنی بیوی کو لے جاؤں؟ اس پر آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: دعا کرتا ہوں کہ اللہ ذمہ داروں کو توفیق دے کہ سرکاری اسپتالوں میں بھی مکمل پردے کا نظام ہو جہاں عورتوں کا الگ ڈپارٹمنٹ ہو، والحمد للہ اس وقت خواتین ڈاکٹر بھی کثیر تعداد میں ہوگئی ہیں، یہ حکمرانوں کی ذمیداری ہے۔

اور جہاں تک سوال کے جواب کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ عورت کا علاج مرد کرے سوائے سخت ضرورت اور مجبوری کی حالت میں بایں طور کہ خاتون ڈاکٹر میسر نہ ہو اور بیماری کا خطرہ بڑھنے یا ہلاکت کا خوف ہو تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت مرد علاج کرسکتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے :(وَقَدۡ فَصَّلَ لَكُمۡ مَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمۡ إِلَّا مَا اضۡطُرِرۡتُمۡ إِلَيۡهِ) ترجمہ: حالانکہ بلاشبہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں، مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیئے جاؤ۔(الانعام:۱۱۹)۔

سوال: میں وسوسے کا شکار ہوں، نماز کی حالت میں مجھے نہیں پتہ ہوتا کہ کتنی رکعات پڑھی ہے، اور یہ کہ فاتحہ پڑھی یا نہیں، اسی لئے میں نماز بھی دہرا لیتی ہوں، آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: یہ شک نہیں وسوسہ ہے، اور ایسی صورت میں واجب یہی ہے کہ وسوسوں پر دھیان نہ دیا جائے، اس طرح کا خیال آئے تو شیطان رجیم سے پناہ اللہ کی پناہ مانگیں اور نماز جاری رکھیں، دھیرے دھیرے وسوسہ ختم ہو جائے گا، کیونکہ وسوسے پر دھیان دینے سے وسوسہ بڑھتا ہے اور نہ دھیان دینے سے ختم ہو جاتا ہے۔

سوال: عورت کی شرم گاہ سے رطوبت نکلتی ہے کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا کپڑا نجس ہو جاتا ہے؟

جواب: شرم گاہ سے کچھ بھی نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال: دشمنان اسلام کی بہت ساری سازشوں میں سے ایک ضبط تولید بھی ہے اور عورتیں اسے

ثابت کرنے کیلئے پڑھائی، نوکری، کاروبار اور تربیت اولاد جیسے بے بنیاد اعذار پیش کرتی ہیں، ایسے سنگین مسئلے کے تعلق سے آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: اس مسئلے پر بہت سارے علماء نے لکھا ہے اور دشمنان اسلام پر رد بھی کیا ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ یہ دشمنان اسلام کی ایک سازش ہے، اور یہ عمل حرام ہے، مسلمانوں کو دھوکہ میں آ کر اس فعل حرام کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اعدائے اسلام مسلمانوں کی تعداد کم اور کمزور کرنا چاہتے ہیں۔

سو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس پروپیگنڈے کا شکار نہ ہوں بلکہ کثرت اولاد کی طلب کریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر ابھارا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ وَإِنَّهَا لَا تَلِدُ، أَفَأَتَزَوَّجُهَا؟ قَالَ: "لَا"، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ، فَنَهَاهُ، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: " تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ ".

ترجمہ: سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: مجھے ایک عورت ملی ہے جو اچھے خاندان والی ہے، خوبصورت ہے لیکن اس سے اولاد نہیں ہوتی تو کیا میں اس سے شادی کر لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"، پھر وہ آپ کے پاس دوسری بار آیا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا، پھر تیسری بار آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خوب محبت کرنے والی اور خوب جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ (بروز قیامت) میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا"۔ (سنن ابی داود: ۲۰۵۰)۔

مزید یہ کہ کثرت تعداد نفری قوت کی پہچان ہے، اس سے مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوگا، اسلئے مذکورہ بہانے بنا کر تحدید نسل اور ضبط تولید جائز نہیں ہے، عورت کا کام باہر نہیں گھر کے اندر ہے، ہاں اگر گھر

سے فارغ ہوتو باہر کام کرنا منع نہیں ہے مگر پورے پردے اور وقار کے ساتھ اور بقدر ضرورت۔ ورنہ بنیادی طور پر اسکا کام گھریلو ذمیداری ہی ہے اور یہی اسکے لئے پروقار کام ہے، جس طرح کہ مرد کیلئے باہر کا کام۔

سوال: عورت گھر سے باہر کام پر یا پڑھنے کیلئے جاتی ہے اور اسکے پاس محرم نہیں ہے تو اسکا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر شوہر اس بات پر راضی نہ ہو کہ اسکی بیوی باہر کام کرے بلکہ اسے روکے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟

جواب: اگر وہ ۸۰ /کلو میٹر یا اس سے زائد سفر کر کے باہر جاتی ہے تو پھر محرم کی ضرورت ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ، إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "کوئی بھی عورت جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے ایک دن کی مسافت طے کرنا جائز نہیں سوائے اپنے محرم کے ساتھ۔" (صحیح مسلم: ۱۳۳۹)۔

لیکن اگر گھر سے قریب اور اس پاس شہر ہی میں جانا ہے تو ایسی صورت میں محرم کا ہونا ضروری نہیں ہے، پردے اور پورے وقار کے ساتھ جا سکتی ہے، صحابیات گھریلو کام کے علاوہ ضرورت کے وقت باہر کا کام بھی کرتی تھیں جیسے کھیتی کے کام، جانوروں کے لئے چارہ لانا، مویشیوں کو چرانا اور پانی لانا وغیرہ۔

وقت جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اگر شادی کے وقت شرط رکھی ہوگی کہ باہر کام کرے گی تو پھر ایک مسلمان شرط کو پوری کرتا ہے، مگر وہ پورے پردے میں شرعی طریقے پر نکلے گی، لیکن اگر کوئی شرط نہیں ہے تو پھر شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے گی، نہ ہی کام کرنے اور نہ ہی کسی اور مقصد

سے۔

سوال: ان عورتوں کے بارے میں آپ کی کیا رہنمائی ہے جو ڈرائیور کے ساتھ تنہا یا دوسروں کے ساتھ باہر نکلتی ہیں بطور خاص رات میں؟

جواب: اگر تنہا نکلتی ہے تو یہ بالکل جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ خلوت ہے، اور اجنبی مرد کے ساتھ خلوت حرام ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ "، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟، قَالَ: " الْحَمْوُ الْمَوْتُ ".

وَإِنَّمَا مَعْنَى كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى النِّسَاءِ عَلَى نَحْوِ مَا رُوِيَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ "، وَمَعْنَى قَوْلِهِ الْحَمْوُ يُقَالُ: هُوَ أَخُو الزَّوْجِ كَأَنَّهُ كَرِهَ لَهُ أَنْ يَخْلُوَ بِهَا.

ترجمہ: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عورتوں کے پاس خلوت (تنہائی) میں آنے سے بچو“، اس پر انصار کے ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول! دیور (شوہر کے بھائی) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: ”دیور موت ہے“۔

عورتوں کے پاس خلوت (تنہائی) میں آنے کی حرمت کا مطلب وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت (تنہائی) میں ہوتا ہے تو اس کا تیسرا شیطان ہوتا ہے“، (سنن ترمذی: ۱۱۷۱)۔

ہاں اگر عورتوں کی جماعت ہو اور اسکے ساتھ کوئی اجنبی ڈرائیور ہو تو ایسی صورت میں معاملہ کچھ ہلکا

ہے، کیونکہ خلوت ختم ہو جاتی ہے مگر فتنے کا خطرہ پھر بھی رہتا ہے، مگر یہ صرف شہر کی بات ہے لیکن اگر سفر پر نکلنا ہے تو پھر محرم کا ہونا ضروری ہے۔

سوال: اگر کسی کے پاس پیغام نکاح آئے شادی شدہ مرد کی طرف سے جو صاحب اولاد بھی ہو تو کیا اسے رد کر دینا چاہئے اس وجہ سے کہ وہ غیر شادی شدہ مرد چاہتی ہے؟

جواب: کسی عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر شادی کے رہے، الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو، کیونکہ:

اس میں عمر کا ضیاع ہے۔

دوسرے یہ کہ اولاد سے محرومی ہے۔

تیسرا جو زیادہ برا ہے وہ یہ کہ اس میں فتنہ ہے، اس لئے کہ عورت کو ہمیشہ ایک مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس لئے اگر کوئی ایسا شخص ملے جو غیر شادی شدہ ہو تو اچھی بات ہے لیکن اگر ایسا کوئی نہ ملے تو ایسی صورت میں اگر شادی شدہ آدمی ملے تو اسی سے شادی کر لے کیونکہ یہ ہزار بار بہتر ہے اس سے کہ وہ بغیر شادی کے بیٹھی رہے، ممکن ہے اسی میں اسکے لئے خیر ہو۔

سوال: اس وقت عورتوں میں بال کٹوانے کی اسٹائل چل رہی ہے، خواہ وہ چھوٹی بچی ہو یا بڑی عمر کی کوئی عورت، تو کیا اس طرح آگے یا پیچھے سے بطور اسٹائل بال کٹوانا جائز ہے؟

جواب: علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے اگر بیماری یا کسی مجبوری کی وجہ سے کٹوانا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہاں تک کہ اطباء کے مشوروں پر سر منڈوا بھی سکتی ہے، یا یہ کہ بالوں کی حفاظت نہ کر پانے کی وجہ سے چھوٹا کرا لے یعنی کندھے تک کروالے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے،

بشرطیکہ اسے کوئی مجبوری ہو۔

لیکن اگر یہ زینت اور اسٹائل کی وجہ سے غیروں کی تقلید میں آگے پیچھے کٹوا رہی ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔اس میں غیروں سے مشابہت اور تقلید ہے جوکہ جائز نہیں ہے۔

عورت کی خوبصورتی اسکے بال کی بقا میں ہے نہ کہ کٹوانے میں، اسی لئے حج یا عمرہ کے وقت شریعت نے عورت کے بال کو صرف ایک انگلی کی مقدار میں کاٹنے کا حکم دیا ہے جس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اگر عورت کا بال کاٹنا یا سر منڈانا جائز ہوتا تو اس موقع پر اسے بال کٹوانے یا سر منڈلانے کا حکم دیتا کیونکہ یہی افضل ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منڈوانے والوں کیلئے تین بار مغفرت کی دعا کی ہے جبکہ بال کٹوانے والوں پر صرف ایک بار۔

اس لئے ایک عورت بلا ضرورت اپنے بال نہ کٹوائے بلکہ جس طرح ہے ویسے ہی رہنے دے، اسی کی حفاظت کرے اور سنوارے۔اسی میں اسکی خوبصورتی ہے۔

سوال: ہر غیرت مند مسلمان کو معلوم ہے کہ اس وقت ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کی وجہ سے مسلمان کس آزمائش میں ہیں، جہاں پر مرد وعورت سب نیم عریاں دکھائی دیتے ہیں، ایسی صوعت میں عورتوں کیلئے ٹی وی دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: عریاں یا نیم عریاں لوگوں کی طرف دیکھنا کسی کیلئے جائز نہیں ہے، نہ ہی مرد اور نہ ہی عورت، ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ [30] وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ) ترجمہ: مومن مردوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں

کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ [30] اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ (النور:٣١)۔

سوال: اگر کوئی نوحہ کرے اور جسم پر گوندوائے مگر اس کا حکم معلوم نہ ہو، تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر نادانی میں کوئی کرتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ وہ جہالت کی بنا پر معذور ہے، لیکن جیسے ہی اس کا حکم معلوم ہو جائے تو وہ فوری طور پر توبہ کرے، اسکے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا) ترجمہ: اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الاحزاب: ۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا) ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔ (البقرہ:٢٨٦)۔

لیکن اگر جان بوجھ کر کرتی ہے تو یہ حرام ہے، اسکے اوپر توبہ ہے۔

سوال: کیا برقع پہننا جائز ہے جس میں آنکھیں دکھائی دیتی ہیں اور بسا اوقات گال بھی دکھائی دیتے ہیں، جو کہ فتنوں کا سبب بنتے ہیں؟

جواب: اگر یہ بطور اسٹائل ہے تو جائز نہیں ہے لیکن معاشرے کا حصہ ہے تو عادت کے مطابق جائز ہے۔ بشرطیکہ صرف آنکھیں ہی کھلی ہوں۔

سوال: ایک عورت دوسرے عورت کیلئے کیا پردہ کرے؟

جواب: صحیح یہی ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کے جسم کے اسی حصے کو دیکھ سکتی ہے جو عموما گھر کے اندر کھلا رہتا ہے اور جسے محارم دیکھ سکتے ہیں جیسے سر کا بال، چہرہ، ہتھیلی اور پیر۔



۸۶-جہاد: اسکے ضوابط اور احکام:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

آج کا موضوع" جہاد فی سبیل اللہ اور اسکے ضوابط واحکام" ہے، یہ بہت ہی اہم موضوع ہے؛ کیونکہ اس میں بہت سے لوگوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، فکری گمراہی کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لئے جتنا ممکن ہو سکے بیان اور وضاحت کی ضرورت ہے، تاکہ لوگ اس موضوع سے متعلق علم وبصیرت کے ساتھ صحیح موقف پر قائم ہوسکیں، اوراس میں کوئی شبہ باقی نہ رہ جائے تاکہ گمراہ کرنے والوں کو پھر کوئی موقع نہ ملے، اوراس موضوع سے متعلق جولوگ بھی جہالت، انکار اور گمراہی کا شکار ہیں سب پر حجت قائم ہوجائے۔

* جہاد:

جہاد کہتے ہیں کہ اشاعت اسلام اور اسکی دعوت کی خاطر کوشش اور محنت صرف کرنا؛ اسلئے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوتی فرائض کو کما حقہ ادا کیا اور ان لوگوں سے جہاد کیا جنہوں نے اس دعوت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، تاکہ یہ دین پوری دنیا میں پہونچ جائے اور جو ہدایت کا متلاشی ہو وہ ہدایت ہوجائے اور جو ہٹ دھرم ہے اس پر حجت قائم ہوجائے۔

جہاد کی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے خبر دی ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(لَا يَسْتَوِي

الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا[95] دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا) ترجمہ: ایمان والوں میں سے بیٹھ رہنے والے، جوکسی تکلیف والے نہیں اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ [95] اپنی طرف سے بہت سے درجوں کی اور عظیم بخشش اور رحمت کی۔ اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ (النساء:۹۶)۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ، أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ، قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ

جنت میں داخل کرے گا خواہ اللہ کے راستے میں وہ جہاد کرے یا اسی جگہ پڑا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کئے ہیں' ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے درمیانی حصہ اور جنت کے سب سے بلند درجے پر ہے۔ یحییٰ بن صالح نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں یوں کہا کہ اس کے اوپر پروردگار کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ (صحیح بخاری: ۲۷۹۰)۔

اس کے علاوہ بھی کتاب وسنت سے بہت سی دلیلیں ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اسکے حکم پر دلالت کرتی ہیں۔

امت محمدیہ سے قبل جہاد پہلی شریعتوں میں بھی مشروع تھا، یہ اللہ کے رسول کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم کو لیکر فرعون اور اس کی فوج سے بھاگ نکلے تھے، فرعون نے پیچھا کیا مگر اللہ نے اسے ہلاک کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو بچا لیا، آپ انہیں لیکر بیت المقدس کی طرف گئے وہاں سے ظالم قوم جبابرہ کو نکالنے کیلئے اور انکے خلاف جہاد کرنے کیلئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ[20] يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ) ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمھیں بادشاہ بنا دیا اور تمھیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔ [20] اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھوں پر نہ پھر جاؤ،

ورنہ خسارہ اٹھانے والے ہو کر لوٹو گے۔(المائدہ:۲۱)۔

لیکن بنی اسرائیل نے جہاد کرنے سے کاہلی اور سستی دکھائی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ[22] قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[23] قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ) ترجمہ: انھوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک اس میں ایک بہت زبردست قوم ہے اور بے شک ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے، یہاں تک کہ وہ اس سے نکل جائیں، پس اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہونے والے ہیں۔ [22] دو آدمیوں نے کہا، جو ان لوگوں میں سے تھے جو ڈرتے تھے، ان دونوں پر اللہ نے انعام کیا تھا، تم ان پر دروازے میں داخل ہو جاؤ، پھر جب تم اس میں داخل ہو گئے تو یقینا تم غالب ہو اور اللہ ہی پر پس بھروسا کرو، اگر تم مومن ہو۔ [23] انھوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز اس میں کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں، سو تو اور تیرا رب جاؤ، پس دونوں لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں۔(المائدہ:۲۴)۔

اس وقت موسی علیہ السلام نے کہا تھا جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ) ترجمہ: موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی کر دے۔(المائدہ:۲۵)۔

اسکے بعد اللہ تعالی نے انکے بارے میں فرمایا:(قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً

يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ) ترجمہ: ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سر گرداں پھرتے رہیں گے اس لئے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔ (المائدہ: ۲۶)۔

اللہ نے انہیں سزا دی اور میدان تیہ میں چالیس سال تک بھٹکتے رہے، کیونکہ انہوں نے جہاد کھ معاملے میں اللہ کے رسول کی نافرمانی کی تھی اور بیت المقدس کو ظالموں کے ہاتھ سے آزاد کرانے میں مدد نہیں کی تھی یہاں تک کہ یوشع بن نون آئے اور اسی صحراء میں انکی تربیت کی اور انہیں لیکر بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ظالموں کے ہاتھ سے اسے آزاد کرایا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے بارے میں فرمایا: (أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ) ترجمہ: کیا تو نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا، جب انھوں نے اپنے ایک نبی سے کہا ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر کہ ہم اللہ کے راستے میں لڑیں۔ اس نے کہا یقیناً تم قریب ہو کہ اگر تم پر لڑنا فرض کر دیا جائے تو تم نہ لڑو۔ انھوں نے کہا اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں نہ لڑیں، حالانکہ ہمیں ہمارے گھروں اور ہمارے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر جب ان پر لڑنا فرض کر دیا گیا تو ان میں سے بہت تھوڑے لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ان ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۴۶)۔

طالوت کی لشکر میں داود علیہ السلام بھی تھے، اللہ نے جہاد کی وجہ سے کفار کو شکست سے دو چار کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ) ترجمہ: تو انھوں نے اللہ کے حکم سے انھیں شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے بادشاہی اور دانائی عطا کی اور جتنا کچھ چاہتا تھا سکھا دیا۔ اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ساتھ ہٹانا نہ ہوتا تو یقیناً زمین برباد ہو جاتی اور لیکن اللہ جہانوں پر بڑے فضل والا ہے۔ (البقرہ:۲۵۱)۔

بنی اسرائیل کا مطالبہ تھا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر کہ ہم اللہ کے راستے میں لڑیں۔ اس سے پتہ چلا کہ جہاد کی ذمیداری حاکم وقت کی ہے، وہی اسے ترتیب دے گا، وہی جہاد کو منظم کرے گا، یہ اسی کی زیر نگرانی طے ہوگا، چنانچہ اسی سے اجازت مانگی جائے گی، وہی فوج کو بھیجے گا۔ جہاد ہڑ بونگ کا نام نہیں ہے کہ جس کے دل میں آیا ہتھیار لیکر نکل گیا یہ مشہور کرتے ہوئے کہ میں مجاہد ہوں، اور حاکم وقت کو کوئی خبر نہیں کہ کون کہاں جا رہا ہے، یہ جہاد نہیں فساد ہے، مسلمانوں کو شر و رفتن میں مبتلا کرنا ہے۔

اسی طرح ایک جگہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ہے: (وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ[146] وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ) ترجمہ: اور کتنے ہی نبی ہیں جن کے ہمراہ بہت سے رب والوں نے جنگ کی، تو نہ انھوں نے اس مصیبت کی وجہ سے ہمت ہاری جو انھیں اللہ کی راہ میں پہنچی اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انھوں نے عاجزی دکھائی اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ [146] اور ان کی بات اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد فرما۔ (آل عمران:۱۴۷)۔

پتہ چلا کہ جہاد پچھلی قوموں میں بھی مشروع تھا اور اسے انبیاء اور انکے پیروکار انجام دیتے تھے۔

اسی طرح سلیمان علیہ السلام کا واقعہ کہ جب آپ کو پتہ چلا کہ بلقیس یمن کے اندر حکومت کر رہی ہے اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کر رہے ہیں اور سورج کا سجدہ کر رہے ہیں، اور اسکی قوم کے پاس ایلچی کے ذریعے دین کی دعوت پیش کی، مگر ان لوگوں نے پہلے آپ کی حقیقت جاننے کیلئے آپ کے پاس ہدیہ بھیجا کہ پتہ چلے کہ وہ دنیادار بادشاہ ہیں یا وہ واقعی میں جہاد فی سبیل اللہ چاہتے ہیں، اس وقت سلیمان علیہ السلام نے اپنی قوت وشجاعت کو ظاہر کیا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: (فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ[36] ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ) ترجمہ: تو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اس نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرتے ہو؟ تو جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ [36] ان کے پاس واپس جا، اب ہر صورت ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلے کی ان میں کوئی طاقت نہیں اور ہر صورت انھیں اس سے اس حال میں ذلیل کر کے نکالیں گے کہ وہ حقیر ہوں گے۔ (النمل: ۳۷)۔

سو جہاد فی سبیل اللہ پہلی امتوں میں بھی پایا جاتا تھا، اسی لئے مدینہ میں آنے کے بعد جب طاقت حاصل ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت دی گئی تاکہ دین کی دعوت پوری دنیا میں پھیلا دیں اور اس راہ میں رکاوٹ بننے والوں سے جہاد کریں، تاکہ زمین سے ظلم کا خاتمہ ہو اور لوگ اللہ کی خالص عبادت کر کے جنت میں جانے کے مستحق بن جائیں۔

جس جہاد کا حکم اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے اس کا مقصد کیا ہے، کیا اس کا مقصد ملکوں پر قبضہ کرنا اور دائرہ حکومت کی توسیع ہے؟

یہ دراصل مقصد نہیں بلکہ مقصد کے تابع ہے، اصلی مقصد اللہ کے دین کی سربلندی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ[14] وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ[15] أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ) ترجمہ: ان سے لڑو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا دے گا۔ [14] اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ توبہ کی توفیق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ [15] یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو نہیں جانا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہ اللہ کے اور نہ اس کے رسول کے اور نہ ایمان والوں کے سوا کسی کو راز دار بنایا اور اللہ اس سے پورا باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (التوبہ:١٦)۔

سو جہاد کا حکم تاقیامت باقی رہے گا، ہر مسلم حاکم کے ساتھ اسکی تنفیذ جاری رہے گی، خواہ وہ نیک ہو کہ بد، یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے، کیوں کہ ائمہ اسلام نے کتب عقائد میں کہا ہے کہ

جہاد کا حکم تاقیامت باقی رہے گا، ہر مسلم حاکم کے ساتھ، خواہ وہ نیک ہو کہ بد، اور اس امت کے اندر بھی جہاد جاری رہے گا یہاں تک کہ آخری جہاد دجال سے ہوگا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ ".

ترجمہ: سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری

امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا اور ان لوگوں پر غالب رہے گا جو ان سے دشمنی کریں گے یہاں تک کہ ان کے آخری لوگ مسیح الدجال سے قتال کریں گے"۔ (سنن ابی داود: ۲۴۸۴)۔
(اس سے مراد امام مہدی اور عیسیٰ ہیں، اور ان دونوں کے متبعین ہیں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترنے کے بعد دجال کو قتل کریں گے۔)

* جہاد کے ضوابط:

جہاد فی سبیل اللہ کے بہت سارے اصول اور ضوابط ہیں ان میں یہاں چند ضوابط کا ذکر کر رہے ہیں:

پہلا ضابطہ:

ضروری ہے کہ جہاد سے پہلے دین کی طرف دعوت دی جائے، چنانچہ دعوت دین سے پہلے قتال نہیں کیا جائے گا، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پہلے دین کی طرف دعوت دیتے تھے، بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس دعوتی خطوط بھیجتے تھے، اور آپ اس تک قتال نہیں کرتے تھے جب تک کہ وہ دعوت کا انکار نہیں کر دیتے تھے۔
اسلئے سب سے پہلے دین کی تبلیغ ضروری ہے، اگر کوئی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دین اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو یہی اصل مطلوب ہے، لیکن جو دعوت کے بعد بھی انکار کرے اور سرکشی پر اتر آئے تو اس سے جہاد کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

دوسرا ضابطہ:

ضروری ہے کہ جہاد منظم طریقے سے ہو، اور یہ ذمیداری مسلمان حاکم کی ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی جہاد کی ذمیداری سنبھالتے تھے، فوج کو منظم کرتے تھے، کبھی اس فوج کی قیادت خود کرتے

تھے اور کبھی مسلمانوں میں سے کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیتے تھے، ساتھ ہی آپ سرایا بھی بھیجتے تھے، ہر دو صورت میں مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے نہیں نکلتے تھے۔

جہاد کے تعلق سے اسی طرح کی ذمیداری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء بھی نبھاتے رہے۔

اور پھر بعد میں بھی مسلمان حکام یہی ذمہ داری نبھاتے رہے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ مسلم حاکم کی اجازت اور اس کی نگرانی کو چھوڑ کر خود سے کوئی الگ سے جہاد پر نکلا ہو۔

جہاد فی سبیل اللہ کا یہی مذکورہ ضابطہ ہے۔

تیسرا ضابطہ:

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے مسلمانوں کے پاس طاقت ہو، اور اسکے لئے وہ پوری طرح تیار ہوں، چنانچہ اگر اس کی طاقت اور تیاری نہیں ہے تو ایسی صورت میں پہلے طاقت حاصل کریں گے اور رسد کے لئے تیاری کریں گے؛ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے اندر مشرکوں کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو تکلیفیں دی جاتی تھیں مگر اللہ کی طرف سے صبر کرنے اور عفو و درگزر کرنے کا حکم تھا، وہاں پر مطلق جہاد کی اجازت نہیں تھی، کیوں کہ ہجرت سے قبل مکہ کے اندر مسلمان کمزور تھے انکے پاس جہاد فی سبیل اللہ کی طاقت نہیں تھی، اور اسکے لئے طاقت اور تیاری کی ضرورت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ) ترجمہ: تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔(الانفال: ٦٠)۔

اس ضابطے کی مخالفت کرتے ہوئے بلا طاقت اور تیاری کے اگر مسلمان دشمنوں کے مقابلے جہاد کیلئے نکلیں گے تو غلبہ کی بجائے شکست اور مزید کمزوری کا شکار ہوں گے، دشمنوں کا مسلمانوں پر تسلط قائم ہوگا، اس لئے جہاد کیلئے طاقت اور تیاری کا ہونا ضروری ہے۔

چوتھا ضابطہ:

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ہمارا دشمن کون ہے؟

کیا جس سے قتال کیا جا رہا ہے وہ ایسا کافر ہے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتا ہے، دین اسلام میں انہیں داخل ہونے سے منع کرتا ہے، اللہ کی زمین کفر کو عام کر رہا ہے، اور مسلمانوں سے لڑائی کر رہا ہے، چنانچہ ایسے ہی کفار سے جہاد کرنا واجب ہے۔

رہے وہ لوگ جو مسلمانوں سے نہیں لڑتے، اور نہ ہی اللہ کی زمین کفر کو عام کرتے ہیں بلکہ انکا کفر انہیں تک محدود ہے تو ایسے لوگوں سے قتال نہیں کیا جائے گا، ارشاد باری تعالی ہے: (لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ) ترجمہ: اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقینا اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنہ:۸)۔

اسی طرح مسلمان معاہد کفار سے بھی قتال نہیں کریں گے کیونکہ ان کا نام و مال معصوم ہے اس معاہدے کی وجہ سے جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہوا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ) ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرو جب آپس میں عہد کرو

اور قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، حالانکہ یقیناً تم نے اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنایا ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔(النحل:۹۱)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی ذمی کو (ناحق) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے سونگھی جاسکتی ہے۔"(صحیح بخاری:۳۱۶۶)۔

بلکہ اگر کوئی مسلمان کسی معاہد ذمی کافر کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر کفارہ اور دیت لازم ہے، بالکل مسلمان کی طرح سے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا) ترجمہ: اور کسی مومن کا کبھی یہ کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک مومن گردن آزاد کرنا اور دیت دینا ہے، جو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی ہو، مگر یہ کہ وہ صدقہ (کرتے ہوئے معاف) کر دیں۔ پھر اگر وہ اس قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہے اور وہ مومن ہو تو ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے، اور اگر اس قوم میں سے ہو کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان ہو تو اس

کے گھر والوں کے حوالے کی گئی دیت ادا کرنا اور ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے، پھر جو نہ پائے تو پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنا ہے۔ یہ بطور توبہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہمیشہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(النساء:۹۲)۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالی نے معاہد ذمی کے قتل خطا میں بھی ایک مومن کے قتل خطا کی طرح کفارہ اور دیت واجب کیا ہے۔

اسی طرح اس کافر سے بھی قتال نہیں کیا جائے گا جو امان لیکر مسلم ملک میں آیا ہو، ایسا شخص مامون ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی امان کے ساتھ آئے خواہ حاکم وقت کی اجازت سے یا کسی بھی فرد بھی اجازت اور اس کی کفالت میں، وہ یا تو دین اسلام کو سیکھنے اور سمجھنے آئے یا پھر کسی دنیاوی مقصد سے آئے؛ کمانے اور تجارت کرنے یا مزدوری کرنے جسکی مسلمانوں کو ضرورت ہو یا کسی سفارتی مقصد سے یا ایسے کام کیلئے جسے مسلمان نہ جانتے ہوں بایں طور کہ اسے اپنی کسی دنیوی مصلحت میں بلوایا گیا ہو تو اسے بھی بالکل مامون سمجھا جائے گا اس پر بھی کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی، ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ) ترجمہ: اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔(التوبہ:۶)۔

اور یہ حکم اس حدیث سے بالکل متعارض نہیں ہے جس میں یہود ونصاری کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم ہے، کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہیکہ کفار ومشرکین کو جزیرہ عرب میں دائمی استقرار اور رہائشی حق نہ دیا جائے کہ جہاں رہ کر وہ اپنے دین کا کھل کر اظہار کریں اور اسے پھیلائیں، کیونکہ جزیرہ عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے۔

اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کے پس منظر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت خانوں میں بیٹھے راہبوں اور تارک الدنیا جوگیوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کیلئے مضر نہیں ہے۔

اسی طرح جہاد کے دوران نہ تو کسی عورت کو مارا جائے گا اور نہ ہی بچوں کو؛ کیونکہ انکا بھی کفرانہیں تک محدود ہے۔

ان تمام لوگوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ان سے قتال کیا جائے گا؛ کیونکہ ان کا شرانہیں تک محدود ہے مسلمانوں کو ان سے کوئی نقصان نہیں ہے۔

* جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد:

جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد دین اسلام کی سربلندی ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ الرَّجُلُ: يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ:" مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ".

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی (لاحق بن ضمیرہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے غنیمت حاصل کرنے کے لیے ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے ناموری کے لیے، ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے تاکہ اس کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں کون لڑتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس ارادہ سے جنگ میں شریک ہوتا ہے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند رہے، صرف وہی اللہ کے راستہ میں لڑتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۸۱۰)۔

ارشاد باری تعالی ہے: (وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ) ترجمہ: اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (البقرہ: ۱۹۰)۔

پتہ چلا کہ جہاد کا مقصد لوگوں پر حکومت کرنا یا انکی دولت پر قبضہ کرنا یا ان کا خون بہانا نہیں ہے، بلکہ مقصد اللہ کے کلمہ سربلندی اور اسکے دین کی اشاعت ہے، کیونکہ یہی تمام انسانیت کا دین ہے، اور اس طرح جہاد فی الواقع کفار کیلئے باعث رحمت اور انکی مصلحت میں ہے، کیونکہ اس کے ذریعے انہیں دین حق کی رہنمائی ملتی ہے، انکے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ کفر سے نکل کر ایمان کی طرف اور تاریکی سے نکل کر روشنی کی طرف نیز ضلالت و گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آجاتے ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " عَجِبَ اللَّهُ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسے لوگوں پر اللہ کو تعجب ہوگا' جو جنت میں بیڑیوں سمیت داخل ہوں گے (یعنی مسلمانوں نے کافروں کو پکڑ کر بیڑیوں میں قید کر دیا پھر وہ مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر تعجب کریں گے کہ یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے پابہ زنجیر ہوئے اور اسلام لا کر جنت میں داخل ہو گئے۔) (صحیح بخاری: ۳۰۱۰)۔

گویا جب ان سے جہاد کیا جائے گا تو وہ گرفتار ہوں گے پھر اللہ کے احسان سے وہ اسلام قبول کرلیں گے اس طرح وہ بھی دخول جنت کے مستحق ہو جائیں گے، لیکن اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو سیدھا دخول نار انکا مقدر ہو جائے گا۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو جہاد ایک طرف کفار کی مصلحت میں ہے تو

دوسری طرف مسلمانوں کی مصلحت میں بھی ہے کہ یہ اس کے ذریعے اجروثواب حاصل کرتے ہیں اور دین اسلام کی نشر و اشاعت بھی ہوتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا) ترجمہ: اور اس قوم کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو، اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو یقینا وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں، جیسے تم تکلیف اٹھاتے ہو اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۰۴)۔

چنانچہ مسلمان جہاد کے اندر جو بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور خطرات مول لیتے ہیں اسکا مقصد اللہ کے کلمہ کی سربلندی اور انسانیت کی فلاح ہوتی ہے، نہ کہ کفار کو کاٹنا مارنا اور ان کی دولت پر قبضہ کرنا جیسا کہ دشمنان اسلام پروپیگنڈہ کرتے ہیں بلکہ یہ پوری انسانیت کی مصلحت میں ہے تاکہ وہ سعادت دارین سے سرفراز ہوسکے۔

یہی جہاد کا صحیح مفہوم اور اسکے کچھ ضوابط ہیں، البتہ کچھ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں کوئی جہاد نہیں ہے اسلام دین رحمت اور نرمی کا دین ہے تو ایسے لوگوں سے ہم کہیں گے کہ ٹھیک ہے اسلام دین رحمت اور نرمی کا دین ہے لیکن یہ ہر جگہ کیلئے نہیں صرف نرمی کی جگہوں کیلئے ہے، اور یہی اسلام کا عدل ہے کہ نرمی کی جگہ پر نرمی اختیار کیا جائے اور سختی کی جگہ پر سختی۔

آپ دیکھیں گے کہ جہاد ہی کے ذریعے پوری دنیا میں اسلام کی سچائی اور اسکی رحمت پھیلی ہے خواہ وہ عہد نبوی ہو یا عہد صحابہ یا بعد کے ادوار، اللہ تعالی نے بہتوں کو اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا، کتنے اسلام کے سربراہ بن گئے جبکہ پہلے وہ کفر کے سرغنہ تھے۔

ویسے بھی جہاد کے اصول اور ضوابط ہیں یہ انارکی اور ہنگامے کا نام نہیں ہے کہ کوئی بھی ہتھیار لیکر اٹھے اور بغیر کسی اصول کے اللہ کی زمین فساد پھیلانا شروع کردے، یہ دہشت گردی اور معصوموں کا ناحق قتل

ہے،اسلام ایسے انارکی اور فساد سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے،آج دشمنان اسلام اسی کو بنیاد بنا کر دین اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی دین اسلام کو غلبہ عطا فرمائے،مسلمانوں کو توحید وسنت کی راہ پر چلا اور جو بھٹکے ہوئے ہیں انہیں ہدایت دے تو ہر چیز پر قادر ہے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: اگر دشمن کا حملہ ملک پر ہو جائے تو ایسی صورت میں دشمن سے لڑنے کیلئے کیا حاکم وقت سے اجازت شرط ہے اور لڑائی کیلئے جھنڈا اور حاکم وقت کی طرف سے سپہ سالار کا ہونا ضروری ہے کہ جسکی قیادت میں جہاد کیا جائے یا ہر کوئی اپنے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر لڑائی شروع کر دے؟

جواب: ایسے حملہ آوروں سے لڑنے کی دو صورتیں ہیں:

۱- اگر یہ حملہ انفرادی سطح پر ہو تو پھر ایسی صورت میں ضروری ہے کہ جس شخص پر حملہ ہو وہ اپنے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر لڑائی شروع کر دے۔ کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲- وہ حملہ آور تنہا ہو یا کوئی شر پسند گروہ ہو جو اچانک مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو ایسی صورت میں بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بعض وقت موجود جو بھی وہاں ہو گا لڑائی شروع کر دے گا۔

ہاں اگر حملہ ایسا ہو کہ حاکم وقت کو خبر کر سکیں تو ایسی صورت میں خود نہیں بلکہ حکومتی سطح پر ہی ان شر پسندوں سے نپٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر ملک پر منظم پیمانے پر حملہ ہو تو بھی ایسے حملے سے حکومتی سطح پر نپٹا جائے گا، اس میں شرکت کیلئے اجازت ضروری ہے۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ غیر مسلم ملکوں کے سفارت خانے کھولنا مداہنت اور انکی مدد ہے، اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ باطل کلام ہے، بلکہ کہنے والا جاہل ہے، اس طرح کے غیر مسلموں کے ساتھ سفارتی امور عہد نبوی میں بھی انجام پاتے تھے، مشرکین کی طرف سے وفود آتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

سفارتی گفتگو کرتے تھے، حتی کہ وہ مسجد میں بیٹھ کر اس طرح کی باتیں کرتے تھے، اسے کفار کی مدد اور ان سے محبت کا اظہار نہیں کہیں گے، بلکہ دنیاوی امور میں سفارتی تعلقات کہیں گے۔

سوال: مغربی ملکوں میں جہاں اسلامی مراکز قائم ہیں کیا وہ قتال کر سکتے ہیں جنہیں ان ممالک میں دعوت اسلام کی اجازت ہے؟

جواب: لیکچر میں یہ بات آئی ہے کہ جہاد صرف حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ کسی دوسرے فرد اور مراکز وغیرہ کی ذمیداری نہیں ہے۔

سوال: ہر مسلمان پر جہاد کب فرض ہوتا ہے؟ اور کیا جہاد کیلئے تمام مسلمانوں کا نکلنا ضروری ہے؟ اور کیا فرض عین والے جہاد میں حاکم وقت سے اجازت ضروری ہے؟

جواب: جہاد کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت:

فرض کفایہ: یعنی اگر کچھ لوگ جہاد کر رہے ہیں تو یہ دوسروں کیلئے کافی ہے۔

دوسری صورت:

ہر اس مسلمان پر فرض عین ہے جو جہاد کی طاقت رکھتا ہو، اور اسکی تین حالات ہیں:

پہلی حالت:

اگر آدمی حالت جہاد میں ہو اور جہاد کرنا فرض ہو جائے تو ایسی صورت میں جو بھی قتال کرنے کی طاقت رکھتا ہو وہ قتال کرے گا پیچھے نہیں ہٹے گا، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ [15] وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا

مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ان لوگوں سے جنھوں نے کفر کیا، آمنے سامنے مقابلے کی صورت میں ملو تو ان سے پیٹھیں نہ پھیرو۔ [15] اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے، ماسوائے اس کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو، یا کسی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو تو یقیناً وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ (الانفال: ۱۶)۔

اور میدان جہاد سے پیٹھ پھیرنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ شمار کیا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا هُنَّ، قَالَ: الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سات گناہوں سے جو تباہ کر دینے والے ہیں بچتے رہو۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' جادو کرنا' کسی کی ناحق جان لینا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' لڑائی میں سے بھاگ جانا' پاک دامن بھولی بھالی ایمان والی عورتوں پر تہمت لگانا۔" (صحیح بخاری: ۲۷۶۶)۔

دوسری حالت:

دشمن ملک پر حملہ کر دے تو ایسی صورت میں حکومت کے ساتھ ہر مستطیع فرد پر جہاد کرنا فرض ہو جاتا

ہے، ملک، جان ومال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر، اور اس حالت کو حاکم وقت ہی منظم کرے گا اسی کی رہنمائی میں جہاد کیا جائے گا۔

تیسری حالت:

جب حاکم وقت انفرادی طور پر کسی کو جہاد کیلئے بلائے تو اس پر جہاد کیلئے نکلنا واجب ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ[38] إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین کی طرف نہایت بوجھل ہو جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں نہیں ہے مگر بہت تھوڑا۔ [38] اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نقصان نہ کرو گے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ (التوبہ: ۳۹)۔

اسی طرح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فتح مکہ کے بعد اب ہجرت (فرض) نہیں رہی البتہ جہاد اور نیت بخیر کرنا اب بھی باقی ہیں اور جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو نکل کھڑے ہوا کرو۔" (صحیح بخاری: ۲۷۸۳)۔

سوال: جنہوں نے اس ملک کے اندر اور دوسرے مسلم ممالک میں جہاد کے نام پر مسلمانوں کو اور معاہد کفار کو قتل کیا ہے ان کا کیا حکم ہے؟ اور ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو خود کش دھماکہ کرتے ہیں؟ کیا اسے خودکشی کہیں گے؟

جواب: جی ہاں، یہ خودکشی ہے، بالکل جائز نہیں ہے، مسلمان ہوں کہ معاہد کفار یا امان والے کفار ان میں سے کسی کا بھی قتل ظلم و زیادتی اور عہد و پیمان کا توڑنا ہے۔

سوال: جہاد کے تعلق سے کسی جامع کتاب کہ طرف رہنمائی فرمائیں جو طلبہ کیلئے مفید ہو؟

جواب: ویسے کتابیں بہت ہیں، لیکن اس پر جو سب سے عظیم کتاب ہے وہ اللہ کی کتاب ہے، اور اس کی تفسیر، نیز سنت رسول اور حدیث اور اسکی شروحات، جن میں جہاد پر تفصیلی کلام موجود ہے، اسکے علاوہ بھی کتابیں مل جائیں گی، فقہ اور عقیدہ کی ہر کتاب میں جہاد کے بارے میں گفتگو مل جائے گی۔

سوال: اگر حاکم وقت کفار کے علاوہ کسی گروہ سے قتال کرے تو کیا اسے جہاد کہیں گے، خواہ وہ خوارج ہوں یا ڈاکوؤں کا گروپ؟

جواب: ہر وہ قتال جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہو وہ جہاد ہے، اس میں باغیوں سے قتال کرنا شامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ) ترجمہ: اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے،

یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(الحجرات:۹)۔

اسی طرح خوارج سے قتال کرنے کا حکم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔اور صحابہ نے ان سے قتال بھی کیا ہے۔

اسی طرح ڈاکوؤں سے بھی قتال کا حکم ہے کیونکہ یہ بھی باغی ہیں اور امن و امان کو غارت کرتے ہیں۔

اسی طرح شر پسند عناصر سے بھی قتال کیا جائے گا، جو اللہ کی زمین فساد مچاتے ہیں، ان سب سے قتال کرنا جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے کیونکہ اس سے مسلمانوں کا دفاع مقصود ہے۔

سوال: وہ مسلم ممالک جہاں پر دشمنان اسلام کا قبضہ ہے جیسے عراق وغیرہ وہاں جہاد کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح کیا جس بھی مسلم ملک پر اعدائے اسلام کی طرف سے حملہ ہو تو کیا اس ملک کے دفاع کے طور پر وہاں جا کر جہاد کر سکتے ہیں؟

جواب: یہ بات گزر چکی ہے کہ جہاد منظم کرنا ضروری ہے، اور یہ حاکم وقت کے ہاتھ میں، وہی عام جہاد کی قیادت کرے گا، جو اس ضابطے سے ہٹ کر قتال کرے گا اسے جہاد نہیں کہیں گے، بلکہ انارکی اور خانہ جنگی کہیں گے، یک ضابطہ ہر ملک میں لاگو ہوگا۔

سوال: جہاد کو لیکر کچھ لوگوں کے دلوں میں تخریبی افکار پائے جاتے ہیں، آپ انہیں کیا نصیحت کریں گے؟

جواب: ان پر واجب ہے کہ وہ اہل علم سے سیکھیں، ممکن ہے ان لوگوں نے دین اسلام کو خود سے

مطالعہ کیا ہو یا اپنے جیسے جاہلوں سے سیکھا ہو، انہیں ضروری ہے کہ وہ نظامی تعلیم حاصل کریں، یا مسجد کے علمی حلقوں میں پڑھیں، تاکہ انہیں حق اور باطل کی تمیز ہو سکے، شبہات و اعتراضات، عقائد اور گمراہی سب عیاں ہو جائے وہ شبہات بھی ختم ہو جائیں گے جو جاہل اور گمراہوں نے پھیلا گیا ہو۔

سوال: اللہ کے قول (لا اکراہ فی الدین) کو بنیاد بنا کر جہاد پر اعتراض کرتے ہیں کہ دونوں میں تطبیق کیسے دے سکتے ہیں؟

جواب: الحمدللہ، جہاد دین کیلئے کسی کو مجبور کرنے کیلئے نہیں ہوتا، کیونکہ کوئی بھی دین اسی وقت قبول کرتا ہے جب اسکے سینے کو اللہ کھول دیتا ہے۔ قتال اس سے کیا جائے گا جو مسلمانوں سے قتال کرے لوگوں کو توحید کی دعوت سے روکے اور تکلیف پہونچائے۔

سوال: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو قتال اور جہاد کے درمیان فرق کرتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: قتال عام ہے جہاد کے مقابلے، قتال حق پر بھی ہوسکتا ہے اور باطل پر بھی مگر جہاد کو اسی وقت جہاد کہیں گے جب وہ شرعی ضوابط کی روشنی نہیں انجام پائے۔

سوال: اس وقت ہم فلسطین کو کیسے آزاد کرا سکتے ہیں؟

جواب: جب مسلمانوں کے پاس طاقت ہوگی اور ایک مسلم قیادت میں قتال کیا جائے گا تو پھر ممکن ہے فلسطین کو آزاد کرا لیں، لیکن جسے اسلام کے بارے میں کچھ پتہ نہ ہو وہ جہاد کیلئے نکل پڑے، وہ نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے، بلکہ وہ صرف نام کا مسلمان ہو، اسے مجاہد نہیں کہیں گے، اسی طرح مختلف گروہ اگر

قتال کریں گے ان کا کوئی متحدہ امام نہیں ہوگا تو وہ بھی نہ مجاہد کہے جائیں گے اور نہ ہی وہ کبھی ہدف تک پہونچ سکیں گے۔

سوال: ہمارا دل جہاد کیلئے کہہ رہا ہے اس کیلئے ہم کیا کریں؟

جواب: دعا کرو کہ اللہ تعالی مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے، جہاد کا علم بلند کرے۔

سوال: ظالم حملہ آور کا دفاع کیسے کریں اور اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: ظالم حملہ آور کا دفاع کرنا واجب ہے، اگر کوئی آپ کے جان و مال اور آبرو پر حملہ کرتا ہے تو ایسی صورت میں آپ اپنا دفاع کریں گے، اگر اسے قتل کر دیا تو وہ دوزخی ہوگا، اور اگر اس نے آپ کو قتل کر دیا تو آپ جنتی ہوں گے، الا یہ کہ یہ صورت حال فتنے کے وقت ہو، تو ایسی صورت میں فتنوں سے الگ تھلگ رہنے میں عافیت ہے۔

سوال: ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو کہتے ہیں کہ اس وقت کوئی جہاد نہیں ہے صرف دعوت دین ہے، کیونکہ اس وقت معاہدے اور اقوام متحدہ کے پروٹوکول میں سب شامل ہیں؟

جواب: جہاد کو اللہ نے مشروع کیا ہے اسے اقوام متحدہ ختم نہیں کر سکتی، اور نہ کوئی دوسرا، مگر جہاد کیلئے اس کی شروط اور ضوابط کا خیال کرنا ضروری ہے، اگر وہ ضوابط اور شروط ہائے جائیں تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

سوال: ابو جندل اور امیر کی شرط لگانے میں کیا تطبیق ہوگی؟

جواب: ابو جندل کفار کے قبضے میں تھے، جو ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے، اور یہاں تک امیر کے شرط لگانے کی بات ہے تو یہ اس وقت ہے جب وہ کسی امیر یا حاکم کی ماتحتی میں ہو، ایسی صورت میں اسکی اطاعت واجب ہے، اور جہاد بھی اسی کی نگرانی اور اسی کے جھنڈے کے تحت ہوگا، لیکن اگر کوئی کفار کے قبضے میں ہے تو وہ انکے ہاتھ سے چھٹکارا حاصل کرے گا کوئی بھی وسیلہ اپنا کر۔

سوال: کیا جہاد کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے اور کیا اگر جہاد کا انکار کردے تو وہ کافر ہو جائے گا؟

جواب: قدرے کے باوجود واجب جہاد کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور جو انکار کرے تو اگر وہ جاہل ہے یا متاول ہے تو ایسی صورت میں اسے معذور سمجھا جائے گا، اسے خطا کار اور گمراہ کہیں گے مگر اسکی تکفیر نہیں کریں گے۔

سوال: کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا جائز ہے، اور کیوں؟

جواب: والدین سے اجازت واجب ہے، سوائے اس وقت جب دشمن اچانک ملک پر حملہ کردے، اور جہاد فرض عین ہو، ہاں اگر فرض کفایہ ہے تو ایسی صورت میں اجازت ضروری ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ:" أَحَيٌّ وَالِدَاكَ"، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ:" فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: "کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟" انہوں نے کہا کہ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر انہیں میں جہاد کرو۔ (یعنی ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرو)۔" (صحیح بخاری: ۳۰۰۴)۔

سوال: کیا شیطان انسان کے خون میں چلتا ہے یہاں تک کہ شبہات والی چیزوں میں بھی؟

جواب: جی ہاں، شبہات وشہوات تمام امور میں شیطان وارد ہوتا ہے اور انسان کو بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال: کیا جہاد ترک کرنے کی وجہ سے حکام گنہگار ہوں گے اور اس میں رعایا بھی شامل ہوگی؟

جواب: اگر جہاد کی طاعت نہیں ہے تو پھر کوئی بھی گنہگار نہیں ہوگا، بلکہ گنہگار اس وقت ہو سکتے ہیں کہ طاقت کے بغیر جہاد کیلئے نکل پڑیں خود کو اور اپنے ساتھ دوسروں کیلئے ہلاکت کا سبب بنتے ہوئے۔ ہاں اگر طاقت رکھتے ہوں اور جہاد نہ کریں تو پھر ایسی صورت میں گنہگار ہوں گے۔

سوال: اس وقت لوگ جہاد سے خون شرماتے ہیں؟ کیا اس وقت یہ عیب ہے؟ کیا جو جہاد پر بات کرے وہ گنہگار ہے؟

جواب: جہاد کی تعلیم دی جاتی ہے اس پر گفتگو کی جاتی ہے میں سمجھتا ہوں اس تعلق سے کوئی مسلمان نہیں شرمانا ہوگا، یہ تو ان کے عقیدے میں شامل ہے۔

سوال: کیا اس وقت شرعی جہاد پایا جاتا ہے؟

جواب: اگر حاکم وقت کی نگرانی اور اسکے علم کے تحت جہاد ہو تو یہی شرعی جہاد ہے، بصورت دیگر کوئی جہاد نہیں ہے۔

سوال: کچھ جماعتیں دعوت و تبلیغ کیلئے نکلتی ہیں اور بیعت کرتی ہیں تو کیا یہ بیعت عامہ کے مخالف ہے؟

جواب: بیعت صرف حاکم وقت کیلئے ہے۔

سوال: اگر جہاد کے علم کو مسلم حکمرانوں کیلئے خاص کر دیں تو پھر جہاد کب ہوگا کیونکہ حالت آپ دیکھ رہے ہیں؟

جواب: جہاد طاقت کے وقت ہوگا، اور یہ اللہ پر کوئی بعید نہیں ہے، نیت پختہ ہو طاقت اور تیاری کریں۔

سوال: بعض علماء نوجوانوں کو عراق میں جہاد پر جانے کی نصیحت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی مدد ہے؟

جواب: ایسے امور میں صرف اپنے ملک کے علماء کی بات سنو اور اپنے ملک کے حکمرانوں کی ما تحتی میں رہو۔

سوال: جہاد کے کیا مراحل ہیں؟

جواب: جہاد کے کئی مراحل ہیں:

پہلا مرحلہ:

شروع میں ممنوع تھا، یعنی جس وقت مسلمان مکہ میں تھے، اس وقت اللہ نے جہاد سے روک رکھا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَى وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا)

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر جب ان پر لڑنا لکھا گیا اچانک ان میں سے کچھ لوگ، لوگوں سے ڈرنے لگے، جیسے اللہ سے ڈرنا ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور انھوں نے کہا اے ہمارے رب! تو نے ہم پر لڑنا کیوں لکھ دیا، تو نے ہمیں ایک قریب وقت تک مہلت کیوں نہ دی۔ کہہ دے دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لیے بہتر ہے جو متقی بنے اور تم پر دھاگے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء: ۷۷)۔

(یہ واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب مسلمان مکہ میں تھے کمزور تھے، حرمت والے شہر میں تھے کفار کا غلبہ تھا یہ انہی کے شہر میں تھے وہ بکثرت تھے جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے ہیں، اس لیے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ کافروں کی ایذائیں سہتے چلے جائیں ان کی مخالفت برداشت کریں، ان کے ظلم وستم برداشت کریں، جو احکام اللہ نازل ہو چکے ہیں ان پر عامل رہیں نماز ادا کرتے رہیں زکوٰۃ دیتے رہا کریں، مصلحت الٰہی کا تقاضہ یہ تھا کہ سر دست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر وضبط سے کام لیں۔ مترجم)۔

اس مرحلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو و درگزر اور اعراض کرنے کا حکم تھا۔

دوسرا مرحلہ:

ہجرت کے جب مدینہ آئے تو جہاد کرنے کی اجازت مل گئی اور یہ حکم نہیں صرف اجازت تھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ) ترجمہ: ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اجازت دے دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر یقینا پوری طرح قادر ہے۔ (الحج: ۳۹)۔

تیسرا مرحلہ:

جہاد کا حکم ہوا ان لوگوں کے خلاف جو قتال کرے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ) ترجمہ: اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (البقرہ: ۱۹۰)۔

چوتھا مرحلہ:

مطلق طور پر حکم ہو گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور انھیں گھیرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (التوبہ: ۵)۔

اور یہ حکم ہجرت کے بعد اس وقت ہوا جب مسلمان منظم، متحد اور طاقتور ہو گئے۔

سوال: اس وقت مسلمانوں پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں کسی سے یہ مخفی نہیں ہے، اسے میں

مسلمانوں پر کیا واجب بنتا ہے؟

جواب: معاملات کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس وقت مسلمان جس کمزوری میں ہیں اسی کے مطابق کفار سے گفتگو کرنا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کی پریشانیاں کم ہوں۔

سوال: اس وقت کچھ لوگ اعدائے اسلام کے ویب سائٹس میں گھس کر انہیں تباہ کر دیتے ہیں اس طرح وہ ں موجود سارے معلومات ختم ہو جاتے ہیں اس سے دشمنوں کو مادی اور معنوی اعتبار سے بڑا خسارہ ہوتا ہے، جسے الیکٹرانک جہاد بھی کہا جاتا ہے، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: اس سے کفار کو کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا، وہ دوبارہ اس کی تلافی کرلیں گے، پھر مسلمانوں کیلئے مزید تباہی کیلئے تیاری رہیں گے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ درست نہیں ہے، اس سے مسلمانوں کوئی فائدہ پہونچنے والا نہیں ہے۔

سوال: میں مدینہ منورہ منتقل ہونا چاہتا ہوں، میرے ایک رشتے دار نے کہا کہ ایک ہزار ریال پر میں منتقل کر دوں گا، کیا یہ عمل صحیح ہے؟

جواب: یعنی نوکری دلانے کیلئے وہ یہ ریال لے گا، یہ رشوت ہے، جائز نہیں ہے، یہ اصل میں سفارش ہے اور سفارش میں کوئی بدل نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ اپنے مسلم بھائی کو خیر کی رہنمائی ہے، جس پر اجر و ثواب ملتا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ بِشَفَاعَةٍ فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا".

ترجمہ: سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے اپنے کسی

بھائی کی کوئی سفارش کی اور کی اس نے اس سفارش کے بدلے میں سفارش کرنے والے کو کوئی چیز ہدیہ میں دی اور اس نے اسے قبول کرلیا تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں داخل ہوگیا"۔(سنن ابی داود:۳۵۴۱)۔

(کیونکہ کسی کے حق میں اچھی سفارش یہ مندوب اور مستحسن چیز ہے، اور بسا اوقات سفارش ضروری اور لازمی ہو جاتی ہے ایسی صورت میں اس کا بدل لینا مستحسن چیز کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے جس طرح سود سے حلال چیز ضائع ہو جاتی ہے۔مترجم)۔

سوال: بعض علماء کہہ رہے ہیں کہ فلسطین کی خاطر جہاد نہ کر کے ہم سب گنہگار ہو رہے ہیں، اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اگر قدرت کے بعد ترک کرتے تو گنہگار ہوتے، لیکن اگر قدرت نہیں ہے تو گنہگار نہیں ہوں گے۔

سوال: کیا جہاد کا تعلق امور عقیدہ سے ہے؟

جواب: جی ہاں، جہاد کو بعض علماء نے ارکان اسلام میں شمار کیا ہے، جس سے اس کی اہمیت اور دین وعقیدے کے اندر اسکے مقام کا پتہ چلتا ہے۔

سوال: (**دحض الزيغ والارتياب عن دعوة الشيخ محمد بن عبد الوهاب**) کے عنوان سے میں ایک کتاب پڑھی ہے، یہ فرحان مالکی پر رد ہے، اس کے اندر یہ لکھا ہے کہ اس کتاب اور اسکی تقدیم سے آپ نے براءت کا اظہار کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: میں اس کتاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، اور نہ ہی مولف کھ بارے میں کچھ زیادہ معلومات ہے، بس اتنا جانتا ہوں کہ فرحان مالکی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور آپ کی دعوت کے تعلق سے بہت ہی گھٹیا باتیں لکھی ہیں، مگر اسکا جواب بھی دیا جاچکا ہے، واللہ الحمد۔

سوال: قرآن میں وارد ہوا ہے کہ جہاد کیلئے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اکھٹا کرو۔کیا یہ ذمہ داری صرف حاکم وقت کی ہے یا ہر فرد کی ہے؟

جواب: بلا شبہ یہ خطاب حکام ہی کو ہے، کیونکہ جہاد کی ذمیداری انہیں کی ہے، فوجوں کو منظم کرنا، انہیں تربیت دینا اور تیار کرنا انہیں پر ضروری ہے۔

سوال: جو لوگ دین کے بعد فرائض کو چھوڑ دیتے ہیں ان کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خطیب نے خطبہ جمعہ میں کہا کہ یا تو پورے دین پر عمل کرو یا پورے دین کو چھوڑ دو، کیا یہ جملہ صحیح ہے؟

جواب: اس میں تفصیل ہے:

پورے دین پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہیکہ تمام فرائض و واجبات پر حسب استطاعت عمل کرو، ان میں کچھ بھی مت چھوڑو، ہاں اگر کسی فریضے کی ادائیگی سے عاجز ہو تو وہ ساقط ہوجائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا) ترجمہ: اللہ کسی نفس کو اتنا ہی مکلف بناتا ہے جتنے کی اسے طاقت ہو۔(البقرہ:۲۸۶)۔

اسی طرح سنن اور مستحبات کا معاملہ ہے کہ اگر انہیں ترک کردیا تو اس سے کوئی گناہ نہیں ملے گا، اسے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم نے پورے دین کو ترک کردیا۔ بلکہ یہ کہیں گے کہ تم نے مستحبات کو ترک کردیا۔

سوال: کیا صلاح الدین ایوبی کے جہاد کو نمونہ بنا سکتے ہیں؟

جواب: صلاح الدین ایوبی نے دین کیلئے عظیم جہاد کیا ہے، صلیبیوں سے بیت المقدس آزاد کرایا وہ بہت بڑے مجاہد تھے۔

سوال: ایک شخص نے وضو کے بعد موزہ پہن لیا مگر مسح کی نیت نہیں کی، گو کیا اگر وضو ٹوٹ جائے تو موزے پر مسح کر سکتا ہے؟

جواب: مسح علی الخفین کے شروط میں سے یہ نہیں ہے کہ پہنتے وقت مسح کی نیت کی جائے، لہذا اگر وضو کی حالت میں موزہ پہنا ہے تو اس پر مسح کر سکتا ہے، گرچہ پہنتے وقت مسح کی نیت نہ کی ہو۔

سوال: کیا جہاد نفس جہاد کفار سے افضل ہے؟

جواب: یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ انسان جہاد نفس سے پہلے جہاد کفار کرے، اسی لئے جہاد کے مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ: جہاد نفس۔

دوسرا مرتبہ: جہاد شیطان۔

تیسرا مرتبہ: جہاد المنافقین۔

چوتھا مرتبہ: جہاد العصاۃ من المسلمین۔ یعنی اپنے مسلمان بھائیوں میں غلط راہ پر چلنے والوں سے جہاد اور انکی اصلاح کرنا۔

پانچواں مرتبہ: جہاد الکفار۔

چنانچہ ہر جہاد کیلئے اسلحہ کی ضرورت نہیں ہے، جیسے کہ گنہگاروں اور غلط راہ پر چلنے والے مسلمانوں

کے خلاف جہاد کیلئے اسلحہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ انہیں آپ خیر کی طرف بلائیں گے اور برائی سے روکیں گے، یہی معاملہ منافقوں سے جہاد کرنے کا بھی ہے، آپ انکے باطل دلائل کا توڑ کریں گے، اسی طرح جہاد شیطان کا بھی معاملہ ہے، یہاں آپکو صرف انکار کرنا ہے، ضبط نفس کی ضرورت ہے، جس طرح کہ جہاد نفس میں ہوتا ہے۔

سوال: میرا ایک ساتھی جو بعض طلباء کے پاس بیٹھتا ہے جو انہیں جہاد کی باتیں بتاتے ہیں، میں نے اس سے کہا کہ کبار علماء کے علمی مجلسوں میں بیٹھا کرو تو اس نے کہا کہ وہ لوگ عقیدے کی باتیں بتاتے ہیں، ہمیں اس وقت عقیدہ نہیں مسلمانوں کے حالات اور جہاد پر جاننے کی ضرورت ہے، اس تعلق سے آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: عقیدہ ہی اصل ہے، اسی میں جہاد بھی آئے گا، ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ جہاد مسائل عقیدہ میں سے ایک مسئلہ ہے، آپ کیسے جہاد کریں گے جب آپ کو عقیدہ ہی معلوم نہ ہو، یہ بہت بڑا خلل ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ سال ٹھہرے رہے اور لوگوں کو جہاد نہیں صرف عقیدہ کی تعلیم دیتے رہے۔



۸۷-امراء اور علماء کے تئیں ہمارا فریضہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

آج کا یہ موضوع (امراء اور علماء کے تئیں ہمارا فریضہ) بہت ہی اہم ہے، اس موضوع کو لیکر بہتوں کے قدم پھسل گئے ہیں اور بہت سے لوگ فکری گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں، جبکہ اسی وجہ سے کتنے فتنے رونما ہو چکے ہیں اور اسی بنیاد پر کس قدر فساد اور قتل وخونریزی کا بازار گرم کیا گیا ہے جس کی بنا پر ملکوں کا امن وامان غارت ہو گیا!!

یہ سب دراصل اسی موضوع کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوا ہے، یعنی حکام کی مخالفت کرنے اور انکی اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے، حالانکہ اللہ نے ہمیں حکام کی تابعداری کرنے کا حکم دیا اس لیے کہ اللہ تعالی ہماری مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اسی میں ہمارے لئے خیر ہے، جبکہ مخالفت اور بغاوت کرنے سے شر وروفتن اور اختلاف وانتشار پیدا ہوتا ہے۔ پورا ملک بدامنی اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے

زیادہ اچھا ہے۔(النساء:۵۹)۔

اسی طرح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن العِرْبَاضِ قال: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ:أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

ترجمہ: سیدنا عرباض رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں دل موہ لینے والی نصیحت کی جس سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں، اور دل کانپ گئے، پھر ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تو کسی رخصت کرنے والے کی سی نصیحت ہے، تو آپ ہمیں کیا وصیت فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے“۔(سنن ابی داود:۴۶۰۷)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر گمراہی دوزخ تک

لے جانے والی ہے۔(سنن نسائی:۸۷ ۱۵)۔

اللہ عز وجل نے بھی مومنوں کو اسی کا حکم دیا ہے ارشاد باری تعالی ہے:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا)

ترجمہ:اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔(النساء:۵۹)۔

یہاں پر اللہ کی اطاعت ہی اصل اور بنیاد ہے جبکہ اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکام کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے تابع ہے،اور یہاں اولو الامر سے مراد حکام اور علماء دونوں ہیں،علماء علم دین میں رہنمائی کرتے ہیں وہ علم جسے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واسطوں کے ساتھ حاصل کیا ہے،اسی علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا ہے۔

چنانچہ یہ علماء عام لوگوں کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ اللہ نے انکی فضیلت بیان کی ہے،اس لئے کہ یہ تبلیغ دین میں انبیاء کی نیابت کرتے ہیں، اسلئے انکی بھی اطاعت ضروری ہے، ان پر اختلاف کرنا بالکل جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہیں بلکہ علم شرعی کو پھیلاتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو کچھ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے۔

اور جہاں تک امراء وحکام کا تعلق ہے تو یہ سیاسی امور میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور اللہ کی شریعت کو نافذ کرتے ہیں۔

علماء اور امراء کی اطاعت میں مسلمانوں کیلئے بڑی مصلحتیں ہیں جیسے امن و امان کا قائم ہونا، شریعت کو نافذ کرنا، شر و فتن سے ملک کو محفوظ رکھنا۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا) ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔(النساء:۸۳)۔

جیسا کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تركتُ فيكم شيئَينِ، لن تضِلوا بعدهما: كتابَ اللهِ، وسُنَّتي، ولن يتفرَّقا حتى يَرِدا عليَّ الحوضَ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے درمیان میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں انہیں جب تک تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت، اور یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے جب تک کہ حوض پر نہ آجائیں۔ (مستدرک حاکم:۳۱۹)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:(قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ) ترجمہ: میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا۔(سنن ابن ماجہ:۴۳)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَن أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضَاءً لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ بِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ ".

ترجمہ: ابوالدرداء نے کہا: (اچھا تو سنو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص علم دین کی تلاش میں کسی راستہ پر چلے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اسے جنت کے راستہ پر لگا دیتا ہے۔ بیشک فرشتے طالب (علم) کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں، اور عالم کے لیے آسمان و زمین کی ساری مخلوقات مغفرت طلب کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر، بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے۔اس لیے جس نے اس علم کو حاصل کرلیا، اس نے (علم نبوی اور وراثت نبوی سے) پورا پورا حصہ لیا“۔(سنن ترمذی: ۲۶۸۲)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علماء و محدثین بہت بڑی فضیلت کے حامل ہیں، حصول علم کے لیے دور دراز کا سفر درکار ہے، یہ سفر خالص علم دین کی نیت سے ہو کوئی دنیوی غرض اس کے ساتھ شامل نہ ہو، علم دین حاصل کرنے والے کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے، کائنات کی ساری مخلوق اس کے لیے مغفرت طلب کرتی ہیں، علماء انبیاء کے حقیقی وارث ہیں۔

اس سے علماء کی فضیلت اور انکی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، اسی لئے جہاں علمائے ربانیین نہیں

ہوتے وہاں شر وفتن اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھا لے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے۔ بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔ حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے۔ اس لیے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (صحیح بخاری: ۱۰۰)۔

قوم نوح کے اندر شرک اسی وقت پیدا ہوا جب انکے درمیان علماء نہیں رہ گئے، کیونکہ وہ پہلے مومن تھے، لیکن شیطان کے کہنے سے انہوں نے بزرگوں کا مجسمہ بنالیا تاکہ انکی حالات زندگی کو یاد کریں اور عبادت میں تحریک مل سکے، اس طرح انہوں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر بزرگوں کی تصویریں بنا لیں، شیطان تو شر چاہتا ہی ہے، لیکن وہ اس وقت عاجز ہوتا ہے جہاں پر علمائے ربانیین پائے جاتے ہیں، چنانچہ شیطان نے انہیں اسی وقت پرستش کرنے کا حکم دیا جب سماج سے علماء ختم ہو چکے تھے، بعد میں آکر کہا کہ تمہارے باپ دادا ان تصویروں کی پرستش کرتے تھے اور ان کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے پرستش کرنا شروع کر دی اور انہیں کوئی ٹوکنے والا نہیں تھا، اس طرح شرک پیدا ہوا جیسا کہ قرآن کے اندر وارد ہوا ہے، جس کا صاف مطلب ہیکہ علماء کے نہ ہونے کی وجہ سے پوری قوم مشرک بن گئی۔

اسی طرح قرب قیامت میں لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جو بغیر علم کے فتوی دیں گے اس طرح خود بھی ہلاک ہوں گے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبیں گے۔ جب کہ علمائے ربانیین بغیر دلیل کے کوئی فتوی نہیں دیتے۔

اس سے علماء کی فضیلت اور ان کے وجود کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اسی لئے انکی مخالفت جائز نہیں ہے، اگر وہ علم صحیح پر قائم ہیں، کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں، تبلیغ دین میں انکی نیابت کرتے ہیں، اس معاملے میں وہ ذرا بھی سستی نہیں کرتے۔

اور جہاں تک امراء کی بات ہے تو انکی بھی اطاعت ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔ (النساء:۵۹)۔

اور جہاں تک کافر حاکم کا تعلق ہے تو اسکی اطاعت واجب نہیں ہے، اطاعت صرف مسلم حاکم کی ہے۔

ان دونوں کی اطاعت اسلئے واجب ہے کیونکہ ان کی اطاعت کا حکم کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے، اس لئے انکی اطاعت واجب ہے انکی ذات کی خاطر نہیں بلکہ اسلئے کہ یہ دین کی تبلیغ کرتے ہیں اور اسے نافذ کرتے ہیں، اسی لئے اگر کوئی حاکم معصیت کا حکم دے تو ایسی صورت میں اسکی اطاعت نہیں کی جائے گی، جیسا کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اطاعت معروف کاموں میں ہے۔اسکی تفصیل اس حدیث کے اندر وارد ہوئی ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً، فَاسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ، فَغَضِبَ، فَقَالَ: أَلَيْسَ أَمَرَكُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُطِيعُونِي؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: فَاجْمَعُوا لِي حَطَبًا، فَجَمَعُوا، فَقَالَ: أَوْقِدُوا نَارًا، فَأَوْقَدُوهَا، فَقَالَ: ادْخُلُوهَا، فَهَمُّوا، وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يُمْسِكُ بَعْضًا، وَيَقُولُونَ: فَرَرْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ، فَمَا زَالُوا حَتَّى خَمَدَتِ النَّارُ، فَسَكَنَ غَضَبُهُ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ".

ترجمہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر لشکر روانہ کیا اور اس کا امیر ایک انصاری صحابی (عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ) کو بنایا اور لشکریوں کو حکم دیا کہ سب اپنے امیر کی اطاعت کریں پھر امیر کسی وجہ سے غصہ ہو گئے اور اپنے فوجیوں سے پوچھا کہ کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے؟ سب نے کہا کہ ہاں فرمایا ہے۔انہوں نے کہا پھر تم سب لکڑیاں جمع کرو۔انہوں نے لکڑیاں جمع کیں تو امیر نے حکم دیا کہ اس میں آگ لگاؤ اور انہوں نے آگ لگا دی۔اب انہوں نے حکم دیا کہ سب اس میں کود جاؤ۔فوجی کود جانا ہی چاہتے تھے کہ انہیں میں سے بعض نے بعض کو روکا اور کہا کہ ہم تو اس آگ ہی کے خوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے ہیں! ان باتوں میں وقت گزر گیا اور آگ بھی بجھ گئی۔اس کے بعد امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس میں کود جاتے تو پھر قیامت تک اس میں سے نہ نکلتے۔اطاعت کا حکم صرف نیک کاموں کے لیے ہے۔(صحیح بخاری: ۴۳۴۰)۔

پتہ چلا کہ امراء کی اطاعت معصیت میں نہیں ہوگی۔لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ امیر اگر کسی معصیت کا حکم دے تو اسکی بیعت توڑ دیں اور اسکے خلاف خروج و بغاوت کریں، بلکہ اسکی اطاعت باقی رہے گی معصیت کے علاوہ دوسرے امور میں۔

حدیث پر غور کریں کہ صحابہ نے امیر کی اطاعت نہیں کی مگر خروج بھی نہیں کیا، حالانکہ امیر نے آگ میں جانے کا حکم دیا تھا، پھر بھی وہ مطیع وفرمانبراد بنے رہے،صرف اسی معصیت میں اطاعت نہیں کی۔

اسی طرح علماء بھی اگر معصیت کا حکم دیں یا کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام قرار دیں تو ایسی صورت میں ان کی اطاعت نہیں ہے، اللہ تعالی نے نصاری کے بارے میں فرمایا:(اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ) ترجمہ:انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں،کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔(التوبہ:۳۱)۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندروارد ہوا ہے:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: " يَا عَدِيُّ، اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَثَنَ، وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةٌ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ سورة التوبة آية 31، قَالَ: " أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ، وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ "، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ

إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ حَرْبٍ، وَغُطَيْفُ بْنُ أَعْيَنَ لَيْسَ بِمَعْرُوفٍ فِي الْحَدِيثِ.

ترجمہ: سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی، آپ نے فرمایا: "عدی! اس بت کو نکال کر پھینک دو، میں نے آپ کو سورۃ براۃ کی آیت: (اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله) "انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو معبود بنالیا ہے" (التوبہ: ۲۵)، پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: "وہ لوگ ان کی عبادت نہ کرتے تھے، لیکن جب وہ لوگ کسی چیز کو حلال کہہ دیتے تھے تو وہ لوگ اسے حلال جان لیتے تھے، اور جب وہ لوگ ان کے لیے کسی چیز کو حرام ٹھہرادیتے تو وہ لوگ اسے حرام جان لیتے تھے"۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۵)۔

اسلئے اگر کوئی اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرے اور حلال کردہ چیز کو حرام کرے تو اسکی اطاعت نہ کرو، ارشاد باری تعالی ہے: (أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) ترجمہ: یا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر فیصلہ شدہ بات نہ ہوتی تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا اور بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (الشوری: ۲۱)۔

اسی طرح علماء کی اطاعت ان امور میں بھی نہیں کی جائے گی جن میں وہ اجتہادی غلطی کرتے ہیں، اور دلیل کی مخالفت ہوتی ہے، اس لئے کہ کچھ نفس پرست لوگ انہیں غلطیوں کو لیتے ہیں گرچہ وہ دلیل کے خلاف ہوں۔

اسی طرح اب علماء کی اطاعت بھی نہیں ہے جو شرعی دلائل پر والی دلیلوں کو فوقیت دیتے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ عقل پرست مشرکین نے کیسے کہا تھا کہ مردار اور ذبیحہ دونوں برابر ہیں بلکہ مردار زیادہ بہتر ہے کیونکہ اسے اللہ نے ذبح کیا ہے اور ذبیحہ کو تم انسانوں نے ذبح کیا ہے، چنانچہ ان لوگوں کی تردید میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ) ترجمہ: اور اس میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور بلاشبہ یہ یقینا سراسر نافرمانی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ضرور باتیں ڈالتے ہیں، تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا تو بلاشبہ تم یقینا مشرک ہو۔ (الانعام: ۱۲۱)۔

یعنی اگر ان کی باتیں مان لو گے تو تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو جاؤ گے، اسلئے کہ تحلیل وتحریم کا حق صرف اللہ کے پاس ہے، ہم صرف اسکی اطاعت کریں گے ان تمام چیزوں میں جنہیں اللہ حرام اور حلال کرتا ہے۔

آج کل ہم میڈیا میں یہ اکثر سنتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں ہم کسی بھی عالم کے قول پر عمل کرلیں کافی ہے، اسی میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ نے ہمیں کسی صرف اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ان علماء کی اطاعت کا حکم دیا ہے جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اسی لئے ہم علماء کے صرف انہیں اقوال کو لیتے ہیں جو کتاب وسنت کی دلیل کے موافق ہوتے ہیں اور ان غلطیوں کو ترک کر دیتے ہیں جو دلیل کے مخالف ہوتی ہیں، جبکہ جو گمراہ قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ علماء کے انہیں اقوال کو لیتے ہیں جو انکی خواہشات کے موافق ہوتے ہیں، گرچہ وہ دلیل کے مخالف ہو، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ علماء معصوم نہیں ہیں، بلکہ غلطی بھی کرتے ہیں، اور غلطیوں اور اختلافی مسائل کے موقع پر اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کتاب کی طرف رجوع کریں ارشاد باری تعالی ہے: (فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ

وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔ (النساء:۵۹)۔

اسی لئے علماء سے جب غلطی ہو تو اسے کتاب وسنت پر جانچنے کا حکم ہے کیونکہ ان سے اجتہادی غلطی ہونے کا امکان ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ ".

ترجمہ: سیدنا ابوقیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو مولیٰ تھے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے، انہوں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب حاکم سوچ کر حکم دے پھر صحیح کرے تو اس کو دو اجر ہیں اور جو سوچ کر حکم دے اور غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۷۱۶)۔

پتہ چلا کہ اولو الامر علماء اور امراء کی اطاعت انہیں چیزوں میں ہوگی جو کتاب وسنت کے موافق ہوں لیکن جو کتاب وسنت کے مخالف ہو اسکی اطاعت جائز نہیں ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو، ہاں یہ ضرور ہیکہ دینی امور میں اجتہاد کرنے والا عالم دین اجتہاد کی بنیاد پر ثواب پائے گا مگر ہم اسکی غلطی کی پیروی نہیں کریں گے، اور اس غلطی کی وجہ سے نہ ہم اس عالم پر لعن طعن کریں گے اور نہ ہی اس کے مقام کو گرائیں گے، بلکہ اسکے لئے دعائے مغفرت کریں گے، یہی معاملہ حکام کے تئیں بھی اپنائیں گے۔

چنانچہ ضابطہ یہی ہے، اسی لئے اگر ہم اولو الامر علماء اور امراء کی مخالفت انکی غلطیوں کی وجہ سے کرتے ہیں اور موافقت نہیں کرتے تو اسکا معنی یہ نہیں ہوتا کہ ہم حکام کے خلاف ہیں، یا علماء کا استہزاء

کرتے ہیں، بلکہ ہم انکا احترام کرتے ہیں، گرچہ انہوں نے غلطی کی، ہم دونوں کی اطاعت اس وقت تک کریں گے جب تک وہ معصیت کا حکم نہیں دیں گے۔

لیکن جو غلطی کو بنیاد بنا کر علماء اور امراء کے خلاف خروج و بغاوت کرے وہ خوارج اور معتزلہ میں شمار ہوگا، اور جہاں تک اہل سنت والجماعہ کا تعلق ہے تو یہ اولو الامر علماء اور امراء کی اطاعت پر اس وقت بھی قائم رہتے ہیں، اور غلطیوں میں انہیں معذور سمجھتے ہیں، بلکہ غلطیوں کی صورت میں انہیں نصیحت کرتے ہیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ ".

ترجمہ: سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے۔" ہم نے کہا: کس کی خیر خواہی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کے حاکموں کی اور سب مسلمانوں کی۔" (صحیح مسلم: ۵۵)۔

چنانچہ یہ نصیحت میں شامل ہیکہ غلطیوں پر ہم ان کی اصلاح کریں اور اسکے لئے مناسب طریقہ استعمال کریں، انکی غلطیوں کی تشہیر نہ کریں، بلکہ راز داری سے بہترین اسلوب میں انہیں نصیحت کریں، تاکہ مقصود بھی حاصل ہو جائے اور کوئی شر بھی واقع نہ ہو۔

اولو الامر علماء اور امراء کی اطاعت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہوں، اسی لئے ہم انکے معروف کو لیں گے اور منکر کو ترک کر دیں گے، اور اسکی وجہ سے ہم انکی اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے، اور نہ ہی دونوں کو حقیر سمجھیں گے اور نہ ہی انکی عیب جوئی کریں گے، اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم معصیت کے کاموں میں بھی انکی اطاعت کریں گے، اور معصیت میں انکی اطاعت نہ کرنے کا بھی یہ مطلب

نہیں ہے کہ ہم انکے خلاف خروج کریں گے، بلکہ ہم معصیت کو ترک کر کے معروف پر عمل کریں گے۔

اور یہ بھی معلوم رہے کہ امراء کی اطاعت ہم انکے منصب کی وجہ سے کرتے ہیں نہ کہ ان کی شخصیت کی وجہ سے اسی لئے اس منصب پر کوئی بھی ہو ہم اسکی اطاعت کریں گے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (فَقَالَ: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ) ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اپنے حاکم کی) سنو اور اطاعت کرو، خواہ ایک ایسا حبشی (غلام تم پر) کیوں نہ حاکم بنا دیا جائے جس کا سر سوکھے ہوئے انگور کے برابر ہو۔ (صحیح بخاری: ۶۹۳)۔

اسکی مزید وضاحت ایک دوسری روایت کے اندر آئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کئی لوگ ایسے ہیں جن پر غبار پڑا ہوا ہے، پریشان حالت میں دروازوں پر سے دھکیلے جاتے ہیں لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کرے۔" (یعنی اللہ کے نزدیک مقبول ہیں گو دنیاداروں کی نظروں میں حقیر ہیں)۔(صحیح مسلم: ۲۸۵۴)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ، وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ، وَأَعْمَالِكُمْ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھے گا لیکن تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھے گا۔" (صحیح مسلم: ۲۵۶۴)۔

اسکے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ)

ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا۔(سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

ایسے موقع پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے اور خلفائے راشدین کا طریقہ کیا ہے صرف اہل علم ہی جانتے ہیں لہذا ہم ایسے موقعوں پر اہل علم کی طرف رجوع کریں گے۔

اختلافات اور فتنوں کے وقت سنت رسول پر چلنے کا یہی بہتر طریقہ ہے کہ ہم علماء کے واسطے اسے معلوم کر کے اسی پر جم جائیں اور فتنوں سے دور رہیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَن حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ، يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ، قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ، قَالَ: نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ، قَالَ: قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ، قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا، فَقَالَ: هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ، قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ، قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ".

ترجمہ: سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ دوسرے صحابہ کرام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں میں ان میں نہ پھنس جاؤں۔ تو میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر کے زمانے میں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر و برکت (اسلام کی) عطا فرمائی، اب کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، میں نے سوال کیا، اور اس شر کے بعد پھر خیر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، لیکن اس خیر پر کچھ دھواں ہوگا۔ میں نے عرض کیا وہ دھواں کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو میری سنت اور طریقے کے علاوہ دوسرے طریقے اختیار کریں گے۔ ان میں کوئی بات اچھی ہوگی کوئی بری۔ میں نے سوال کیا: کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے، جو ان کی

بات قبول کرے گا اسے وہ جہنم میں جھونک دیں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کے اوصاف بھی بیان فرمادیجیئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ ہماری ہی قوم و مذہب کے ہوں گے۔ ہماری ہی زبان بولیں گے۔ میں نے عرض کیا، پھر اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے آپ کا حکم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا، میں نے عرض کیا اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ان تمام فرقوں سے اپنے کو الگ رکھنا۔اگرچہ تجھے اس کے لیے کسی درخت کی جڑ چبانی پڑے، یہاں تک کہ تیری موت آجائے اور تو اسی حالت پر ہو(تو یہ تیرے حق میں ان کی صحبت میں رہنے سے بہتر ہو گا)۔(صحیح بخاری:۳۶۰۶)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت اور حکام کی اطاعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا تا کہ فتنوں سے محفوظ رہیں اسلئے کہ حق پر جمع ہونا رحمت ہے اور اختلاف کرنا زحمت اور عذاب ہے۔

لہذا اختلاف اور فتنوں کے وقت ہمیں چاہئے کہ ہم حکام کی اطاعت کو لازم پکڑیں اور علماء کی طرف رجوع کریں، مگر جو نفس پرست ہوتے ہیں وہ ایسے فتنوں کو مزید ہوا دیتے ہیں اور اولو الامر علماء اور امراء کی غلطیوں کو اچھال کر عوام کو بغاوت پر ابھارتے ہیں، اللہ ہم سب کو تمام فتنوں اور فتنہ پرستوں سے بچائے، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: کیا والدین کے مقابلے علمائے ربانیین سے زیادہ محبت کرنا جائز ہے کیوں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واضح کی ہے؟

جواب: دونوں کا اپنا اپنا حق ہے، والدین کا اپنا حق ہے جس میں علماء شریک نہیں ہیں اللہ نے انکے لئے وہ حقوق خاص رکھے ہیں جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں کیونکہ بچپن میں دونوں نے پالا پوسا اور تربیت کی ہے۔ اور علماء کے انکے خاص حقوق ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو خیر و بھلائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور صحیح راستے پر لاتے ہیں، اسلئے جو جس کے حقوق بنتے ہیں انہیں پورا کریں کسی کو کسی پر فوقیت نہ دیں۔

سوال: فرعی مسائل میں علماء کے اختلاف کا کیا حکم ہے، نیز اس حدیث کا مقصود ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے سب دوزخی ہوں گے سوائے ایک فرقے کے؟ اور اسی طرح اس حدیث میں مذکور فرقہ ناجیہ سے کیا مقصود ہے؟

جواب: فروہ ناجیہ سے کیا مقصود ہے اسکی وضاحت خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں کردی ہے یہ کہہ کر کہ جو اس منہج اور طریقے پر عمل کرے گا جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ چنانچہ فرقہ ناجیہ یہی لوگ ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقے پر چلنے والے ہیں، اور باقی وہ سب دوزخی ہیں جو اس منہج اور طریقے کی مخالفت کرتے ہیں؛ البتہ ان میں کچھ مخلد فی النار ہوں گے ان کے کفر وارتداد کی وجہ سے اور کچھ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے دوزخی ہوں گے مگر وہ

ہمیشہ نہیں رہیں گے ایسی صورت میں یہ حدیث ان کے حق میں وعید ہوگی۔

سوال: اولو الامر امراء کی اصطلاح کیا صرف انہیں حکام کیلئے خاص ہے جو شریعت کا نفاذ کرتے ہیں یا وہ بھی آئیں گے جو شریعت کی جگہ وضعی قوانین نافذ کرتے ہیں؟

جواب: اللہ نے کہا: (واولوا الامر منکم) یعنی جو تمہارے حکام ہیں، چنانچہ حاکم اگر مسلمان ہے، کفر صریح کا ارتکاب نہیں کرتا ہے اور نہ ہی نواقض اسلام میں سے کسی ناقض کا ارتکاب کیا ہو تو ایسی صورت میں وہ مسلمانوں کا حاکم ہوگا اسکی اطاعت واجب ہوگی گرچہ وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہو۔

سوال: کیا قولی خروج بالکل خروج بالسیف کی طرح ہے، اور حکام کے خلاف خروج و بغاوت کا کیا حکم ہے؟ اور کیا جو اس وقت خروج کرتے ہیں انکا حکم انہیں خوارج کی طرح ہوگا جو صحابہ کے دور میں تھے؟

جواب: کبھی قولی خروج خروج بالسیف کے مقابلے زیادہ بھیانک ہوتا ہے، اور قولی خروج ہی خروج بالسیف کا وسیلہ ہے، اسلئے کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہیکہ وہ لوگوں کو حکام کے خلاف ابھارے، اور لوگوں کی نگاہ میں انہیں مبغوض بنا کر پیش کرے، کیونکہ یہی چیز آگے چل کر حکام کے خلاف خروج و بغاوت اور ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کرتی ہے، اسی لئے اسے خروج و بغاوت سے زیادہ بھیانک بتایا گیا ہے، کیونکہ اس سے لوگوں کا عقیدہ اور منہج فاسد ہوتا ہے، لوگوں میں بغض وعناد پیدا ہوتا ہے، اور بسا اوقات ہتھیار بھی اٹھ جاتے ہیں۔

اور جہاں تک خوارج کا تعلق ہے تو یہ ہر دور میں پائے گئے ہیں، صرف صحابہ کے دور کے ساتھ خاص نہیں ہے، ان کے منہج اور روش پر جو بھی چلے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا، اور جو اہل سنت والجماعہ کے منہج

پر چلے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا۔

سوال: اگر حاکم وقت پر کفر کے علامات ظاہر ہوں، دین اسلام سے وہ بغض رکھتا ہو، کفار سے دوستی اوران سے محبت کرتا ہو، مومنوں سے بغض رکھتا ہو بلا وجہ انہیں سلاخوں کے پیچھے ڈال کر سزائیں دیتا ہو، تو کیا پھر بھی اسکی اطاعت جائز ہے، اور کیا اسکے خلاف خروج و بغاوت جائز ہے؟

جواب: مذکورہ باتیں ہر کسی کے کہنے سے نہیں مان لی جائے گی، اسے علمائے ربانیین پر پیش کریں، اگر وہ ثابت کر دیں کہ حاکم وقت کفر صریح کھ ارتکاب کی وجہ سے دین اسلام کے دائرے سے خارج ہوگیا ہے اب اسکی اطاعت جائز نہیں ہے یا یہ کہ وہ کافر نہیں بلکہ مسلم ہی ہے اسکی مخالفت جائز نہیں ہے۔

سوال: ایک عورت اپنے ابرو کے بال اکھاڑ کر سنوارتی تھی پھر توبہ کرلیا، اور سب شادی ہوگئی ہے، لیکن وہاں پر بال بہت گھنا ہوگیا ہے جو بہت مکروہ لگتا ہے؟

جواب: ابرو کے بال بدصورتی کا سبب نہیں ہوتے ہیں، وہ اسے چھوڑے رکھے، اسی میں خیر ہے۔

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اطاعت اور جماعت سے نکل جائے اور اسی حالت میں فوت ہوجائے تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ کیا اس میں وہ بھی داخل ہوں گے جو اجماع علماء کی مخالفت کرتے ہیں؟

جواب: جی ہاں، اجماع قطعی کا انکار کفر ہے، یہ نواقض اسلام میں سے ہے، ارشاد باری تعالی

ہے:(وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا) ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔(النساء:۱۱۵)۔

سوال: بعض اہل علم کے فتاوے کبار علماء کمیٹی کے فتاوے سے مخلتف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے تشویش ہوتی ہے، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: ہم نے یہ پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ہر کسی کے فتوے کی طرف نہ دیکھیں، بہت سے جاہل اور کم علم متعالمین فتوے دیتے رہتے ہیں اور لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں، اسلئے ایسے لوگوں سے ہمیں آگاہ رہنا چاہیے، ہمارے پاس علمی مراجع اور علمائے ربانیین کی کمی نہیں ہے، وللہ الحمد۔

سوال: اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو کہتے ہیں کہ کبار مشائخ کی وفات کے بعد جیسے ابن باز اور ابن عثیمین وغیرہ، علماء کا کردار کمزور ہو گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالی اس سرزمین کو بغیر علماء کے نہیں چھوڑے گا، یہ اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے، علم صرف ابن باز اور ابن عثیمین ہی تک محدود نہیں تھا، جس اللہ نے ابن باز اور ابن عثیمین کو پیدا کیا وہی اللہ دوسرے علماء کو بھی پیدا کرے گا، اسلئے ہم اللہ کے تئیں بدگمانی نہ رکھیں۔

سوال: کیا دفن کے بعد قبرستان میں رک کر کچھ وعظ ونصیحت کر سکتے ہیں، اور کیا اس تعلق سے حدیث

کے اندر کچھ وارد ہوا ہے؟

جواب: ایسا کچھ وارد نہیں ہوا ہے، سوائے ایک بار کے کہ قبر ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ قبرستان میں بیٹھے تھے تو وہیں پر نصیحت کرنے لگے، اور دوبارہ ایسا نہیں کیا، اسلئے جو اسے عادت بنالے وہ غلط ہے، وعظ ونصیحت کیلئے مساجد کافی ہیں۔

سوال: اثنائے درس ایک استاذ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آخری وقت تک متعہ کے قائل تھے، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان پر رد کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک شاذ رائے تھی اور یہ مروی ہے کہ آپ نے بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کرلیا تھا، ویسے بھی انکا قول اجماع امت کے خلاف تھا کیونکہ بالاتفاق متعہ حرام ہے۔

سوال: کیا جو جامعات سے فارغ ہوجائے وہ علماء میں شمار ہوگا یا ابھی وہ طالب علم ہی رہے گا؟

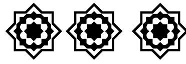
جواب: جامعات سے فراغت کوئی ضابطہ نہیں ہے، بلکہ ضابطہ یہ ہیکہ اس نے علوم دین اور اسکے اصولوں کو علماء سے حاصل کیا ہو، خواہ وہ جامعات میں پڑھا ہو یا مساجد کے اندر علمی حلقوں میں، پھر موثوق اور معتبر علماء سے تصدیق ہوجائے تو وہ علماء میں شمار ہوگا، ان علوم وفنون کو کتب بینی اور مطالعہ سے نہ سیکھا ہو، جیسا کہ متعالم کم علم والے کرتے ہیں۔

سوال: اگر حکام وحی کے علاوہ دوسرے قوانین کا نفاذ کریں تو کیا ان کے خلاف خروج و بغاوت جائز ہے؟

جواب: سوال مجمل ہے، ممکن ہے حکام سے کچھ غلطیاں انکے اجتہاد اور تاویل سے ہوتی ہوں، اسکے لئے علمائے ربانیین کی طرف رجوع کریں، تحقیق کے بعد ہی اسکا جواب وہ دیں گے، اور خروج و بغاوت بالکل جائز نہیں ہے۔

سوال: کیا عالم کی صفات میں سے یہ بھی ہے ہیکہ وہ فصیح اللسان ہو اپنی بات اچھی طرح پیش کرنے کا ملکہ رکھتا ہو؟

جواب: یہ سب تکمیلی صفات ہیں، اگر وہ فصیح و بلیغ ہوگا تو زیادہ بہتر ہوگا، مگر علم بلاغت اور فصاحت پر منحصر نہیں ہے، یہ انسان کے سیکھنے اسے ضبط کرنے اور دل میں نقش کرنے سے تعلق رکھتا ہے، اور اس علم کی تعبیر تکمیلی اوصاف میں سے ہے، واللہ اعلم، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔



۸۸-اتفاق واتحاد اور فتنوں کے روکنے میں اسکا اثر:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

آج کا عنوان مسلمانوں کے اندر اتحاد و اتفاق اور فتنوں کے روکنے میں اسکا اثر ہے، بلا شبہ فتنے اور آزمائش ابتدائے آفرینش ہی سے جاری ہیں، اسکی تاریخ سیدنا آدم علیہ السلام اور آپ کی بیوی حوا علیہا السلام سے شروع ہوتی ہے اور پھر بنی نوع انسانیت کی پوری تاریخ میں یہ آزمائش ہوتی رہی ہے اور آج بھی یہ آزمائش اور فتنے پورے زور پر ہیں ویسے آخری زمانے میں سب سے زیادہ ہوگا، ارشاد باری تعالی ہے: (الم [1] أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ [2] وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ) ترجمہ: الم۔ [1] کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ وہ اسی پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہہ دیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ [2] حالانکہ بلاشبہ یقینا ہم نے ان لوگوں کی آزمائش کی جو ان سے پہلے تھے، سو اللہ ہر صورت ان لوگوں کو جان لے گا جنھوں نے سچ کہا اور ان لوگوں کو بھی ہر صورت جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔ (العنکبوت: ۳)۔

یہ فتنے اور آزمائش جاری ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ [155] الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ [156] أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ

مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ) ترجمہ: اور یقیناً ہم تمھیں خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دے۔ [155] وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ [156] یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔(البقرہ:۱۵۷)۔

اللہ تعالی اپنے بندوں کو آزماتا ہے تاکہ تاکہ معلوم ہوجائے کہ سچا مومن کون ہے، آزمائشوں کے وقت صبر ہوں کرتا ہے، اور کون منافق اور جھوٹا ہے جو فتنوں اور آزمائشوں کے وقت دین حق سے منحرف ہوجاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ) ترجمہ: اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے، پھر اگر اسے کوئی بھلائی پہنچ جائے تو اس کے ساتھ مطمئن ہوجاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آپہنچے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے۔اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، یہی تو صریح خسارہ ہے۔(الحج:۱۱)۔

ایک منافق آزمائش کے وقت ثابت قدم نہیں رہتا کیونکہ اسکے دل میں ایمان ہی نہیں ہوتا، اسی لئے جب آزمائش اور تکلیف کا وقت آتا ہے تو وہ ایکسپوز ہوجاتا ہے، اور آزمائشوں اور فتنوں کا یہ مقصد ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ) ترجمہ: اللہ کبھی ایسا نہیں کہ ایمان والوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا کردے اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ تمھیں غیب پر مطلع کرے اور لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا

ہے چن لیتا ہے، پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور متقی بنو تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔(آل عمران: ۱۷۹)۔

یہی الہی سنت ہے جو بندوں میں جاری ہے، ایسے وقت ایک سچا مومن ثابت قدم رہتا ہے پھر اسے اللہ کی نصرت اندر حاصل ہوتی ہے اور ایک منافق اور جھوٹا ایکسپوز ہو جاتا ہے اسکی دنیوی مصلحتیں داؤ پر لگتی ہیں تو وہ دین ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے، ایسے ہی فتنوں کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "بَادِرُوا بِالأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جلدی جلدی نیک کام کرلو ان فتنوں سے پہلے جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے، صبح کو آدمی ایماندار ہوگا اور شام کو کافر یا شام کو ایماندار ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا اور اپنے دین کو بیچ ڈالے گا دنیا کے مال کے بدلے۔“(صحیح مسلم: ۱۱۸)۔

یعنی آخری زمانے میں فتنے بہت ہوں گے مگر ان سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟

نجات کتاب اللہ اور سنت رسول میں ملے گی، اور یہ کہ ایسے موقع پر مسلمان اپنی قیادت کے ماتحت متحد ہو جائیں اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑ لیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَن حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ، يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ، قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ، قَالَ: نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ، قَالَ:

قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ، قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا، فَقَالَ: هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ، قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ، قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ".

ترجمہ: سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ دوسرے صحابہ کرام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں میں ان میں نہ پھنس جاؤں۔ تو میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر کے زمانے میں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر و برکت (اسلام کی) عطا فرمائی، اب کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، میں نے سوال کیا، اور اس شر کے بعد پھر خیر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، لیکن اس خیر پر کچھ دھواں ہو گا۔ میں نے عرض کیا وہ دھواں کیا ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو میری سنت اور طریقے کے علاوہ دوسرے طریقے اختیار کریں گے۔ ان میں کوئی بات اچھی ہوگی کوئی بری۔ میں نے سوال کیا: کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے، جو ان کی بات قبول کرے گا اسے وہ جہنم میں جھونک دیں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کے اوصاف بھی بیان فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ ہماری ہی قوم و مذہب کے ہوں گے۔ ہماری ہی زبان بولیں گے۔ میں نے عرض کیا، پھر اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے آپ کا حکم کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت اوران کے امام کو لازم پکڑنا، میں نے عرض کیا اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ان تمام فرقوں سے اپنے کو الگ رکھنا۔ اگر چہ تجھے اس کے لیے کسی درخت کی جڑ چبانی پڑے، یہاں تک کہ تیری موت آجائے اور تو اسی حالت پر ہو (تو یہ تیرے حق میں ان کی صحبت میں رہنے سے بہتر ہوگا)۔ (صحیح بخاری:۳۶۰۶)۔

پتہ چلا کہ مسلمانوں کی جماعت اور حاکم وقت کو لازم پکڑنے سے اللہ تعالی فتنوں سے محفوظ رکھے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ[103]وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[104] وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ) ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ [103] اور لازم ہے کہ تمھاری صورت میں ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں اور اچھے کام کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ [104] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام آچکے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا

عذاب ہے۔(آل عمران:۱۰۵)۔

یہاں پر اللہ تعالی نے کتاب وسنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے کیوں کہ اختلاف و انتشار ایک عذاب ہے اور اجتماعیت و اتحاد رحمت ہے، پھر اسکے بعد دور جاہلیت کی مثال پیش کی کہ ان کی کمزوری اور بدقسمتی کی سب سے بڑی وجہ اختلاف وانتشار اور ظلم وزیادتی تھی ،کمزور کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔

وہ باطل عقیدے پر قائم تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، اسکے علاوہ بھی شجر وحجر اور بزرگوں اور فرشتوں حتی کہ انبیاء کی پرستش کرتے تھے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ) ترجمہ: اور وہ اللہ کے سوااس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اس نےکوئی دلیل نازل نہیں کی اور جس کاانھیں کچھ علم نہیں اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔(الحج:۷۱)۔

بدعقیدگی کے ساتھ وہ مردار بھی کھاتے تھے، شراب اور خون پیتے تھے، گنا پر گنا کر کے سود بھی کھاتے تھے، اس طرح عقدی ،معاشی اور سماجی ہر اعتبار سے بدحالی کا شکار تھے۔

لیکن جب اللہ تعالی نے اپنے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے اندر مبعوث کیا جنہوں نے اسلام کی دعوت دی اور انہیں شرک وکفر سے روکا، ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا تو بہتوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور جسکی وجہ سے انکے اندر اتحاد واتفاق پیدا ہوا وہ ایک قیادت کے تحت جمع ہو گئے اسی لئے اللہ نے ان پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا جیسا کہ فرمایا:(اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے)۔

اللہ نے انہیں کفر وشرک اور انارکی سے نکال کر اسلام کی طرف لایا جس میں ان کے لئے خیر ہی خیر تھا۔

اللہ نے انہیں دور جاہلیت کی یاد دلائی تاکہ وہ اس سے عبرت پکڑیں اور آپسی اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچا کر رکھیں، کیونکہ اختلاف وانتشار میں عذاب وزحمت ہے اور اتحاد واجتماعیت میں رحمت ہی رحمت ہے۔

ایک دوسری آیت کے اندر اللہ تعالی نے یہ واضح کیا ہے کہ ایمان اور اتحاد کی وجہ سے کیسے امن و امان اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ [40] الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ) ترجمہ: اور یقینا اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقینا بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔ [40] وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔(الحج:۴۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) ترجمہ: اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔(النور:۵۵)۔

اسی توحید اور اللہ کی عبادت کرنے اور شرک کے ترک کرنے کی وجہ سے انکے اندر اتحاد و اتفاق پیدا ہوا اور انکے اندر اجتماعیت آئی، عرب و عجم ایک ہو گئے، سلمان و بلال ابو بکر و عمر اور عثمان و علی کے ساتھ کھڑے ہو گئے، سارے دشمن قبائل آپس میں متحد ہو گئے۔ کلمہ توحید نے انہیں ایک کیا۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے :(هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ[62] وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھے اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ قوت بخشی۔ [62] اور ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا ان کے دلوں کے درمیان الفت نہ ڈالتا اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (الانفال: ٦٣)۔

وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے مگر کلمہ توحید نے انہیں ایک رب سے جوڑ دیا، اب اپنے تمام معبودان باطلہ کو ترک کر کے صرف ایک معبود برحق کی عبادت کرنے لگے۔ وہی اللہ جو انکا خالق اور رازق ہے، یہ انکے لئے بہت بڑی نعمت تھی، اسی نعمت کے بقا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حدیث کے اندر ابھارا گیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ وَيَسْخَطُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے تین باتوں کو ناپسند اور تین باتوں کو پسند کیا ہے پسند تو اس بات کو کیا ہے کہ تم صرف اس ہی کی

عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ بازی نہ کرو اور حکمرانوں کے خیر خواہ رہو اور ناپسند اس بات کو کیا ہے کہ زیادہ قیل وقال کی جائے مال کو ضائع کیا جائے اور کثرت سے سوال کئے جائیں ۔(مسند احمد:۸۷۹۹)۔

حدیث کے اندر مذکورہ تینوں چیزوں نے سب کو جمع کرلیا ہے:

پہلی چیز:

(أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا) ترجمہ: تم صرف اس ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

پتہ چلا کہ عقیدہ صحیحہ کے سوا کوئی بھی چیز تمام لوگوں کو متحد نہیں کرسکتی۔

دوسری چیز:

(وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا) ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔

کتاب وسنت کو اپنا مرجع اور فیصل بنالو جسکی طرف آپ نے تمام اختلافی مسائل اور متنازعہ امور میں رجوع کرو، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے ۔(النساء:۵۹)۔

پتہ چلا کہ اختلاف و انتشار اسی وقت دور ہوسکتے ہیں جب کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے عادات وتقالید اور بشری قوانین سے اختلافات کو مٹایا نہیں جاسکتا۔کتاب وسنت ہی سے اختلاف مٹے گا اور دلوں میں اتحاد پیدا ہوگا۔

تیسری چیز:

(وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ) ترجمہ: اور حکمرانوں کے خیر خواہ رہو۔

یہاں خیر خواہی سے مراد حکام کی اطاعت ہے، اور اس کا تقاضہ ہیکہ حکومتی سطح پر جو ذمہ داری دی جائے اسے اخلاص اور امانت داری کے ساتھ نبھائی جائے، اس میں خیانت کرنا حکام کے ساتھ خیانت ہوگی۔

اسی طرح حکام کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت میں سے یہ بھی ہے کہ جو بھی بہتر اور خیر کی چیزیں ہوں اس تک پہونچائی جائیں، کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح ایک انسان ہے، اسے نصیحت اور خیر خواہ کی ضرورت ہے، جو غلطیوں سے آگاہ کرے اور امت کو لاحق خطرات سے تنبیہ کرے تاکہ قبل از وقت اسکا علاج ہو سکے۔

اسی معنی میں یہ درج ذیل حدیث وارد ہوئی ہے:

عن الْعِرْبَاضُ قال: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

ترجمہ: سیدنا عرباض رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں دل موہ لینے والی نصیحت کی جس سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں، اور دل

کانپ گئے، پھر ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تو کسی رخصت کرنے والے کی سی نصیحت ہے، تو آپ ہمیں کیا وصیت فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر گمراہی دوزخ تک لے جانے والی ہے۔ (سنن نسائی: ۱۵۷۸)۔

بدعات وخرافات سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے کیوں کہ انسان ان میں پڑ کر اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تا کہ تم بچ جاؤ۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا) ترجمہ: جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے، جو ان کی بات قبول کرے گا اسے وہ جہنم میں جھونک دیں گے۔ (صحیح بخاری: ۳۶۰۶)۔

سو نجات اسی صورت میں ہے جب ہم کتاب وسنت اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑیں گے، اور انہیں کے منہج پر چلیں گے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین ہی نے کتاب

وسنت کو مضبوطی سے تھاما تھا اور اسے زندہ رکھا تھا، ارشاد باری تعالی ہے:(وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۰۰)۔

خلفائے راشدین کے بعد دیگر انصار و مہاجرین صحابہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے اور جن کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وارد ہوئی ہے:

عن عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ. قَالَ عِمْرَانُ: لَا أَدْرِي، أَذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ".

ترجمہ: سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ (صحابہ) ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے (تابعین) پھر وہ لوگ جو اس کے بھی بعد آئیں گے۔(تبع تابعین) عمران نے بیان کیا کہ میں نہیں جانتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زمانوں کا (اپنے بعد) ذکر فرمایا یا تین کا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خائن ہوں گے، جن میں دیانت داری کا نام نہ ہوگا۔ ان سے

گواہی دینے کے لیے نہیں کہا جائے گا۔لیکن وہ گواہیاں دیتے پھریں گے۔نذریں مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے۔مٹاپاان میں عام ہوگا۔" (صحیح بخاری:۲۶۵۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابعد تین صدیوں تک لوگوں نے کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھاما تھا جنہیں قرون مفضلہ کہتے ہیں اور جن تین صدیوں کی تعریف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، انہیں صدیوں میں رہنے والے لوگوں کی ہم اقتداء کریں گے اور انہیں کے منہج پر چلیں گے تبھی ہمیں فتنوں سے نجات ملے گی، کیونکہ جس قدر زمانہ قیامت کے قریب ہوتا جارہا ہے فتنوں میں اسی قدر اضافہ بھی ہورہا ہے، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔

آخری زمانے میں فتنے بہت زیادہ ہوں گے اس وقت بھی جو کتاب وسنت کو مضبوطی سے نہیں تھامے گا وہ ان فتنوں میں پڑ کر برباد ہوجائے گا، ایسے موقع پر ہمیں نجات کتاب اللہ اور سنت رسول ہی میں ملے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ:اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔(النساء:۵۹)۔

چنانچہ جو کتاب وسنت کو ترک کرکے لوگوں کے آراء واقوال اور وضعی قوانین وعادات وتقالید کی طرف رجوع کرے گا وہ ہلاک وتباہ ہوجائے گا، کیونکہ اس سے اختلافات حل ہونے کے بجائے مزید اس میں اضافہ ہوگا، اختلافات صرف کتاب وسنت کی روشنی میں ہی حل ہوں گے۔

اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یک قیمتی وصیت کی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ۔

ترجمہ: اللہ نے تمہارے لئے تین باتوں کو ناپسند اور تین باتوں کو پسند کیا ہے پسند تو اس بات کو کیا ہے کہ تم صرف اس ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ بازی نہ کرو اور حکمرانوں کے خیر خواہ رہو۔(مسند احمد:۸۷۹۹)۔

اس طرح مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد درج ذیل امور سے پیدا ہوسکتا ہے:

پہلا امر:

اصلاح عقیدہ:

لوگ جب تک شرک و بدعات پر قائم رہیں گے ان کی اصلاح کبھی بھی نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی انکی مشکلیں ختم ہوں گی، بلکہ ان میں مزید اضافہ ہی ہوگا، اسلئے ضروری ہے کہ پہلے عقیدے کی اصلاح کریں، کیونکہ تمام رسول اور اسی آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دعوت میں سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح کی تھی، ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ) ترجمہ: اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔(الانبیاء:۲۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا) ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔(النساء:۳۶)۔

چنانچہ تمام انبیاء نے سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح کی ہے، اسلئے کہ اسی سے سماج کی اصلاح ہوگی اسی سے اجتماعیت پیدا ہوگی اور اسی سے ایک دوسرے کے آپس میں دل جڑیں گے، اور یہ

عقیدہ توحید کا ہے اور اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانے کا ہے۔

اور کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہر دور میں ہر جگہ قیامت تک تمام لوگوں کیلئے چلتا رہے گا، اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت اور مسلم حکمرانوں کی تابعداری ہی سے مسائل حل ہوں گے، اور اسی میں فتنوں سے نجات ہے۔

لوگوں کی اصلاح بغیر جماعت کے نہیں ہو سکتی، اور جماعت بغیر حاکم کے ممکن نہیں، اسلئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی ایک قیادت ہو، تا کہ وہ متحد ہو کر رہ سکیں، کیونکہ اجتماعیت اور اتحاد بغیر قیادت کے ممکن نہیں، اور قیادت بغیر سمع وطاعت کے ممکن نہیں، کیونکہ یہی لوگوں کی قیادت کرتے ہیں اور انہیں متحد رکھتے ہیں، کتاب وسنت کی طرف رجوع کر کے لوگوں کے تمام مسائل حل کرتے ہیں، کیوں کہ شریعت کی تحکیم ہی سے لوگوں کی اصلاح ہوگی اور آپسی اختلافات ختم ہوں گے، لوگوں کے دل جڑیں گے، اور لوگ اس فیصلے پر قانع ہوں گے، کیونکہ کتاب وسنت کے سوا دوسری چیزوں پر سارے لوگ قانع نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ وضعی دستور پر سب قانع نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ بھی انہیں کے اقوال وآراء کی طرح ہیں، جبکہ کتاب وسنت اللہ اور اسکے رسول کے اقوال وفرامین ہیں، یہ کسی امتی کے آراء نہیں ہیں، اور کتاب وسنت پر ایک کافر یا منافق ہی اعتراض کر سکتا ہے، اور یہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسکا ایمان خواہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو یا وہ فاسق اور گنہگار ہو وہ کتاب وسنت پر قانع ہو جائے گا۔

اسی لئے لوگ راضی ہوں گے اور ان کے مسائل حل ہوں گے صرف صالح قیادت اور صالح مرجع سے، صالح قیادت سے مراد مسلم حاکم ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ اس پر کوئی ملاحظہ نہیں ہو سکتا ہے، اور نہ ہی اس سے کوئی غلطی ہو سکتی ہے، وہ بھی انسان ہے اگر وہ مسلمان ہے تو اسکی اطاعت واجب ہے گرچہ اسکے پاس معاصی ہوں، بس شرک جلی اور کفر صریح نہ ہو۔

اور سمع وطاعت اس کی وجہ سے نہیں کی جاتی ہے بلکہ مسلمانوں کی وجہ سے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام کی اطاعت کا حکم دیا ہے خواہ وہ ظالم اور فاسق ہی کیوں نہ ہوں، الا یہ کہ وہ کفر صریح کا ارتکاب کریں اور اس پر واضح دلیل ہو، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (فقال فیما اخذ علینا: ان بایعنا علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا، وعسرنا ویسرنا، واثرة علینا، وان لا ننازع الامر اهله إلا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فیه برهان) ترجمہ: انہوں (عبادہ بن صامت) نے بیان کیا کہ جن باتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا ان میں یہ بھی تھا کہ خوشی و ناگواری، تنگی اور کشادگی اور اپنی حق تلفی میں بھی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور یہ بھی کہ حکمرانوں کے ساتھ حکومت کے بارے میں اس وقت تک جھگڑا نہ کریں جب تک ان کو اعلانیہ کفر کرتے نہ دیکھ لیں۔ اگر وہ اعلانیہ کفر کریں تو تم کو اللہ کے پاس سے دلیل مل جائے گی۔ (صحیح بخاری: ۷۰۵۶)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ".

ترجمہ: سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور برے حاکم تمہارے وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں تم ان پر

لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔" لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسے برے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں جب تک وہ نماز کو تم میں قائم کرتے رہیں اور جب تم کوئی بات اپنے حاکموں سے دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔" (یعنی بغاوت نہ کرو)۔(صحیح مسلم: ۱۸۵۵)۔

یعنی اگر نماز قائم کرتے ہیں اور عقیدہ توحید پر قائم ہیں تو انکی اطاعت واجب ہے گرچہ کچھ معاصی ہوں، پھر بھی اجتماعیت اور مسلمانوں کی وحدت کی وجہ سے اطاعت جاری رکھیں گے۔

قیادت کی اہمیت کی وجہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہ کرام نے آپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین اور جنازہ سے پہلے خلیفہ کا انتخاب کیا، چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اندر اکٹھا ہو کر مشوروں کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا گیا، پھر اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ پڑھا گیا، اور دفن کیا گیا، اس سے حکومت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک ماہ اور ایک دن کیا ایک گھڑی بھی بغیر حاکم کے رہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی حاکم نہیں ہوگا تو لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگیں گے، بیرونی طاقتوں کا تسلط ہو جائے گا، چنانچہ یہ حاکم ہوتا ہے جو مسلمانوں کی حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے، جب مسلمان اسکے تحت متحد ہوتے ہیں اور ایک جماعت بن کر رہتے ہیں۔

اسی طرح اندرونی طور پر حاکم لوگوں کو ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکتا ہے، مستحقین تک ان کے حقوق پہونچاتا ہے، مجرمین کے خلاف حدود وقصاص نافذ کرتا ہے، مرتدین پر حد نافذ کرتا ہے، زانی اور چور پر حد نافذ کرتا ہے، ڈاکوؤں پر حد نافذ کرتا ہے، اس طرح مسلمان اندرونی اور بیرونی دونوں سطح پر محفوظ ہو جاتا ہے، اسکے جان ومال اور آبرو کی حفاظت ہو جاتی ہے، یہ سب ایک حاکم ہی کے ذریعے ممکن ہو پائے گا، چنانچہ اگر کوئی حاکم نہ ہو تو پھر کون ان امور کو نافذ کرے گا؟! اسی طرح حاکم وقت امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والی کمیٹی بناتا ہے تاکہ اس اہم فریضے کو انجام دے، تاکہ لوگ دینے راستے پر آئیں اور مجرمین غلط راستوں سے توبہ کریں۔

اور جہاں تک دوسری چیز یعنی وہ لوگوں کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلے کرے تو اس تعلق سے ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ) ترجمہ: اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے بچ کہ وہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انھیں ان کے کچھ گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک بہت سے لوگ یقینا نافرمان ہیں۔(المائدہ:۴۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ) ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔(المائدہ: ۴۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ) ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔(المائدہ: ۴۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔(المائدہ: ۴۷)۔

چنانچہ شریعت کے نفاذ کی سے امن وامان اور تحفظ ممکن ہے اور یہ کام ایک حاکم ہی کرسکتا ہے، اعدائے اسلام کے خلاف وہی علم خلاف بھی بلند کرے گا،گویا مسلمانوں کی تمام مصلحتیں حاکم ہی کے ذریعے پوری ہوں گی۔خواہ وہ مصلحتیں دنیوی ہوں یا اخروی، اور اسکے لئے ضروری ہے کہ حاکم کی اطاعت کی جائے۔

اور اسکے لئے ضروری ہے کہ لوگ کتاب وسنت کا علم حاصل کریں، اور یہ علم علمائے راسخین سے حاصل کریں، جوخود سے سیکھے گا یا اپنے ہی جیسے متعالم کم علم والے سے سیکھے گا وہ جاہل ہی رہے گا یا گمراہ ہوجائے گا،خوارج اسی وقت گمراہ ہوئے جب وہ اہل علم سے دور ہوئے اور قرآن کو خود سے سمجھنے لگے، انہوں نے عقیدہ اور دین کے دیگر احکام کو اہل علم سے نہیں سیکھا،اسی لئے گمراہ ہوگئے،والعیاذ باللہ۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو خیر وبھلائی اور اپنے رضا کی توفیق دے،علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: ایک رواج جوکہ چلا آرہا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جائے، حق کو واضح کیا جائے اور باطل سے آگاہ کیا جائے، اور مسلمانوں کی وحدت کیلئے کوشش کی جائے، لیکن اس وقت میڈیا کے اندر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سماج کے اتحاد کی بقا کیلئے اس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ حق بیانی اور باطل سے آگاہی سے بچا جائے؟

جواب: یہ کلام باطل اور متناقض ہے، اسکا آخری حصہ اسکے اول حصے کو توڑ رہا ہے، کیونکہ مسلم سماج کی وحدت صحیح اصولوں اور صحیح عقیدے ہی پر ممکن ہے، وہ اصول اور عقیدہ جو کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں، اور علمائے اسلام نے جنہیں اپنی کتابوں میں بیان کر دیا ہے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا مطلب یہی ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں سماج کو ڈھالا جائے، عقیدے کی اصلاح کی جائے، فروعی مسائل میں اختلاف کو انگیز کیا جا سکتا ہے مگر اصول اور عقائد میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایک مومن اور مشرک کے درمیان محبت نہیں ہو سکتی، ایک بدعتی اور ایک سنی کے درمیان الفت نہیں پیدا ہو سکتی، خواہ یہ کتنا بھی کوشش کرلیں۔

سوال: وہ ممالک جہاں شریعت کی تنفیذ نہیں کی جاتی خواہ وہ مسلم ممالک ہوں یا بلاد کفر ہو، وہاں پر اطاعت کیسے ہوگی؟

جواب: اگر وہ بلاد کفر ہے تو ایسی صورت میں وہاں کے مسلمان اپنا اسلامی مرکز بنائیں جہاں پر انکے علماء وفقہاء ہوں جو انہیں دینی رہنمائی کریں گے، اور وہاں کے اہل خیر انکے مسائل حل کریں

گے۔

لیکن جو مسلم ملک میں ہو جہاں پر شریعت کا نفاذ نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور بقدر استطاعت دین کا کام کرے، اگر پہونچ سکے تو حکام کو جا کر نصیحت کرے ممکن ہے اللہ انکی اصلاح کردے۔

سوال: بعض مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اپنے مسلم ملکوں میں دین پر عمل کرنے کی وجہ سے تکلیف دیئے جاتے ہیں اسی لئے یورپین ممالک میں چلے جاتے ہیں جہاں ہر طرح کی آزادی ہے؟

جواب: یہ چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوا ہے جب مسلمانوں کو انہیں کے ملک مکہ میں ستایا جانے لگا تو آپ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، جو کہ ایک عیسائی ملک تھا، لیکن وہاں کا حاکم عادل تھا، اس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا، چنانچہ اس وقت لوگ اپنے دین کی خاطر ہجرت کر گئے تھے، اور یہاں پر معاملہ مختلف ہے، اسلئے اگر مسلم ملک سے کسی کافر ملک کی طرف ہجرت کرنا ہے تو اسکے لئے چند امور ضروری ہیں:

پہلا امر:

اگر ممکن ہو تو کافر ملک کی بجائے پہلے کسی ایسے مسلم ملک کی طرف جائے جہاں پر آزادی ہو۔

دوسرا امر:

اگر ممکن نہ ہو تو پھر بلاد کفر میں سے کسی ایسے ملک کی طرف جائے جہاں پر دینی اعمال انجام دینے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

سوال: مباح اور مکروہ امور میں حاکم وقت کی اطاعت کیسے کی جائے؟

جواب: مکروہ مباح ہی کی ایک قسم ہے، جو حرام تک نہ پہونچے، اسکے ارتکاب میں کوئی مانع نہیں ہے البتہ بوقت ضرورت ہے۔

سوال: کچھ امور میں اختلاف ہوتا ہے بایں طور کہ اسے کچھ علماء حرام کہتے ہیں اور کچھ علماء مباح کہتے ہیں لیکن حاکم وقت اسی مباح مان کر نظام لاتا ہے ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب: اگر وہ چیز کتاب وسنت کے صریح مخالف ہے تو ایسی صورت میں اسکی اطاعت نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی ایسا امر ہے جس میں کتاب کتاب وسنت کی صریح مخالفت نظر نہ آتی ہو تو پھر اسکی اطاعت کی جائے گی، یعنی ہم اس امر کو کسی کے عمل یا قول سے موازنہ نہیں کریں گے بلکہ کتاب وسنت پر پرکھیں گے اگر وہ موافق ہے تو اطاعت کریں گے اور اگر مخالف ہے تو چھوڑ دیں گے، اور اگر نہ مخالفت ظاہر ہو اور نہ ہی موافقت تو ایسی صورت میں توقف اختیار کریں گے، اسکے لئے یہی قاعدہ ہے اور یہ ہر زمانے اور ہر جگہ کیلئے ہے۔

سوال: کیا انکار منکر صرف علماء کیلئے خاص ہے یا طلبہ بھی یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں؟

جواب: اس کے تفصیل حدیث کے اندر وارد ہوئی ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ، قَبْلَ الصَّلَاةِ، مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ ".

ترجمہ: طارق بن شہاب سے روایت ہے، سب سے پہلے جس نے عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ شروع کیا، وہ مروان تھا (حکم کا بیٹا جو خلفائے بنی امیہ میں سے پہلا خلیفہ ہے) اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے۔ مروان نے کہا: یہ بات موقوف کر دی گئی۔ سیدنا ابوسعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے تو اپنا حق ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار رہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے۔" (صحیح مسلم: ۴۹)۔

پتہ چلا کہ انکار منکر کے مراتب ہیں:

اگر آدمی کے پاس طاقت اور علم دونوں ہے تو اس منکر کو ہاتھ سے مٹا دے۔

اگر طاعت نہیں صرف علم ہے تو اس پر زبان سے نکیر کرے اور نصیحت کرے۔

اور اگر طاعت اور علم دونوں نہ ہو تو پھر اس منکر کو دل میں برا سمجھے اور اس منکر اور منکر کی جگہ سے دور رہے۔

سوال: ایک طالب چاہتا ہے کہ وہ اپنے پرفتن ملک سے یہاں مملکت سعودی عرب کی طرف ہجرت کر لے جبکہ اس کے ملک کے لوگوں اسکی ضرورت ہے؟

جواب: اگر اسکی ضرورت وہ محسوس کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں وہیں پر رہنا زیادہ بہتر ہے، انہیں کے بیچ میں رہ کر انہیں صحیح دین کی دعوت دے۔

سوال: اس پرفتن ماحول میں کہ ٹی وی چینلز کھولے تو وہاں بھی نیم عریاں عورتوں کو دیکھے اور باہر

سڑکوں پر آئے تو یہاں بھی نیم عریاں عورتوں کو دیکھے ایسے میں ایک مسلم نوجوان خواآپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: میں اسے نصیحت کروں گا کہ وہ اس ٹی وی کو نہ دیکھے جس میں فتنے کی چیزیں ہیں، اور جب سڑکوں پر آئے اور نیم عریاں عورتوں کو دیکھے تو نظریں نیچی کرلے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ) ترجمہ: مومن مردوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔(النور: ۳۰)۔

اس طرح وہ دونوں فتنوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

سوال: بعض اہل بدعت ویب سائٹس اور سوشل میڈیا کے ذریعے یہاں کی حکومت اور علماء پر لعن طعن کرتے ہیں، اس پر آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: بلاشبہ اس طرح کے گمراہی کے داعی ہر دور میں پائے گئے ہیں، اس میں بندوں کی آزمائش ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ) ترجمہ: تاکہ جو ہلاک ہو واضح دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے واضح دلیل سے زندہ رہے اور بے شک اللہ یقیناً سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(الانفال: ۴۲)۔

ایسے گمراہی کے داعی ہر جگہ ہوتے ہیں، سوشل میڈیا ہو یا کوئی دوسرا پلیٹ فارم۔

اور یہ معلوم رہے کہ جو مسلمانوں کو گالی دے گا ان پر لعن طعن کرے گا بطور خاص ہم علماء پر تو ہم صرف اسکے باطل کو ایکسپوز کریں گے اور سوشل میڈیا ہی پر ہم اسکا جواب دیں گے، چنانچہ جو لوگ جواب دینا

جانتے ہوں وہی انکے پلیٹ فارم پر جائیں دوسرے لوگ اس سے دور رہیں۔

سوال: اہل سنت والجماعہ کا دعوی ہے کہ یہ کتاب وسنت کی اتباع کرتے ہیں جبکہ دیگر فرقوں کا بھی یہی دعوی ہے کہ وہ کتاب وسنت کی اتباع کرتے ہیں، دونوں کے اتباع میں کیا فرق ہے؟

جواب: اعتبار دعوی کا نہیں ہوگا، بلکہ اعتبار حقیقت کا ہوگا بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک کے دعوی اور کلام کو کتاب وسنت کے معیار پر جانچ کرو، جس کا کلام کتاب وسنت کے موافق ہوگا اسکا کلام حق ہوگا اور جس کا مخالف ہوگا اسکا باطل ہوگا، کیوں کہ اگر دونوں فریق دعوی کریں کہ وہ حق پر ہیں تو ایسا نہیں ہوگا بلکہ ان میں کوئی ایک ہی حق پر ہوگا، اور دوسرا باطل پر جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ) ترجمہ: سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ہے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟ (یونس: ۳۲)۔

ہمارے پاس میزان ہے جسے ہم کتاب وسنت کہتے ہیں، ہم دونوں طرف کی باتوں کو اسی پر جانچتے ہیں اور علماء کے اقوال وآراء کو انہیں دونوں معیار پر پیش کرتے ہیں یہ اہل علم کا کام ہے لیکن جو اہل علم نہیں ہیں وہ اہل علم سے رجوع کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: سو ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم شروع سے نہیں جانتے۔ (النحل: ۴۳)۔

سوال: ذرائع ابلاغ میں کچھ لکھتے ہیں کہ ہم بھی کتاب وسنت کی اتباع کرتے ہیں مگر اسے سمجھنے کیلئے تم اپنے فہم پر مجبور نہیں کر سکتے، تم اپنے حساب سے سمجھتے ہو اور میں اپنے حساب سے سمجھتے ہیں؟

جواب: ہم کہیں گے کہ ہم آپ کو اپنے فہم پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ اس مفہوم اور دلالت پر مجبور کرتے ہیں جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں، شخصیات سے ہٹ کر آپ میری اور اپنی رائے کتب وسنت پر

پیش کریں، جسکی رائے کتاب وسنت کے موافق ہو وہی حق ہے، اور جو مخالف ہو وہ باطل ہے۔

سوال: میں ایک نوجوان ہوں، جہاد کیلئے میں نے والدین سے اجازت لے لی ہے، آپ مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب: جہاد حاکم وقت کی نگرانی اور اسکے علم کے تحت ہوگا کسی فرقے یا جماعت کے تحت نہیں، اگر آپ حسکن وقت کی مخالفت کر کے نکل رہے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے، گرچہ آپ کے والدین اجازت دے دیں، ممکن ہے والدین کو اس بارے میں جانکاری نہ ہو، کیونکہ والدین کی اجازت کے ساتھ حاکم وقت کی اجازت ضروری ہے۔

سوال: کیا حاکم وقت کو نصیحت پر کوئی کرسکتا ہے اسکی کیا شکل ہوگی؟

جواب: حاکم وقت کو نصیحت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی جس چیز کی نصیحت کرنے والا ہو اسکی اچھی طرح جانکاری رکھتا ہو اور نصیحت کرنے کا بہتر اسلوب بھی جانتا ہو، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ) ترجمہ: اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ (طہ: ۴۴)۔

اور جہاں غیر عالم کی بات ہے تو وہ عامی نصیحت کرے گا کسی غلطی پر ٹوکنے کیلئے نصیحت نہیں کرے گا، اسکے لئے عالم کی ضرورت ہے۔

سوال: میں بینک گیا تھا ویزا کارڈ نکالنے کیلئے، بینک والوں نے کہا کہ یہ شرعی کمیٹی کی جانب سے اجازت شدہ ہے، لیکن مجھے بعد میں پتہ چلا کہ یہ اجازت شدہ نہیں ہے بلکہ سودی بینک ہے، اب میں اس

کارڈ کو واپس نہیں کرسکتا کیونکہ اتنا پیسہ فی الحال میرے پاس نہیں ہے، اب میں کیا کروں؟

جواب: ضروری تھا کہ آپ یہ کام کرنے سے پہلے اہل علم سے پوچھ لیتے، مگر اب اس وقت صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس بینک کسی بھی طرح چھٹکارا حاصل کرو، اگر یہ معلوم ہے کہ وہ سودی بینک ہے اور سود حرام ہے۔

سوال: ایک آدمی رقیہ کرتا ہے، جب کوئی مریض آتا ہے تو اس سے کچھ اذکار وادعیہ پڑھنے اور اسماء حسنی کے دہرانے کیلئے کہتا ہے، مثلاً اگر کوئی آنکھ کا مریض ہے تو اسے البصیر دہرانے کیلئے کہتا ہے اور اگر کوئی کان کا مریض ہے تو السمیع دہرانے کا حکم دیتا ہے؟

جواب: رقیہ کی یہ صورت نہیں ہے، اسکے لئے راقی قرآن سے فاتحہ مریض پر پڑھ کر پھونکتا ہے، اسکے علاوہ سورہ اخلاص، معوذتین اور دیگر آیات پڑھ کر مریض کے اوپر بیماری کی جگہ پھونکتا ہے، یہی رقیہ ہے، مریض کو کہا جائے کہ یہ کرو وہ کرو، یہ پڑھو وہ پڑھو اسکی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی اسے رقیہ کہتے ہیں۔

سوال: میں ایک کمپنی میں سیلز مین ہوں، کمپنی سامان کو چین سے خریدتی ہے، اور جب سامان آتا ہے تو مجھے کچھ متعین مقدار میں پیسہ ملتا ہے کیا یہ میرے لئے جائز ہے؟

جواب: اگر آپ کمپنی میں نوکری کرتے ہیں اور باہر سے مال آتا ہے اور آپ اسکی ثالثی کرتے ہیں اور یہی آپ کا اصل کام ہے، لہذا اس پر الگ سے پیسہ لینا جائز نہیں ہے، یہ رشوت ہوگا جو کہ حرام ہے۔

سوال: ان کمپنیوں کا کیا حکم ہے جو اپنے سیلز مین سے کہتی ہیں کہ اگر کمپنی کچھ پیسہ دے تو اسے لے

لو؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، کوئی کمپنی رشوت کو جائز نہیں ٹھہرا سکتی۔

سوال: آپ نے کہا ہے کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں ہوتی ہے جبکہ کچھ لوگ اس کیلئے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: (نعمت البدعۃ تلک)؟

جواب: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس جملے سے کیا مراد لیا ہے؟ دراصل لوگ تراویح کیلئے ایک امام پر جمع ہو گئے تھے اور امام کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنا سنت ہے بدعت نہیں، اس طرح یہاں وہ بدعت مراد نہیں ہے جو مذموم ہے (اور شریعت میں ہر بدعت مذموم ہے) بلکہ لغوی مراد ہے یعنی یہ کیا ہی اچھا عمل ہے۔

سوال: غصے کی حالت میں میں نے کلمہ کفر کہہ دیا ہے والعیاذ باللہ، اب میں کیا کروں؟

جواب: اگر بلا سوچے غصے کی حالت میں یہ جملہ نکل گیا ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ وہ اس وقت غیر مکلف تھا، اس لئے کہ شدید غضبناکی کی حالت میں آدمی نہیں سمجھ پاتا کہ کیا کہہ رہا ہے وہ دراصل اسکے اختیار سے نہیں بلکہ غلبہ غضب سے نکلتا ہے، بہر صورت استغفار کر لیا جائے، یہی بہتر ہے۔

سوال: میرے اوپر قرضہ ہے اور میرے پاس نصاب بھر مال بھی ہے، تو کیا میں پہلے قرضہ ادا کروں یا زکاۃ نکالوں؟

جواب: اگر مال پر ایک سال گزر گیا اور قرض ادا نہیں کیا تو پھر اس مال کا زکاۃ پہلے ادا کرے گا، لیکن اگر سال پورا ہونے سے قبل قرضہ دے دیا ہے تو اس مال (یعنی قرضے میں دیئے گئے مال) پر

زکاۃ نہیں ہے، چنانچہ بہتر یہی ہے کہ سال پورا ہونے سے قبل ہی پہلے قرضہ ادا کر دے پھر اگر اتنا مال ہے کہ اس میں زکاۃ واجب ہے تو زکاۃ ادا کرے۔

سوال: وہ حدیث جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے، اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں جھاڑ پھونک نہ کرنے کا بھی ذکر ہے، کیا یہ روایت صحیح ہے؟

جواب: جھاڑ پھونک نہ کرنے والی روایت صحیح نہیں ہے بلکہ جھاڑ پھونک نہ کروانے والی روایت صحیح ہے۔

اور اس کا چھوڑ دینا اولی بتایا گیا ہے کیونکہ اس میں انسان ایک مخلوق کا محتاج ہوتا ہے جبکہ اسے چھوڑ دیتا ہے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے، اسلئے انسان سے بلا ضرورت کوئی چیز طلب کرنا مکروہ عمل ہے، مزید اس میں ذلت بھی ہے۔

سوال: اطباء سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر زیادہ ضرورت نہ ہو تو نہ جانا ہی بہتر ہے لیکن اگر اطباء سے علاج کرائے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ علاج کرانا مباح ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ ".

ترجمہ: سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ نے بیماری اور دوا (علاج) دونوں اتارا ہے اور ہر بیماری کی ایک دوا پیدا کی ہے لہٰذا تم دوا کرو لیکن حرام سے دوا نہ کرو“۔ (سنن ابی داود: ۳۸۷۴)۔

سوال: ہم ہر سال جدہ آتے ہیں اور وہاں پر دو ماہ ٹھہرتے ہیں، وہاں رہ کر مکہ، طائف اور جدہ میں آنا جانا رہتا ہے، یہاں پر ہماری نماز کیسے ہوگی، کیا ہم جمع بین الصلوات کر سکتے ہیں؟

جواب: اگر ایسی ہو جہاں مسجد ہو اور اذان سنائی دے تو پھر مسجد میں باجماعت پوری نماز پڑھو گے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ، قَالُوا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ، لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اذان کی آواز سنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے اسے کوئی عذر مانع نہ ہو (لوگوں نے عرض کیا: عذر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: خوف یا بیماری) تو اس کی نماز جو اس نے پڑھی قبول نہ ہوگی“۔(سنن ابی داود: ۵۵۱)۔

لیکن اگر وہاں کوئی مسجد نہ ہو اور چار دن یا اس سے کم ٹھہر رہے ہو تو ایسی صورت میں جمع اور قصر دونوں کر سکتے ہیں، کیونکہ سفر منقطع نہیں ہوا ہے، لیکن اگر چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہے تو پھر جمع اور قصر نہیں ہے، اسلئے کہ مقیم کے حکم میں ہو گئے اور اب سفر منقطع ہو گیا، اور اگر طائف جاتے ہو تو صرف سفر کے دوران راستے میں جمع اور قصر کر سکتے ہیں۔

سوال: ابھی حالیہ سالوں میں یہ رواج نکل پڑا ہے کہ ٹی وی پر شعراء کا مسابقہ ہوتا ہے اسکے لئے ووٹنگ ہوتی اور پھر اسی بنیاد پر انعامات دیئے جاتے ہیں، لوگ اپنے اپنے قبیلے کے شاعر کو ووٹنگ کرتے ہیں، اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ حسب نسب اور قبیلے پر فخر کرنے کے قبیل سے آئے گا جو کہ جاہلی شعار ہے اس سے قبائل کے مابین فتنہ جنم لیں گے اس سے اسلام میں منع کیا گیا ہے، مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور جو مال انعامات کے طور پر دیئے جاتے ہیں یہ جائز نہیں ہیں، یہ باطل طریقے سے مال کا کھانا ہے۔

سوال: اگر کوئی ماں کی خوشی اور رضا حاصل کرنے کیلئے اس کا قدم چومے تو اسکا کیا حکم ہے؟
جواب: اسکے لئے وہ اپنی ماں کا سر اور پیشانی چومے۔

سوال: ایک شخص اسلامی فورم چلاتا ہے، جہاں مرد و خواتین کا اختلاط ہے اسکا کیا حکم ہے؟
جواب: اگر وہ اسلامی ہے تو اسلام مرد و زن کے اختلاط سے روکتا ہے، اسلئے اس سے بچنا چاہئے۔

سوال: میرے ملک میں چھ ماہ کے بعد قبر کھود کر اسکے بقایاجات نکال دیتے ہیں، ہمارے رشتے داروں میں کسی کی ماں کا انتقال ہوا تو اس کی قبر میں میت کے اوپر سمنٹ کا ایک پرت چھت بنا دیا گیا تا کہ اسے کھودا نہ جا سکے، اس کا کیا حکم ہے؟
جواب: قبر کا کھودنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا نکالنا جائز ہے بلکہ یہ ظلم ہے، ہاں اگر کوئی بہت بڑی ضرورت پیش آجائے تو اسے وہاں سے دوسری محفوظ جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے، لہٰذا میت کو نکال کر اس کی قبر میں دوسرے کو رکھنا بالکل جائز نہیں ہے کیونکہ وہ قبر پہلے کا حق ہے اسے نکالنا ظلم ہے۔

سوال: میں ایک یتیم لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا میں اس فضیلت میں شامل ہوں گا جو اس حدیث میں وارد ہوئی ہے: (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں ہوں گے)؟

جواب: وہ لڑکی اگر بالغ ہو چکی ہے تو پھر اسے یتیم نہیں کہیں گے، یتیمی بلوغت سے پہلے تک ہوتی ہے، ویسے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اسکے سرپرستوں کی اجازت سے شادی ہو۔

سوال: رمضان کے مہینے میں بہت سارے ٹی وی چینلز پر مختلف مذاحیہ اور دلچسپ پروگرام دکھائے جاتے ہیں جس میں لوگ پڑ کر مشغول ہو جاتے ہیں، اس تعلق سے آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: یہ اس مبارک ماہ کی بے حرمتی اور مسلمانوں کے ساتھ سازش ہے، اگر یہ ٹی وی چینلز مسلمانوں کے ہیں تو پھر ایسے پروگرام رمضان میں بالکل درست نہیں ہیں، کیونکہ یہ عبادت اور دیگر بارے کے کاموں سے مشغول رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کو نصیحت کرنی چاہیئے اور ذمیداران تک انکی شکایت کرنی چاہیئے، لیکن اگر یہ کام غیر مسلموں کا ہے تو پھر آپ یہ کر سکتے ہیں کہ ان چینلوں کو نہ کھولیں، بلکہ رمضان میں ٹی وی سے بالکل دور رہیں۔



۸۹-صدقہ فطر اور زکاۃ
اور اس سے متعلق ان غلطیوں کا بیان جن کا لوگ عموما ارتکاب کرتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

چند ایام بعد پوری دنیا کے مسلمان ماہ مبارک رمضان کا استقبال کرنے والے ہیں، جو مغفرت اور رحمت کا بہار بن کر سایہ فگن ہے، وہ مہینہ جس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، سرکش شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے، تاکہ اس ماہ میں مسلمان آزادی کے ساتھ نیک اعمال کریں اور گناہوں سے پاکی حاصل کریں، یہ بندوں پر اللہ کی بہت بڑی رحمت، اس کا لطف وکرم اور احسان ہے۔

پیارے ساتھیو! ماہ رمضان ایک عظیم مہینہ اور کریم موسم ہے، ایک حقیقی مسلمان حصول دنیا میں اس قدر خوش نہیں ہوتا جتنی خوشی اسے اس عظیم موسم کے آنے سے ہوتی ہے، اس کے قیمتی اور مبارک ایام وساعات کو پانے کیلئے وہ بے قرار ہوتا ہے تاکہ ان ایام میں اپنی آخرت سنوار لے۔

اس فانی دنیا میں ایک مومن کا یہی نصب العین ہوتا ہے، اسے یہاں پوری دنیا مل جائے اسکی تمام خوشیاں میسر ہوجائیں پھر بھی وہ انہیں زوال پذیر پونجی سمجھتا ہے، وہ ذخیرہ اور غنیمت صرف نیکیوں کو سمجھتا ہے جن کی توفیق اسے اللہ کی طرف سے مل جائے اور موسم خیرات میں وہ انہیں حاصل کرلے جائے اور اپنی زندگی کے تمام لمحات کو اللہ کی اطاعت میں گزاردے۔

جن چند ایام کے بعد ہم ایک عظیم ماہ کا استقبال کرنے والے ہیں اسکی خوشخبری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو پہلے ہی دیتے تھے، اور اس عظیم ماہ میں انہیں نیکیوں کے کرنے پر ابھارتے تھے۔

سو ہم بھی اس مبارک ماہ کی آمد پر اللہ کا شکر بجا لائیں، اور دعا کریں اللہ تعالی اس سے ہمیں زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

بہت سارے مسلمان عموما اسی مبارک ماہ میں زکاۃ نکالتے ہیں اس ماہ کی برکت اور اجر کے بڑھنے کی امید میں، یہ ایک اچھی چیز ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ اسے قبول فرمائے، لیکن یہ خیال رہے کہ مال کے تزکیہ سے قبل اپنی ذات اور بدن کا تزکیہ کریں پھر اپنے مال کا بھی تزکیہ کریں۔

* زکاۃ النفس:

نفس انسانی اور ذات کا تزکیہ اللہ کی اطاعت کرنے اور معاصی کے ترک کرنے سے ہوتی ہے، زکاۃ طہارت کو کہتے ہیں، اور طہارت کے معانی میں سے ہے کہ بندہ اپنی ذات کو گناہوں سے پاک کرلے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا [7] فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا [8] قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا [9] وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا) ترجمہ: اور نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا! [7] پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی۔ [8] یقیناوہ کامیاب ہوگیا جس نے اسے پاک کرلیا۔ [9] اور یقینا وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے مٹی میں دبا دیا۔ (الشمس: ۱۰)۔

چنانچہ جس نے اعمال صالحہ کے ذریعے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور توبہ کے ذریعے گناہوں کو مٹالیا

یقیناوہی کامیاب ہے،لیکن جس نے اپنی ذات کو لذات وشہوات میں ضائع کر دیا وہی ناکام ہے۔

سو جس نے اپنی ذات کو اللہ کی اطاعت اور اسکی مرضی کے کاموں میں لگا دیا اور محرمات اور اللہ کی ناراضگی سے دور رہا اسی نے حقیقت میں اپنی ذات کا حقیقی تزکیہ کیا اور طاعت کے ذریعے گناہوں سے پاک کیا اور نیکیوں میں اضافہ کیا اسلئے کہ تزکیہ اور زکاۃ میں نمو اور اضافے کا بھی معنی پایا جاتا ہے،سو اگر اسکی نیکیاں بڑھ رہی ہیں تو گویا یہ تزکیہ ہے۔

تزکیہ ذات کے تعلق ہی سے یک حدیث آئی ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: لَا أَقُولُ لَكُمْ إِلَّا كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، كَانَ يَقُولُ: " اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا. اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا ".

ترجمہ: سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم سے وہی کہوں گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ” (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا) یا اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری عاجزی اور سستی اور نامردی اور بخیلی اور بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے، یا اللہ! میرے نفس کو تقویٰ دے اور پاک کر دے اس کو، تو اس کا بہتر پاک کرنے والا ہے، تو اس کا آقا اور مولیٰ ہے، یا اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس علم سے جو فائدہ نہ دے اور اس دل سے جو تیرے سامنے نہ جھکے اور اس جی جو آسودہ نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو۔“

(صحیح مسلم: ۲۷۲۲)۔

لیکن جو شخص اپنی تعریف کرے اور جھوٹ کے ذریعے اپنا تزکیہ کرے، تو ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ) ترجمہ: وہ تمھیں زیادہ جاننے والا ہے جب اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔ سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون بچا۔ (النجم: ۳۲)۔

یعنی نہ ہی اپنی تعریف کرو اور نہ ہی اپنے اعمال پر فخر کرو، ان چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے، بلکہ اپنی ذات کا تزکیہ نیک اعمال سے کرو اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، کیوں کہ حقیقت میں آپ کی ذات کا تزکیہ اسی نے کیا ہے کیوں کہ اسی کی توفیق سے آپ نے نیک اعمال کئے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا) ترجمہ: کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے، کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔ (النساء: ۴۹)۔

اسلئے ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اعمال صالحہ کے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کرے، فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کر کے اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں کو انجام دیکر، اسی سے نفس کا تزکیہ ہوگا، جھوٹی تعریف اور خود پسندی باطل تزکیہ ہے، اور ایسا شخص خائب و خاسر ہے، کیونکہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون کتنا پاکیزہ نفس ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: (فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ) ترجمہ: سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون بچا۔ (النجم: ۳۲)۔

اسی طرح ایک انسان کو اپنے نیک اعمال پر بھی فخر نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی ان پر اترانا چاہئے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ وہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوئے بھی ہیں کہ نہیں، ان کے اندر اخلاص تھا کہ

نہیں۔

اسی لئے ضروری ہے کہ ایک انسان اپنے کو کوتاہ اور کم تر سمجھے اور اللہ سے قبولیت اعمال کی دعا کرتے رہے کیونکہ اللہ صرف مخلص لوگوں کے اعمال کو قبول کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ) ترجمہ: اور ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر کی تلاوت حق کے ساتھ کر، جب ان دونوں نے کچھ قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قبول کرلی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھے ضرور ہی قتل کردوں گا۔ اس نے کہا بے شک اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔(المائدہ:۲۹)۔

یہی تزکیہ نفس ہے۔

زکاۃ البدن:

دوسری قسم: تزکیہ بدن:

اور یہ تزکیہ رمضان المبارک کے روزہ کے بعد صدقہ فطر سے ہوتا ہے، اسی لئے یہ صدقہ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ مالدار ہو یا غریب، مرد ہو کہ عورت، آزاد ہو کہ غلام، اسلئے کہ اس سے بدن کا تزکیہ ہوتا ہے، یہ وہ بدن ہے جو اللہ کا عطیہ ہے جسے مختلف اعضاء و جوارح سے عجیب و غریب ترکیب اور خوبصورت ترکیب کے ساتھ تشکیل کیا ہے، جو تزکیہ کا محتاج ہے، اور صدقہ فطر اسی بدن کا تزکیہ ہے، اور یہ کھانے سے ایک صاع کی مقدار میں ادا کیا جاتا ہے، جو کہ ہر مسلمان پر فرض ہے، رمضان کے آخر میں ادا کیا جاتا ہے، اسلئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسکا خاص اہتمام کریں اور پاک وحلال مال سے ادا کریں اور جو فقراء ومساکین

ہوں ان میں تقسیم کر دیں۔

زکاۃ المال:

تیسری قسم: زکاۃ المال:

یہ زکاۃ مالداروں پر واجب ہے جن کے پاس نصاب تک پہنچے ہوئے یا اس سے زیادہ مال و دولت ہوتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ [24] لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ) ترجمہ: اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حصہ ہے۔ [24] سوال کرنے والے کے لیے اور (اس کے لیے) جسے نہیں دیا جاتا۔ (المعارج: ۲۵)۔

مال کی زکاۃ ارکان اسلام میں سے تیسرا ایک اہم رکن ہے، اللہ نے اسے قرآن کریم کے اندر متعدد جگہوں پر نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، چنانچہ آپ دیکھیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں بھی نماز کا ذکر آتا ہے اسکے ساتھ زکاۃ کا بھی ذکر آتا ہے، اور یہ اسکی اہمیت اور فائدے کی وجہ سے ہے، اور اسکا فائدہ مال کی پاکی اور اس میں اضافہ ہونا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) ترجمہ: ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا اور ان کے لیے دعا کر، بے شک تیری دعا ان کے لیے باعث سکون ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۳)۔

گویا یہ بوجھ نہیں بلکہ ایک مومن کیلئے غنیمت ہے، جب کہ منافق کیلئے بوجھ ہے، کیوں کہ وہ اسے غنیمت نہیں سمجھتا، ارشاد باری تعالی ہے: (الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ [97] وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ [98] وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: بدوی لوگ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور زیادہ لائق ہیں کہ وہ حدیں نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ [97] اور بدویوں میں سے کچھ وہ ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر (زمانے کے) چکروں کا انتظار کرتے ہیں، برا چکر انھی پر ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ [98] اور بدویوں میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قربتوں اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سن لو! بے شک وہ ان کے لیے قرب کا ذریعہ ہے، عنقریب اللہ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۳)۔

چنانچہ ایک مومن زکاۃ ادا کرنے پر خوش ہوتا ہے، دل سے مطمئن رہتا ہے، کیونکہ وہ اسے اپنی ذات، عمل اور مال کے لئے اسے باعث پاکی سمجھتا ہے اور اس پر عند اللہ بھی اجر وثواب کی امید رکھتا ہے۔

مجرد مال کی ادائیگی مراد نہیں ہے زکاۃ سے بلکہ یہ اعتقاد رکھنا مراد ہے کہ یہ اسلام کا ایک رکن ہے، باعث خیر و برکت اور ذات، مال اور عمل کی پاکیزگی کا بہر بڑا سبب ہے، اسلئے وہ اس کی ادائیگی کو ضروری سمجھتا ہے تا کہ وہ اس سے متوقع فوائد حاصل کر سکے۔

اس لئے ایک مسلمان پر ضروری ہے کہ اگر وہ صاحب نصاب ہے تو زکاۃ ادا کرے اور انہیں اصناف میں ادا کرے جن کا حکم اللہ نے قرآن کریم کے اندر دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّمَا

الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ)

ترجمہ: صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں)۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(التوبہ:٦٠)۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زکاۃ مذکورہ پانچوں اصناف میں دینا ضروری ہے، بلکہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی دے دیا تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر فقراء ومساکین کو دے دیا تو بھی ادا ہو جائے گی۔

انکے علاوہ جو مسلمانوں کیلئے بڑے بڑے کام ہوتے، بلا تفریق لوگوں کی مصلحت کوئی کام ہو جیسے مسجد، مدرسہ اور اسپتال بنانا تو اس میں زکاۃ نہیں دے سکتے بلکہ ایسے کام مسلمانوں کے عام چندوں، عام صدقات اور امداد سے کیا جائے گا۔

یہ مذکورہ زکاۃ کے مصارف اور اصناف تھے اگر آپ نے ان میں سے کسی کو نہ دیکر دوسرے کو دے دیا تو کافی نہیں ہوگا اور نہ ہی آپ ذمہ سے بری ہوں گے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ مال کو شمار کر کے رکھا جائے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں زکاۃ نہ نکالا جا سکے۔ کیونکہ اس میں ظن وتخمینہ نہیں حساب کی ضرورت ہے، اسے شمار کر کے زکاۃ نکالا جائے گا، اور ہر قسم کے اندر شرعی مقدار میں نکالا جائے گا۔ اگر دینار و درہم ہے تو اس میں ربع عشر اور زمین سے نکلنے والی ان چیزوں میں جنہیں محنت اور سینچائی کے ذریعے پیدا کیا گیا ہو تو ان میں نصف عشر اور اگر بغیر محنت اور سینچائی کے پیدا کیا گیا ہو تو اس میں عشر نکالا جائے گا، اور اگر مویشی چوپائے ہیں تو ان میں بھی اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار متعین کردیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن أنس، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ هَذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ، "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَالَّتِي أَمَرَ اللَّهُ بِهَا رَسُولَهُ، فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا، وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِي أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُونَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ إِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثَى فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ أُنْثَى، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْجَمَلِ، فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَسِتِّينَ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ يَعْنِي سِتًّا وَسَبْعِينَ إِلَى تِسْعِينَ فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْجَمَلِ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ مِنَ الْإِبِلِ فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ فَفِيهَا شَاةٌ وَفِي صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِي سَائِمَتِهَا إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ شَاةٌ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ إِلَى مِائَتَيْنِ شَاتَانِ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ، فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ أَرْبَعِينَ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا وَفِي الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعُشْرِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعِينَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا".

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں بحرین (کا حاکم بنا کر) بھیجا تو ان کو یہ پروانہ لکھ دیا۔ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ زکوٰۃ کا وہ فریضہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے فرض قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔ اس لیے جو شخص مسلمانوں سے اس پروانہ کے مطابق زکوٰۃ مانگے تو مسلمانوں کو اسے دے دینا چاہیے اور اگر کوئی اس سے زیادہ مانگے تو ہرگز نہ دے۔ چوبیس یا اس سے کم اونٹوں میں ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری دینی ہو گی۔ (پانچ سے کم میں کچھ نہیں) لیکن جب اونٹوں کی تعداد پچیس تک پہنچ جائے تو پچیس سے پینتیس تک ایک ایک برس کی اونٹنی واجب ہو گی جو مادہ ہوتی ہے۔ جب اونٹ کی تعداد چھتیس تک پہنچ جائے (تو چھتیس سے) پینتالیس تک دو برس کی مادہ واجب ہو گی۔ جب تعداد چھیالیس تک پہنچ جائے (تو چھیالیس سے) ساٹھ تک میں تین برس کی اونٹنی واجب ہو گی جو جفتی کے قابل ہوتی ہے۔ جب تعداد اکسٹھ تک پہنچ جائے (تو اکسٹھ سے) پچھتر تک چار برس کی مادہ واجب ہو گی۔ جب تعداد چھہتر تک پہنچ جائے (تو چھہتر سے) نوے تک دو دو برس کی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی۔ جب تعداد اکیانوے تک پہنچ جائے تو (اکیانوے سے) ایک سو بیس تک تین تین برس کی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی جو جفتی کے قابل ہوں۔ پھر ایک سو بیس سے بھی تعداد آگے بڑھ جائے تو ہر چالیس پر دو برس کی اونٹنی واجب ہو گی اور ہر پچاس پر ایک تین برس کی۔ اور اگر کسی کے پاس چار اونٹ سے زیادہ نہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی مگر جب ان کا مالک اپنی خوشی سے کچھ دے اور ان بکریوں کی زکوٰۃ جو (سال کے اکثر حصے جنگل یا میدان وغیرہ میں) چر کر گزارتی ہیں اگر ان کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی ہو تو (چالیس سے) ایک سو بیس تک ایک بکری واجب ہو گی اور جب ایک سو بیس سے تعداد بڑھ جائے (تو ایک سو بیس سے) سے دو سو تک دو بکریاں واجب ہوں گی۔ اگر دو سو سے بھی تعداد بڑھ جائے تو (تو دو سو سے) تین سو تک تین بکریاں واجب ہوں گی اور جب تین سو سے بھی تعداد آگے

نکل جائے تو اب ہر ایک سو پر ایک بکری واجب ہو گی۔ اگر کسی شخص کی چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی مگر اپنی خوشی سے مالک کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ اور چاندی میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ واجب ہو گی لیکن اگر کسی کے پاس ایک سو نوے (درہم) سے زیادہ نہیں ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی مگر خوشی سے کچھ اگر مالک دینا چاہیے تو اور بات ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۴۵۴)۔

اسلئے ان امور کا جاننا آپ کیلئے ضروری ہے تاکہ زکاۃ نکالنے میں آسانی ہو، اور اسے مشروع طریقے سے نکال سکیں۔

انکے علاوہ اگر آپ کے پاس سامان تجارت ہے جسے آپ نے خرید و فروخت کیلئے رکھا ہوا ہے، تو سال کے آخر میں بروقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے اسکی قیمت لگائی جائے گی پھر اس سے تخمینہ شدہ پیسے میں ربع عشر (چالیسواں حصہ) نکالا جائے گا۔

اور زکاۃ نکالتے وقت یہ احساس ہو کہ یہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے، اللہ نے اسے قرآن میں نماز کے ساتھ متعدد بار ذکر کیا ہے، اسی لئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو زکاۃ نہیں دیں گے، چنانچہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکاۃ دینے سے انکار کر دیا لہٰذا آپ نے ان مانعین زکاۃ سے جہاد کیا اور ان سے قتال کیلئے کئی فوج بھیجی، پھر ان سے قتال کیا گیا یہاں تک کہ وہ اسلام کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔

مانع زکاۃ کا حکم:

اگر کوئی زکاۃ دینے سے انکار کرے تو دیکھا جائے گا اگر وہ زکاۃ کی فرضیت کا منکر ہے تو ایسی صورت میں وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا، لیکن اگر بخالت کی وجہ سے انکار کر رہا ہے تو ایسی صورت میں اس سے حاکم وقت جبراً زکاۃ لے گا، کیونکہ وہ فقراء ومساکین کا حق ہے، اور یہ واجبی حق ہے، لیکن اگر اس سے جبراً بھی نہیں لیا جاسکتا بایں طور کہ اسکے پاس فوج اور ہتھیار کی طاقت ہو تو ایسی صورت میں اس سے قتال کیا جائے گا جس طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکاۃ سے قتال کیا تھا۔ اس سے دین اسلام کے اندر زکاۃ کی اہمیت اور اسکے مقام ومرتبے کا پتہ چلتا ہے۔

وہ غلطیاں جن کا بعض روزے دار ارتکاب کرتے ہیں:

ماہ رمضان میں بہت سارے لوگوں کی طرف سے غلطیاں واقع ہوتی ہیں، لیکن جنہیں اللہ توفیق دیتا ہے وہ بعد میں بھی اعمال صالحہ کی پابندی کرتے ہیں، فقراء ومساکین کے ساتھ احسان کرتے ہیں، اور یہ اسی شخص کو نصیب ہوتا ہے جو ماہ رمضان کی قدر وقیمت اور اسکے واجبات کو جانتا ہے۔

جبکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ رمضان کیلئے تیاری خوب کرتے ہیں مگر وہ تیاری کھانے پینے اور آرام سے متعلق ہوتی ہے، روزہ اصل مقصود نہیں ہوتا، جبکہ ایک مسلمان کے نزدیک اصل روزہ ہے، ماہ رمضان میں وہ کھانا پینا کم کر دیتا ہے، تاکہ عبادت، قیام اللیل اور ذکر واذکار کیلئے نشیط اور متحرک رہے، کیونکہ زیادہ کھانا بدن کو سست بنا دیتا ہے انسان عبادات سے کاہل ہو جاتا ہے، اسلئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ کھانے پینے پر زیادہ زور نہ دے کہ اپنا زیادہ تر وقت کھانے پینے اور آرام وآسائش کی چیزیں خریدنے میں گنوا دے، کیونکہ یہ ماہ کھانے پینے اور شہوات وخواہشات پوری کرنے کیلئے نہیں ہے، بلکہ یہ روزے کا مہینہ ہے جس میں نہ تو کھایا پیا جاتا ہے اور نہ ہی دنیاوی امور میں زیادہ مشغول ہوا جاتا ہے۔

اس چیز سے آگاہی ضروری ہے کیونکہ بہت سے لوگ ماہ رمضان کو کھانے پینے اورسونے کا مہینہ سمجھتے ہیں، دن بھرسوئیں گے اوررات بھرجاگیں گے اورکہیں گے میں روزے سے ہوں، یہاں تک کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھتا بلکہ دن کے آخری پہر میں یا افطار کے وقت اٹھے گا اور پوری نمازیں قضا کرلے گا، یہ بہت بڑا خسارہ ہے، اس ماہ مبارک میں مطلوب تو یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ طاعت کے کاموں کو انجام دے مگر یہ فرائض تک کو ضائع کررہا ہے، سونے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ وہ فرائض سے غافل ہوجائے، ذکرواذکاراورتلاوت کلام پاک کی یاد نہ رہ جائے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ سونے کیلئے وقت مقرر کرلے اور اطاعت کے کاموں کیلئے باقی اوقات فارغ کرلے۔ اگرکوئی ایسا کرتاہےتو وہی توفیق یافتہ بندہ ہے۔

اس سے بھی بری حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ماہ رمضان کے آتے ہی ٹی وی چینلز اورسوشل میڈیا پر اطاعت کے کاموں سے حاصل کرنے والے پروگرام نشر کرنے یا دیکھنے کی تیاری میں لگ جاتے ہیں، اس مہینے کی حرمت آخر کہاں چلی جاتی ہے؟! آخر یہ لوگ اپنے شروروفتن کو صرف اپنے ہی حدتک محدود کیوں نہیں رکھتے، یہ دیگر مسلمانوں کیلئے بھی مصیبت اور گناہوں کا سبب کیوں بنتے ہیں؟!

اسلئے مسلمانوں پرضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے اور ایسے پروگراموں سے آگاہ رہیں، اور اپنے قیمتی اوقات کو ان بیہودہ پروگراموں کے دیکھنے میں ضائع نہ کریں، جو لوگوں کو ذکرالہی سے غافل کرنے والی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا) ترجمہ: اوراس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اورجس کا کام حد سے گزرچکا ہے۔ (الکھف: ۲۸)۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو نیکیوں سے محروم رکھا اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ محروم کردیا، اس طرح یہ دوسروں کیلئے برا نمونہ بن گئے ان مثال ان لوگوں کی ہے جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور

بیہودہ پروگراموں کے ذریعے ماہ مبارک کی حرمتوں کو پامال کرتے ہیں، اور لوگوں کو اطاعت کے کاموں سے مشغول رکھتے ہیں۔

اسی طرح روزے کے احکام سے بھی واقف رہنا ضروری ہے، جن کا بہت سارے لوگ خیال نہیں رکھتے، بایں سحری بہت جلدی کھالیتے ہیں، یعنی دیر تک جاگتے ہیں اور جب سونا چاہتے ہیں تو پیٹ بھر کر سو جاتے ہیں اس طرح سحری کے وقت سے پہلے ہی کھالیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہوجائے، پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔ (البقرہ: ۱۸۷)۔

چنانچہ آداب سحری میں سے یہ ہیکہ اسے تاخیر کر کے کھایا جائے یعنی فجر سے بالکل تھوڑا پہلے۔

اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو طلوع فجر کے بعد بھی سحری کھالیتے ہیں اور بیوی سے جماع بھی کرلیتے ہیں، جبکہ فجر طلوع ہو چکا ہوتا ہے، ایسی صورت میں روزہ باطل ہو جاتا ہے، اسلئے کہ اس نے وہ روزہ نہیں رکھا جسکا اللہ نے حکم دیا ہے، اس لئے کہ طلوع فجر کے بعد کھانا پینا اور جماع ممنوع ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) ترجمہ: اب ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمھارے لیے لکھا ہے اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے، پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔ (البقرہ: ۱۸۷)۔

اسلئے ضروری ہے کہ ہم سنت پر عمل کرتے ہوئے سحری میں تاخیر ضرور کریں مگر طلوع فجر سے قبل ہی سحری کرلیں، کیونکہ یہ سحری روزے کے لئے باعث تقویت ہوتی ہے لیکن اگر سحری بہت پہلے کھالیں

گے تو یہ مصلحت پوری نہیں ہوگی، اور ساتھ ہی سنت کے خلاف بھی ہوگا۔

یہاں پر ایک مسئلے پر تنبیہ ضروری ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں کے سحری کرنے کا اعتبار نہ کرو کیونکہ ابھی طلوع فجر نہیں ہوا ہے، اس طرح وہ طلوع فجر کے بعد بھی کھاتے ہیں اور ممکن ہے بیویوں سے جماع بھی کرتے ہوں، جبکہ شذوذ اور مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت ہے۔کیا سارے لوگ غلط ہیں اور یہی ایک بندہ یا چندے بندے حق پر ہیں، دراصل یہ کچھ متعالم کم علم والے ہوتے ہیں جن کا کام ہی مسلمانوں کو شک میم مبتلا کرنا ہوتا ہے، یہ لوگوں کو بیس منٹ تاخیر میں سحری کراتے ہیں، ایسے لوگوں سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح روزے کے آداب میں سے غروب آفتاب کے وقت افطار میں جلدی کرنا بھی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے، پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔ (البقرہ: ۱۸۷)۔

اور اسلئے بھی کہ رات غروب آفتاب ہی سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا، وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا، وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ ".

ترجمہ: عاصم بن عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب رات اس طرف (مشرق) سے آئے اور دن ادھر مغرب میں چلا جائے کہ سورج

ڈوب جائے تو روزہ کے افطار کا وقت آ گیا۔(صحیح بخاری: ۱۹۵۴)۔

مگر اہل بدعت افطار کو موخر کر کے تاریکی میں کرتے ہیں یہاں تک کہ ستارے دکھائی دینے لگیں، جبکہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن ابی ھریرة، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: قال الله عز وجل: "احب عبادی إلی اعجلھم فطرا".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عز وجل فرماتا ہے: مجھے میرے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو افطار میں جلدی کرنے والے ہیں"۔(سنن ترمذی: ۷۰۰)۔

اس طرح یہ سنت کی مخالفت کرتے ہیں جبکہ ایک مسلمان سنت کا پابند ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہیکہ جس کے بارے میں اکثر سوال کرتے ہیں کہ کچھ لوگ روزے کی حالت میں بیویوں سے بہت قریب رہتے ہیں، یہاں تک کہ جماع بھی کر بیٹھتے ہیں جب کہ روزے دار کیلئے جماع ممنوع ہے، اس لئے ضروری ہیکہ شہوت اور جماع کے سارے اسباب سے دوری اختیار کیا جائے تا کہ وہ بیوہ کو نظر شہوت سے نہ دیکھے، اور نہ ہی بوسہ دے اور نہ اسکے بدن سے لپٹے۔ اسلئے کہ یہ سب جماع تک لے جانے والے مقدمات ہیں، ان سے دور رہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں اپنی بیویوں کا بوسہ لیتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر قابو بھی رکھتے تھے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ:" كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ"۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہوتے لیکن

(اپنی ازواج کے ساتھ بوسہ لینا ومباشرت (اپنے جسم سے لگا لینا) بھی کر لیتے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے زیادہ اپنی خواہشات پر قابو رکھنے والے تھے۔(صحیح بخاری: ۱۹۲۷)۔

اسلئے اگر کوئی ایسا ہے جو اپنی شہوت پر قابو رکھ لے تو اسکے لئے جائز ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کھانے پینے اور جماع سے تو دور رہتے ہیں مگر معنوی امور سے دور نہیں رہتے جیسے کہ جھوٹ بولنا، غیبت اور چغلی کرنا اور گالی گلوج بکنا، جبکہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ". قَالَ أَحْمَدُ: أَفْهَمَنِي رَجُلٌ إِسْنَادَهُ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بات کرنا اور فریب کرنا اور جہالت کی باتوں کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔احمد بن یونس نے کہا یہ حدیث میں نے سنی تو تھی مگر میں اس کی سند بھول گیا تھا جو مجھ کو ایک شخص (ابن ابی ذئب) نے بتلا دی۔(صحیح بخاری: ۶۰۵۷)۔

اسلئے ضروری ہے کہ جس طرح کھقنے پینے اور جماع سے روزہ ہے اسی طرح غیبت، چغلی اور گالی گلوج سے بھی روزہ رہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي صَالِحٍ الزَّيَّاتِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللَّهُ:" كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ،

لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ".

ترجمہ: ابوصالح نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ انسان کا ہر نیک عمل خود اسی کے لیے ہے مگر روزہ کہ وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ گناہوں کی ایک ڈھال ہے، اگر کوئی روزے سے ہو تو اسے فحش گوئی نہ کرنی چاہئے اور نہ شور مچائے، اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا لڑنا چاہے تو اس کا جواب صرف یہ ہو کہ میں ایک روزہ دار آدمی ہوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہے، روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی (ایک تو جب) وہ افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور (دوسرے) جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے کا ثواب پا کر خوش ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۱۹۰۴)۔

اسلئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ ان مخل چیزوں سے دور رہ کر اطاعت کے کاموں میں وقت گزارے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ ایک روزے دار حرام چیزوں کے سننے سے دور رہے، غیبت، چغلی اور گانا میوزک سننے سے اجتناب کرے، بلکہ لہو ولعب کے تمام امور سے دور رہے۔

اسی طرح ایک روزے دار اپنی نگاہوں کو بھی حرام چیزوں سے دور رکھے، بے پردہ عورتوں کی طرف نہ دیکھے خواہ وہ بازاروں اور سڑکوں پر ہوں یا ٹی وی چینلز پر، ایک مسلمان ان چیزوں سے ہمیشہ کلی طور پر اجتناب کرے بطور خاص ماہ رمضان میں، چنانچہ وہ اپنی زبان اور نظر کو محفوظ رکھے۔

ایک روزے دار کو چاہئے کہ اسے اپنے روزہ کو مقبول بنانے کیلئے ہر وہ کام کرے جس سے اسکا رب خوش ہو جائے اور اس کا روزہ قبول کرلے ورنہ صرف بھوکا رہنے سے وئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ اس

حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو اپنے روزے سے بھوک کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوتا، اور بہت سے رات میں قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کو اپنے قیام سے جاگنے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا"۔(سنن ابن ماجہ: ۱۶۹۰)۔

(یعنی ان کو روزہ اور عبادت کا نور حاصل نہیں ہوتا، اور نہ اس میں لذت و برکت ہوتی ہے بلکہ صوم و صلاۃ ان پر ایک بوجھ اور تکلیف ہے، دن میں بھوکا رہنا اور رات کو جاگنا بس اسی کو وہ کافی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، اگر آداب و شروط کے مطابق عبادت کریں تو وہ قبول ہوگی اور اس سے نور و لذت کی نعمت بھی حاصل ہوگی، اور اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ صوم وصلاۃ کا مقصد صرف بھوکا رہنا اور جاگنا نہیں ہے، افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسے لوگ بہت ہو گئے ہیں جو صوم وصلاۃ کو ظاہری طور سے ادا کر لیتے ہیں، اور خضوع و خشوع مطلق حاصل نہیں کرتے، اگر چہ عوام کے لئے یہ بھی کافی ہے، اور امید ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے قبول کرلے۔مترجم)۔

لہذا ایک مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت اور وفرمانبرادی کرے، فرائض کی پابندی اور محرمات سے اجتناب کرے، خواہ وہ رمضان ہو یا غیر رمضان، کیونکہ بعض لوگ ماہ رمضان میں خوب پابندی کرتے ہیں مگر رمضان کے بعد لا پرواہی کا شکار ہو جاتے ہیں، اس طرح وہ رمضان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ انکی نیت میں یہ ہوتا ہے کہ وہ جیسے ہی رمضان سے نکلیں گے پھر دوبارہ ویسے ہی لاپرواہ ہو جائیں گے، جبکہ یہ صحیح نہیں ہے، اللہ کی اطاعت اور بندی کرتے دم تک کرنا ہے ارشاد باری

تعالی ہے: (وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَأۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ) ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کر، یہاں تک کہ تیرے پاس یقین آجائے۔ (الحجر: ۹۹)۔

کیونکہ ایک انسان کا عمل موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

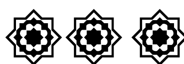
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ، إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب مر جاتا ہے آدمی تو اس کا عمل موقوف ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ کا۔ دوسرے علم کا جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ تیسرے نیک بخت بچے کا جو دعا کرے اس کے لیے۔" (صحیح مسلم: ۱۶۳۱)۔

اسی طرح ضروری ہے کہ ہم اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کریں، ارشاد باری تعالی ہے: (ذٰلِكَ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ) ترجمہ: یہ اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے۔ (الحج: ۳۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (ذٰلِكَ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ) ترجمہ: یہ اور جو اللہ کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یقینا یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ (الحج: ۳۲)۔

ان حرمتوں کی تعظیم رمضان اور غیر رمضان ہمیشہ کرنا ضروری ہے، دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو خیر و بھلائی اور نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: ہمارے ملک الجزائر میں لوگ مالکی مذہب کی پیروی کرتے ہیں مگر زکاۃ الفطر کی ادائیگی میں حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہوئے نقد دینے کو جائز کہتے ہیں، اس تعلق سے آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: صدقہ فطر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل واضح کردیا ہے کہ گیہوں، جو، کھجور، کشمش اور پنیر میں سے کسی ایک سے ایک صاع دینا ہے، اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عام غذا یہی تھا، بعد میں انکی جگہ کھانے پینے کی دوسری چیزیں آگئی ہیں اسلئے اب انہیں میں سے نکالا جائے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ الْعَامِرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ:" كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ".

ترجمہ: عیاض بن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری نے بیان کیا کہ انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم فطرہ کی زکوٰۃ ایک صاع اناج یا گیہوں یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع زبیب (خشک انگور یا انجیر) نکالا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۵۰۶)۔

پتہ چلا کہ علاقے میں جو غذا کھانے کے طور پر مستعمل ہے اسی سے نکالا جائے گا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد نکالنے کا حکم نہیں دیا ہے، حالانکہ اس وقت بھی نقد پایا جاتا تھا، چنانچہ جب نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے کھانے والی چیزوں کا حکم دیا تو ہم اسی کے پابند ہوں گے، فلاں نے کیا فتوی دیا ہے ہم اس کے پابند نہیں ہیں اگر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہو۔

سوال: میں صدقہ فطر نقد نکالتا ہوں اور میرے والد غلہ نکالتے ہیں، کیا ہم دونوں کا عمل صحیح ہے؟

جواب: آپ کے والد صحیح ہیں، اگر وہ غلہ سے ایک صاع نکالتے ہیں جو کہ تقریبا تین کلو ہوتا ہے۔

سوال: ہم لوگ رمضان کا روزہ سعودیہ کے حساب سے رکھتے ہیں، اس لئے کہ ماہ رمضان کیلئے جو ہلال کمیٹی بنائی گئی ہے ہمیں اس پر بھروسہ نہیں ہے؟

جواب: ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ روزہ رکھے ان سے الگ نہ رہے۔

سوال: تراویح کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں عشاء کی سنت بعدیہ کی نیت سے داخل ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عشاء کی سنت بعدیہ رواتب میں سے ہے، پہلے اسے پڑھ لے پھر تراویح کی نماز پڑھے، راتب کو تراویح کا بدل نہ بنائے، اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ تراویح کی نماز عشاء کے فرض اور سنت راتبہ کے بعد پڑھی جائے گی۔

سوال: ماہ رمضان عبادات کا موسم ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس ماہ مبارک کیلئے کوئی منہج بتائیں تا کہ

اسی منہج پر چل کر میں اس ماہ کو گزاروں؟

جواب: منہج بالکل واضح ہے، سب سے پہلے فرائض کا اہتمام کریں، تلاوت قرآن کثرت سے کریں، ذکرواذکار اور استغفار و توبہ کرتے رہیں۔

سوال: ہمیں معلوم ہیکہ زکاۃ اس وقت واجب ہوتا ہے جب مال پر ایک سال گذر جائے لیکن لوگ جان بوجھ کر رمضان میں نکالتے ہیں جس سے فقراء کا نقصان ہوتا ہے، کیا رمضان میں نکلنے سے اجر میں اضافہ ہوتا ہے؟

جواب: زکاۃ اسکے وقت پر نکالا جائے گا، رمضان ہو یا غیر رمضان، اگر رمضان سے پہلے ہی حولان حول پورا ہو جائے تو رمضان کا انتظار نہیں کیا جائے گا، بطور خاص اگر وہاں کے فقراء ضرورت مند زیادہ ہوں۔

سوال: فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟

جواب: اگر دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جائے تو ایسی صورت میں فقیر اس شخص کو کہیں گے جسکے پاس کچھ نہ ہو یا تھوڑا سا ہو، جبکہ مسکین اس سے بہتر حال میں ہو، لیکن جب الگ الگ دونوں کا ذکر آئے تو ایک ہی معنی میں دونوں شامل ہوتے ہیں۔

سوال: میرے پاس مال ہے جس پر سال گزر چکا ہے اور نصاب کو بھی پہونچ چکا ہے، میں نے اسے شادی کرنے کیلئے جمع کیا تھا، کیا اس پر زکاۃ ہے؟ اور اگر اس میں کچھ زیادہ ملا دوں تو کیا اس میں بھی زکاۃ ہو گا؟

جواب: اگر سال گزر جائے اور نصاب کو بھی پہونچ چکا ہے تو اس میں زکاۃ ہے، خواہ اسے خرچ کرنے کیلئے جمع کیا ہو یا شادی کیلئے، یا کسی دوسرے چیز کیلئے، اور اگر اس میں کچھ نیا مال ملا دیا ہے تو اس اگر پرانے مال کے ساتھ اس میں بھی نکال دیتے ہیں تو اچھی بات ہے اور اگر اسے الگ رکھتے ہو اور سال کے بعد نکالتے ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: ایک شخص کو اس کے والد نے صدقہ فطر دیا نکالنے کیلئے لیکن وہ بھول گیا یہاں تک کہ عید کی نماز پڑھ لی پھر نکالا، کیا یہ کافی ہوگا؟

جواب: کافی ہوگا، مگر عام صدقات کی طرح ہوگا، کیونکہ اسکا نکالنا ہر حال میں ضروری ہے، اگر عید کی نماز کے بعد نکالا ہے تو یہ ادا نہیں قضا ہوگا، اور اگر جان بوجھ کر لیٹ کیا ہے تو گنہگار ہوگا، اور اگر بھول گیا ہے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

سوال: زکاۃ المال سعودی ریال میں کتنا بنے گا؟

جواب: چاندی یے تو دوسو درہم، برابر ۵۶ /سعودی ریال، بہرحال یہ گھٹتا بڑھتا ہے، اسلئے صرافہ مارکٹ میں پوچھ کر نکالنا بہتر ہے۔

سوال: سامان تجارت میں زکاۃ نکالتے وقت بروقت قیمت کا اعتبار کریں گے یا اس وقت کا جب اس سامان کو خریدا تھا؟

جواب: بروقت قیمت کا اعتبار کریں، خواہ وہ خریدی گئی قیمت سے کم ہو یا زیادہ۔

سوال: اذان کے دوران کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر فجر کیلئے اذان ہو رہی ہو تو اس دوران کھانا پینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر پہلی اذان ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، ثُمَّ قَالَ: وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ ".

ترجمہ: سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال تو رات رہے اذان دیتے ہیں۔ اس لیے تم لوگ کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ راوی نے کہا کہ وہ نابینا تھے اور اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک ان سے کہا نہ جاتا کہ صبح ہو گئی۔ صبح ہو گئی۔ (صحیح بخاری: ۶۱۷)۔

سوال: ایک شخص نے زمین خریدی ہے، اسے مال کی ضرورت ہے اسلئے وہ اس زمین کو فروخت کرنا چاہتا ہے، کیا اس پر زکاۃ ہے جبکہ اس پر کئی سال ذر چکے ہیں؟

جواب: اگر اس نے فروخت کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو یہ سامان تجارت جیسا ہوگا اس میں زکاۃ واجب ہے، ہر سال قیمت نکال کر نکالنا ہوگا۔

سوال: تلاوت قرآن کیا رات میں کرے یا رات میں سونے اور نمازوں کے بعد کیا کرے؟

جواب: دن رات جب بھی اسے میسر ہو، ویسے رات کی تلاوت افضل ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام رمضان کی رات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا دورہ کراتے تھے۔

سوال: کیا تراویح کی نماز میں مصحف سے قراءت کرنا جائز ہے؟

جواب: اگر کسی کو یاد نہ ہو تو دیکھ کر پڑھ سکتا ہے، بعض سلف سے ایسا ثابت ہے۔(المغنی لابن قدامہ:۲/ ۲۸۰)۔

سوال: میرے پاس تیس اونٹ ہیں، اس سال ربیع کے موسم میں دو ماہ تک چارہ نہیں دیا یوں، لیکن دو ماہ کے بعد چارہ دینا شروع کر دیا ہوں، جو تقریبا روزانہ پچاس ریال پڑتا ہے، کیا اس میں زکاۃ ہے؟

جواب: اونٹ گائے بکری میں زکاۃ از وقت ہے جب وہ چرتے ہوں پورے سال یا سال کے اکثر ایام، لیکن اگر انہیں باندھ کر چارہ دیا جاتا ہو تو اس میں زکاۃ نہیں ہے۔

سوال: میں مؤذن ہوں، میں بھی علمی پروگراموں میں جانا چاہتا ہوں، کیا اذان ترک کر کے جا سکتا ھوں؟

جواب: اذان نہ چھوڑیں مگر یہ کہ اپنی جگہ کسی کو رکھ دیں، اور بہتر یہ ہیکہ پروگرام میں حاضری دیں اور جب اذان کا وقت قریب ہو تو پروگرام چھوڑ کر چلا جائے اور وقت پر اذان دے۔

سوال: اگر مؤذن کو دوران اذان چھینک آجائے تو کیا وہ پہلے الحمدللہ کہے پھر اذان کو پورا کرے؟

جواب: کوئی حرج نہیں ہے، اللہ کا ذکر کرنے سے اذان مانع نہیں ہے۔

سوال: کیا لڑکے کے عقیقہ کو دو حصوں میں تقسیم کرنا جائز ہے بایں طور کہ ایک حصہ مساکین کیلئے

خاص کردے اور دوسرا حصہ ولیمہ کیلئے؟

جواب: کوئی حرج نہیں ہے اور اگر پورا ولیمہ کیلئے خاص کردے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور اگر پورا صدقہ کردے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: حرمت والے مہینے کون ہیں اور ان میں شکار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: حرمت والے مہینے چار ہیں: رجب، ذو القعدہ، ذو الحجہ اور محرم۔ ان مہینوں میں قتال کرنا حرام ہے، لیکن علماء کا اختلاف ہے کہ یہ قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہوگئی ہے یا یہ حکم اب بھی باقی ہے، ظاہر یہی لگتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے، کیونکہ اللہ نے بعد میں مطلق جہاد کا حکم دیا ہے، اور یہ حکم ابتداء میں تھا، اور جہاں تک شکار کرنے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، شکار کرنا صرف دو حالت میں حرام ہے:

پہلی حالت: حالت احرام میں۔

دوسری حالت: جب وہ حرم میں ہو۔

ان دونوں حالتوں کے علاوہ جائز ہے۔

سوال: میرے چار بیٹے ہیں، سب کی شادی ہوگئی ہے، پہلے تینوں نے میری زمین میں گھر بنالیا ہے اور چوتھے نے پرانے گھر کی مرمت کرائی ہے، کیا میں چوتھے کو اپنا گھر دے سکتا ھوں جبکہ سارے بچے راضی ہیں، اور اگر جائز نہیں ہے تو چوتھے نے جو ترمیم کرائی ہے اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: اولاد کے درمیان عطیہ دینے میں عدل ومساوات ضروری ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ:" أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هَذَا، قَالَ: لَا، قَالَ: فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، قَالَ: فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ".

ترجمہ: عامر سے مروی ہے کہ میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دیا، تو عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا (نعمان کی والدہ) نے کہا کہ جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ نہ بنائیں میں راضی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ (حاضر خدمت ہو کر) انہوں نے عرض کیا کہ عمرہ بنت رواحہ سے اپنے بیٹے کو میں نے ایک عطیہ دیا تو انہوں نے کہا کہ پہلے میں آپ کو اس پر گواہ بنالوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اسی جیسا عطیہ تم نے اپنی تمام اولاد کو دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کو قائم رکھو۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے اور ہدیہ واپس لے لیا۔ (صحیح بخاری: ۲۵۸۷)۔

صحیح یہی ہے کہ چوتھے نے جو ترمیم کرائی ہے وہ اپنے پیسے کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور پھر سب کو برابر برابر دینا ہوگا۔

سوال: کیا وہ لڑکا جو ابھی پیٹ میں ہے اسکی طرف سے صدقہ فطر نکالنا پڑے گا؟

جواب: یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

سوال: مجھے ایک شخص نے پیسہ دیا اپنے والد کی طرف سے حج کرنے کیلئے اور کہا کہ کوئی بھی حج کر لینا مگر بکری ضرور ذبح کرنا،لیکن میں نے بکری ذبح نہیں کی ہے،کیا یہ حج صحیح ہوگا؟

جواب: اگر اس نے شرط لگائی تھی تو یہ تم پر واجب ہے،اس پر فدیہ دینا پڑے گا۔

سوال: بچی کے قے ءکا کیا حکم ہے جس نے کھانا کھانا شروع کردیا ہے؟

جواب: بچی ہو یا بچہ دونوں کے قئ میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ نجس ہے کیونکہ یہ معدے سے نکلتا ہے، کپڑے یا بدن پر پڑے تو اسے دھلا جائے گا۔

سوال: لغو قسم اور منعقد قسم میں کیا فرق ہے؟

جواب: لغو قسم وہ قسم ہے جو بلا قصد و ارادہ کے نکل جائے، اور منعقد قسم وہ قسم ہے جو قصد و ارادے کے ساتھ کھائی جائے، ارشاد باری تعالی ہے:(لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) ترجمہ: اللہ تم سے تمھاری قسموں میں لغو پر مؤاخذہ نہیں کرتا اور لیکن تم سے اس پر مؤاخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے قسمیں کھائیں۔تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، درمیانے درجے کا، جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انھیں کپڑے پہنانا، یا ایک گردن آزاد کرنا، پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم شکر کرو۔(المائدہ :

۸۹)۔

سوال: ایک شخص نے پہاڑ پر ایک جانور کا شکار کیا، پھر وہ جانور نیچے گر کر مر گیا اسے نہیں پتہ چلا کہ وہ گرنے کی وجہ سے مرا ہے یا شکار کرنے کی وجہ سے، وہ کیا کرے؟

جواب: اسے نہ کھائے کیونکہ وہ مشتبہ اور مشکوک ہو گیا ہے، اگر اسے مردہ حالت میں پائے تو نہ کھائے الا یہ کہ زندہ ہو تو اسے ذبح کر کے کھالے۔

سوال: کیا ڈیوٹی کے اوقات میں صرف فرائض پڑھ لیں یا نوافل بھی پڑھیں؟

جواب: نوافل اور تلاوت کلام پاک وغیرہ مستحب عبادات ہیں، اگر انکی وجہ سے ڈیوٹی پر اثر پڑتا ہو تو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ مستحب ہے اور کام واجب ہے، اور جہاں تک سنن رواتب کی بات ہے تو انہیں فرائض کے ساتھ ادا کرے گا۔



۹۰- طالب علم کے آداب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

طلب علم پہلا فریضہ ہے جو بندے پر عمل سے پہلے واجب ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے :(فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ) ترجمہ: سو (اے نبی!) آپ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی، اللہ تم لوگوں کی آمد ورفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔(محمد:۱۰)۔

امام بخاری نے اپنی کتاب میں (باب العلم قبل القول والعمل) کے نام سے باب باندھا ہے پھر مذکورہ آیت کو نقل کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی نے قول وعمل سے پہلے علم کا ذکر کیا ہے، کیونکہ علم ہی وہ اساس ہے جس پر قول وعمل کی بنیاد رکھی جاتی ہے، اسلئے کہ عمل بغیر علم کے گمراہی ہے، جس طرح کہ علم بھی بغیر عمل کے گمراہی ہے۔

اللہ تعالی نے سورہ فاتحہ کے آخر میں اپنے بندوں کو تعلیم دیتے کہا:(اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ [6]صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔[6] ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔(الفاتحہ:۷)۔

اللہ کے انعام یافتہ بندے وہ ہیں جنہوں نے علم نافع اور عمل صالح دونوں کو جمع کرلیا ہے، اور اللہ کے غضب یافتہ بندے وہ ہیں جنہوں نے علم کو حاصل کیا مگر عمل کو ترک کردیا، اور گمراہ بندے وہ ہیں جنہوں نے عمل کیا اور علم کو ترک کردیا۔

آپ اللہ تعالی سے نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھتے وقت یہ سوال کرتے ہیں کی وہ آپ کو اس سیدھی راہ پر چلائے جس پر اسکے انعام یافتہ بندے چلتے رہے ہیں، نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے، اور یہ کہ غضب یافتہ لوگوں کی راہ سے دور رکھے جس سے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو علم تو حاصل کرتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے، اور اسی طرح گمراہوں کی راہ سے دور رکھے، جس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عمل تو کرتے ہیں مگر علم نہیں رکھتے۔

مگر اللہ نے اپنے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق اور ہدایت کے ساتھ بھیجا ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ) ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تا کہ اسے ہر دین پر غالب کردے، خواہ مشرک لوگ برا جائیں۔(التوبہ: ۳۳)۔

یہاں ہدایت سے مراد علم نافع اور دین حق سے مراد عمل صالح ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے، اسی لئے اللہ تعالی نے بندوں کو طلب علم اور دین میں تفقہ حاصل کرنے پر ابھارا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ) ترجمہ: اور ممکن نہیں کہ مومن سب کے سب نکل جائیں، سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تا کہ وہ بچ جائیں۔(التوبہ: ۱۲۲)۔

اس آیت میں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ کچھ لوگ طلب علم کیلئے نکلیں اور جہاں بھی علم کا گھوارہ ملے وہاں جا کر علم دین حاصل کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پائیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ".

ترجمہ: ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں، ان سے حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے معاویہ سے سنا۔ وہ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آ جائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔ (صحیح بخاری: ۷۱)۔

یہ اللہ کا ان لوگوں پر احسان ہے جو اللہ کے راستے میں نکل کر علم فین سیکھتے ہیں اور پھر اپنے علاقے میں واپس آ کر علم وبصیرت کے ساتھ انہیں دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔

انہیں کامیاب لوگوں کے بارے میں حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ "۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو علم حاصل

کرنے کے ارادہ سے کہیں جائے، تو اللہ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان (وہموار) کر دیتا ہے“ (سنن ترمذی:۲۶۴۶)۔

(اس حدیث سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ علم کے حصول کے لیے سفر کرنا مستحب ہے، موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ساتھ علم حاصل کرنے کے لیے سفر کیا، اور عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کے علم کے لیے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مہینہ کا سفر طے کیا، علماء سلف حدیث کی طلب میں دور دراز کا سفر کرتے تھے، اگر خلوص نیت کے ساتھ علم شرعی کے حصول کی کوشش کی جائے تو اللہ رب العالمین جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ مترجم)

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ كَثِيرٍ، قَالَ: قَدِمَ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ وَهُوَ بِدِمَشْقَ ,فَقَالَ: مَا أَقْدَمَكَ يَا أَخِي؟ فَقَالَ: حَدِيثٌ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَمَا جِئْتَ لِحَاجَةٍ؟، قَالَ: لَا، قَالَ: أَمَا قَدِمْتَ لِتِجَارَةٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: مَا جِئْتُ إِلَّا فِي طَلَبِ هَذَا الْحَدِيثِ؟ قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضَاءً لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ بِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ"۔

ترجمہ: قیس بن کثیر کہتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ سے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق آیا،

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میرے بھائی! تمہیں یہاں کیا چیز لے کر آئی ہے، اس نے کہا: مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں، ابوالدرداء نے کہا: کیا تم کسی اور ضرورت سے تو نہیں آئے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: کیا تم تجارت کی غرض سے تو نہیں آئے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں تو صرف اس حدیث کی طلب و تلاش میں آیا ہوں، ابو الدرداء نے کہا: (اچھا تو سنو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص علم دین کی تلاش میں کسی راستہ پر چلے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اسے جنت کے راستہ پر لگا دیتا ہے۔ بیشک فرشتے طالب (علم) کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں، اور عالم کے لیے آسمان و زمین کی ساری مخلوقات مغفرت طلب کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر، بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے۔ اس لیے جس نے اس علم کو حاصل کر لیا، اس نے (علم نبوی اور وراثت نبوی سے) پورا پورا حصہ لیا“۔ (سنن ترمذی: ۲۶۸۲)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علماء و محدثین بہت بڑی فضیلت کے حامل ہیں، حصول علم کے لیے دور دراز کا سفر درکار ہے، یہ سفر خالص علم دین کی نیت سے ہو کوئی دنیوی غرض اس کے ساتھ شامل نہ ہو، علم دین حاصل کرنے والے کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے، کائنات کی ساری مخلوق اس کے لیے مغفرت طلب کرتی ہیں، علماء انبیاء کے حقیقی وارث ہیں۔

لہذا معلوم ہونا چاہئے کہ علم کو بغیر محنت کے حاصل نہیں کیا جاسکتا، یہ کسی الہام یا خواب سے نہیں ملتا جیسا کہ اہل تصوف کا دعوی ہے، اسکے لئے محنت، لگن اور صبر کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اس علم کو صرف کتابوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی کم علم متعالمین سے جنہیں علوم دین میں تفقہ حاصل نہیں ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ وہ کتابوں کو پڑھ کر کچھ نصوص یاد کر لیتے ہیں، معانی اور

علوم کی گہرائی انہیں حاصل نہیں ہوتی ہے، کیونکہ وہ اہل علم سے اسے حاصل نہیں کرتے ہیں، اور اسی لئے یہ فائدہ نہ کرکے نقصان کا باعث بن رہے ہیں، اسلئے کہ علوم دین تجرباتی نہیں متوارث علم ہے اسے علمائے دین ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ تاقیامت نسلا بعد نسل اسے اہل علم ہی سے حاصل کیا جائے گا۔ اور اہم اصول تعلیم میں سے ہے کہ اس علم کو معروف علمائے ربانیین سے حاصل کیا جائے جنہوں نے اسے اپنے جیسے معروف علمائے ربانیین سے حاصل کیا ہو، پھر ان کے طلبہ بھی اسی طرح ہے بعد دیگرے نسلا بعد نسل تا قیامت ایک دوسرے کو علوم دین سے آراستہ کرتے رہیں گے۔ اسی لئے اصول تعلیم میں علماء دین سے تعلیم حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا بھی شامل ہے جسے علوم دین کی دنیا میں (رحلۃ للعلم) سے جانا جاتا ہے، اسی طریقے پر چلنے والوں کیلئے حدیث میں خوش خبری وارد ہوئی ہے کہ (جو شخص علم دین کی تلاش میں کسی راستہ پر چلے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اسے جنت کے راستہ پر لگا دیتا ہے۔ بیشک فرشتے طالب (علم) کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں، اور عالم کے لیے آسمان و زمین کی ساری مخلوقات مغفرت طلب کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی)۔

اسی طرح اہم اصول تعلیم میں سے یہ بھی ہے کہ اسے اوپر سے نہیں بلکہ سب سے پہلے بنیادی چیزیں حاصل کی جاتی ہیں، پھر دھیرے دھیرے اوپر کی طرف جاتے ہیں، چنانچہ علماء کے ہاتھوں پر فن میں لکھی گئی مختصر کتابوں کو پڑھتے ہیں، مطول کتابوں سے ابتدا نہیں کرتے، اور نہ ہی اختلافی مسائل سے ابتداء کرتے ہیں بلکہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتے ہیں۔

اسی طرح اصول تعلیم میں سے یہ بھی ہے کہ طالب علم صرف ایک ہی فن پر اکتفا نہ کرے مثلا وہ صرف فن فقہ یا فن حدیث یا فن تفسیر ہی پر سکتا نہ کرے، بلکہ اختصار کے ساتھ ساتھ فنون کو سیکھے، کیونکہ دینی علوم ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔

اسلئے طلب علم جو چاہئے کہ تہ قرآن کو پہلے یاد کرے کیونکہ کتاب اللہ ہی ساری چیزوں کی بنیاد ہے، قرآن کی تفسیر پڑھے تاکہ آیات کا مفہوم سمجھ سکے، اسے خود سے مطالعہ نہ کرے بلکہ اہل علم پر پڑھے بطور خاص جو فن تفسیر میں ماہر ہوں۔

پھر اسکے بعد حدیث بھی پڑھے؛ اسے یاد بھی کرے اور معروف ماہرین فن حدیث سے سیکھے بھی۔

پھر اسکے بعد فقہ اور اصول فقہ بھی پڑھے تاکہ کتاب وسنت سے شرعی احکام کس مستنبط کر سکے۔

اسی طرح عربی قواعد بھی پڑھے، اسکے لئے نحو وصرف میں معروف کتابیں پڑھے، کیونکہ قرآن کریم عربی زبان ہی میں نازل ہوا ہے، آیات واحادیث سمجھنے کیلئے عربی زبان کا سمجھنا ضروری ہے اور اسکے لئے عتیخ قواعد وضوابط کا سیکھنا ضروری ہے، تاکہ کتاب وسنت میں لسانی غلطیوں سے محفوظ رہ سکیں اور انکے معانی کو اچھی سمجھ سکیں، اسی طرح ہر فن کو اسکے اصول کے ساتھ سیکھنا ضروری ہے۔

چنانچہ حدیث کو مصطلح الحدیث کے ساتھ تاکہ حدیث کی صحت اور ضعف کے اصول کا پتہ چلے، اسی طرح فقہ کے ساتھ وصول فقہ بھی، اسی طرح تفسیر کے ساتھ اصول تفسیر بھی نیز عربی قواعد بھی تاکہ سارے علوم کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

یہ سب علوم کی چابیاں ہیں، اور علوم کو انہیں کی زبان میں سیکھا جائے گا نہ کہ دوسری زبانوں میں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ) ترجمہ: اور نیکی ہرگز یہ نہیں کہ گھروں میں ان کی پچھلی طرفوں سے آؤ اور بلکہ نیکی اس کی ہے جو بچے۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (البقرہ:۱۸۹)۔

چنانچہ ہر علم کا ایک باب ہوتا ہے ہم اسی سے داخل ہوں گے، اور یہ ابواب ان علوم کے مختصرات ہیں، یعنی ان علوم پہ لکھی گئی عرتخ زبان میں مختصر کتابیں، جنہیں طلبہ کیلئے لکھا گیا ہے تاکہ وہ انہیں سمجھ کر

یاد کرلیں، پھر انکی شرح کی جائے گی ماہرین فن کے ذریعے، اور یہ سارے علوم ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اسلئے تمام علوم کا سیکھنا طالب علم کیلئے ضروری ہے۔

اور یہ پڑھائی یا تو مدارس اور جامعات میں کرے گا جہاں پر باقاعدہ مدرسین کلاس روم میں پڑھاتے ہیں، وہاں پر نصاب تعلیم ہوتا ہے جسکی روشنی پورے سال پڑھائی ہوتی ہے، یا یک پڑھائی مساجد کے اندر ماہرین فن کے ہاتھوں علمی حلقوں میں کرے گا، یا پھر خصوصی علمی دوروں میں بھی کرسکتا ہے۔

اور علوم دین خفیہ طور پر کہیں بلکہ علانیہ حاصل کیا جاتا ہے، اسے شہروں سے دور گرمائی خیموں اور استراحات میں یا دور صحراؤں میں خفیہ طور پر حاصل نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ علانیہ حاصل کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ کے ساتھ عوام بھی مستفید ہوسکیں، عمر بن عبدالعزیز نے کہا: (جب تم دیکھو کہ دین کے معاملے میں کچھ لوگ راز داری سے کام لے رہے ہیں، تو سمجھ لو کہ وہ گمراہی کے راستے پر ہیں)۔

کیونکہ اللہ نے دین کو سب کیلئے اتارا ہے کسی خاص گروہ کیلئے نہیں اتارا ہے، اسلئے طلبہ پر ضروری ہے کہ وہ مدارس کے علاوہ اگر علم دین حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مساجد میں منعقد علمی حلقوں میں حاصل کریں، کیونکہ یہ طلب علم کے اصول میں سے ہے، علماء کہتے ہیں: (جو اصول کو ضائع کر دیتے ہیں وہ اس کی جڑ تک نہیں پہونچ پاتے)۔

اسلئے طلبہ پر ضروری ہے کہ وہ اصول ومبادی اور بنیادی امور کو سمجھ کر اسے حاصل کریں۔

اسی طرح ضروری ہے کہ طالب علم طلب علم کی راہ میں آنے والی مشقتوں اور طول مدت پر صبر کرے، اور کسی طرح کی گھبراہٹ اور اکتاہٹ کا احساس نہ کرے۔

طلب علم سے نہ تو مایوسی دکھائے اور نہ ہی اسے مشکل سمجھے بلکہ اس پر صبر کرے کیونکہ وہ طلب علم پر ماجور ہے، فرشتے اسکے لئے استغفار کرتے ہیں اور اپنے پروں کو اسکے لئے بچھاتے ہیں، اسلئے طلبہ اس

راہ میں آنے والی مشقتوں پر صبر کریں، تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ بلا اکتاہٹ صبر سے کام لیں گے تبھی منزل مقصود تک پہونچ سکیں گے۔

یہ طلب علم کے تعلق سے مختصر تفصیل تھی جسے پیش کیا گیا، اسکے علاوہ بھی ایک بہت ہی اہم امر ہے جو طلب علم میں مفید ہے اور وہ عمل ہے، یعنی علم کے مطابق عمل کرتے رہنا، اس سے علم میں اضافہ اور برکت ہوگی، اور یہ حکمت میں سے ہے کہ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ اسے ایسے علم سے بھی نوازتا ہے جسے اسکا علم نہیں ہوتا، ارشاد باری تعالی ہے: (وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمھیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۸۲)۔

اسلئے علم کے حصول کے ساتھ اسی کے مطابق عمل بھی کرتے رہیں، اس علم کو صرف خزانہ نہ بنائیں، کیونکہ بغیر عمل کے جو علم ہوگا اس میں برکت نہیں ہوگی، اور وہ قیامت کے روز آپ کے خلاف حجت ہوگا، چنانچہ بغیر عمل کے علم کو بغیر پھل کا درخت کہا گیا ہے۔

ناظم کہتے ہیں:

وعالم بعلمه لم يعملن

معذب من قبل عباد الوثن

ترجمہ: بے عمل عالم اپنے علم کی وجہ سے بت پرستوں سے پہلے عذاب دیا جائے گا۔

اس سے اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن جن تین قسم کے لوگوں کو دوزخ میں سب سے پہلے ڈالا جائے گا ان میں ایک بے عمل عالم بھی ہوگا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " إِنَّ

أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟، قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟، قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟، قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ"۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ”پہلے قیامت میں جس کا فیصلہ ہو گا وہ ایک شخص ہو گا۔ جو شہید ہوا۔ جب اس کو اللہ کے پاس لائیں گے تو اللہ اپنی نعمت اس کو بتلا دے گا وہ پہچانے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے اس کے لیے کیا عمل کیا ہے؟ وہ بولے گا: میں لڑا تیری راہ میں یہاں تک کہ شہید ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمادے گا: تو نے جھوٹ کہا تو اس لڑا تھا اس لیے کہ لوگ بہادر کہیں اور تجھے بہادر کہا گیا، پھر حکم ہو گا اس کو اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیں گے۔ اور ایک شخص ہو گا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لائیں گے وہ اپنی نعمتیں دکھلائے گا وہ شخص پہچان لے گا تب کہا جائے گا تو نے اس کے لیے عمل کیا ہے؟ وہ کہے گا: میں نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو

جھوٹ بولتا ہے تو نے اس لیے علم پڑھا تھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ قاری کہیں تجھ کو عالم اور قاری دنیا میں کہا گیا پھر حکم ہوگا، اس کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیں گے۔اور ایک شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تھا اور سب طرح کے مال دیئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں دکھلائے گا وہ پہچان لے گا اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے اس کے لیے کیا عمل کیے وہ کہے گا: میں نے کوئی راہ مال خرچنے کی جس میں خرچ کرنا پسند کرتا تھا نہیں چھوڑی تیرے واسطے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے تو نے اس لیے خرچا کہ لوگ سخی کہیں تو تجھے لوگوں نے سخی کہہ دیا دنیا میں، پھر حکم ہوگا، منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔" (صحیح مسلم: ۱۹۰۵)۔

اسلئے ضروری ہے کہ طلبہ جو علم سیکھیں اسکے مطابق عمل بھی کریں، اور لوگوں کو سکھائیں بھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ)

ترجمہ: اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کروگے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انھوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی۔سو برا ہے جو وہ خرید رہے ہیں۔(آل عمران: ۱۸۷)۔

اسلئے طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے خود عمل کرے پھر لوگوں کو تعلیم دے۔ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ، إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جب مر جاتا

ہے آدمی تو اس کا عمل موقوف ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ایک صدقہ جاریہ کا۔ دوسرے علم کا جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ تیسرے نیک بخت بچے کا جو دعا کرے اس کے لیے۔" (صحیح مسلم:۱۶۳۱)۔

آپ غور کریں کہ تینوں میں سب سے بہتر اور باقی رہنے والا علم ہی ہے جس سے فائدہ اٹھایا جائے اس لئے کہ صدقہ جاریہ جو کہ وقف کی شکل میں ہوتا ہے کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا اور نیک لڑکا دور ہو جائے گا مگر علم کا نفع باوی رہے گا اور اس پر اسے اجر ملتا رہے گا جب تک دنیا میں اسکا علم باقی ہے۔اس طرح علم کے اندر خیر و برکت زیادہ ہے۔ پتہ چلا کہ علم عمل صالح کے ذریعے ثابت اور پائیدار ہوتا ہے۔

اسی طرح طالب کیلئے ضروری ہے کہ وہ طلب علم میں اپنی نیت درست اور خالص رکھے، اسے ریاء ونمود کیلئے نہ سیکھے، اسلئے نہ سیکھے کہ اسے عالم کہا جائے، اسی طرح دنیا طلبی اور نوکری کیلئے نہ سیکھے بلکہ اللہ کی رضا کی خاطر سیکھے، کیونکہ یہ صالح عمل ہے اور اسکے لئے نیت بھی صالح ہونی چاہئے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى) ترجمہ: تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی ملے گا۔(صحیح بخاری:۱)۔

اور اسی طرح علم دین اس لئے بھی حاصل نہ کرے کہ اسکی تعریف کی جائے جیسا کہ صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے کہ ایک شخص ہوگا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا۔اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لائیں گے وہ اپنی نعمتیں دکھلائے گا وہ شخص پہچان لے گا تب کہا جائے گا تو نے اس کے لیے عمل کیا ہے؟ وہ کہے گا: میں نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن پڑھا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے تو نے اس لیے علم پڑھا تھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ قاری کہیں تجھ کو عالم اور قاری دنیا میں کہا گیا پھر حکم ہوگا، اس کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیں گے۔والعیاذ باللہ۔

اسی طرح اس لئے بھی علم حاصل نہ کرے کہ وہ اس سے دنیا کمائے گا بلکہ ثواب آخرت کی نیت سیکھے کہ

اس سے خود فائدہ اٹھائے گا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائے گا لیکن اگر مال اور نوکری کی خاطر سیکھے گا تو اسکے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے :(مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ[15] أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) ترجمہ: جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے اور اس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔ [15] یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہو گیا جو کچھ انھوں نے اس میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔ (ھود: ۱۶)۔

دراصل علم دین دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اس لئے اسے اللہ کی رضا کی خاطر اس پر عمل کرنے اور جہالت کو ختم کرنے کیلئے سیکھنا چاہئے۔

طلب علم کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ طالب علم کتاب اللہ کے بعد علم عقیدہ اور توحید کو سیکھے، توحید کے ذریعے شرک کا پتہ چلے گا تاکہ اس سے بچ سکے، اسلئے طلب علم میں عقیدہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، تاکہ ایک آدمی اسی پر اپنے تمام اعمال کی بنیاد رکھ سکے، اور علم و بصیرت کی بنیاد پر اس عقیدے کی دعوت دے تاکہ دوسرے لوگ بھی اسکا اہتمام کریں، میں یہ نہیں کہتا کہ عقیدہ ہی پر اکتفا کرے بلکہ اسے فوقیت دے، اسے ثانوی درجے میں نہ رکھے کیونکہ عقیدہ اساس ہے اسی پر سارے اعمال کی بنیاد ہے، اسی سے توحید باری تعالی، شرک اکبر اور شرک اصغر اور نفاق کی شکلیں معلوم ہوتی ہیں، جنہیں جان کر ایک انسان ان سب سے اجتناب کرتا ہے اور اپنے اعمال کو خالص کر لیتا ہے۔

یہ کچھ اصول اور آداب تھے جنہیں طلبہ کیلئے پیش کیا گیا تاکہ ان کا خیال کر کے دینی علوم حاصل کریں۔

اسی طرح ہم نے اس جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ علم ہر ایک سے حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ جو اس علم میں معروف نیک علماء ہوں انہیں سے حاصل کریں، بعض سلف نے کہا کہ علم دین ہے، اسے کہاں سے حاصل کر رہے ہو اسے غور سے دیکھ لیا کرو۔ (مقدمہ صحیح مسلم، ص ۷)۔ چنانچہ جو عالم آپ کی نظر میں زیادہ قابل اعتماد اور متقی ہو اسی سے علم سیکھو تاکہ وہ آپ کو صحیح راستے کی رہنمائی کرے، اس علم کو کسی جاہل کم علم یا گمراہ سے حاصل نہ کرو، اسی طرح نہ ہی کسی بدعتی سے سیکھو، بلکہ معروف علمائے ربانیین سے سیکھو، اور انکی تعداد بہت ہے، اگر آپ کے شہر میں نہ بھی ہوں تو سفر کر کے دوسرے شہر میں جا سکتے ہیں، اور ان علمائے دین سے علم حاصل کر سکتے ہیں، آج کل ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچنے میں آسانی بہت ہے۔

طلب علم کے لئے سستی کرنے میں ہمارے لئے کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ اللہ نے اس وقت طلب علم کے تمام وسائل کو آسان کر دیا ہے، بلکہ اس کا اہتمام کرنا اور صحیح جگہ پر اسے حاصل کرنا ہی اہم ہے، کیونکہ اس وقت سہولت اور آسانی کے ساتھ ساتھ فتنے بھی بہت ہیں، اور مستقبل میں یہ فتنے مزید بڑھیں گے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ فتنے دین میں بھی ہوں گے اور دنیا میں بھی ہوں گے جن سے بچنے کا واحد طریقہ صحیح علم کا حصول ہوگا وہ نافع علم جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہو، ایسے ہی موقع کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا تھا:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے

مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔(سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر گمراہی دوزخ تک لے جانے والی ہے۔(سنن نسائی: ۱۵۷۸)۔

فتنوں سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ کی توفیق مل جائے اور اسکے پاس علم نافع ہو ورنہ اگر جاہل ہے تو وہ فتنوں سے گھرا ہوگا، اسے کچھ پتہ نہیں ہوگا کہ وہ ان فتنوں سے کیسے نکلے، لیکن اگر اسکے پاس کتاب وسنت کی تعلیم ہے تو توفیق الہی فتنوں سے بچ سکتا ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جب علم نافع سیکھے گا تاکہ اس کی روشنی میں فتنوں کی حقیقت سمجھ سکے، اور کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام کر صحیح راہ پر قائم رہ سکے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔(الانعام: ۱۵۳)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:(فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ) ترجمہ: تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔(سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اس طرح فتنوں سے بچنے کے وسائل ہم اسے ہاتھوں میں ہیں، بس ہمیں چاہئے کہ انہیں سیکھیں اور پہچانیں اور ان پر عمل کریں، فتنوں سے نجات اسی وقت مل سکتی ہے جب ہم کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لیں گے، اور منہج سلف کے مطابق عمل کریں گے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَالسَّابِقُونَ

الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۰۰)۔

اسلئے جب تک ہم سلف امت کے منہج کے مطابق عمل کی کریں اس وقت تک ہم سلفی کہلانے کے حقدار نہیں ہیں، اسلئے ضروری ہیکہ ہم سلف امت کے نقش قدم پر چلیں، اللہ تعالی ہم سب کو دور حاضر کے تمام فتنوں سے محفوظ رکھے، علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: بعض لوگوں کیلئے علماء کے حلقوں میں بیٹھ کر علم سیکھنے کی فرصت نہیں ہوتی ہے تو کیا وہ میڈیا کے ذریعے نشر کئے جارہے دروس سننے پر اکتفا کر سکتے ہیں؟

جواب: طلب علم کیلئے ضروری ہے کہ علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے اسے حاصل کیا جائے، کیسٹوں کا سننا یا آڈیو وڈیو کہ شکل میں دروس کا سننا معتبر نہیں ہے، ہاں اس سے محدود طریقے پر کچھ ضرور استفادہ کیا جاسکتا ہے، مگر طلب علم کے لئے تلقین اور علماء کی مجلسوں میں بیٹھا ضروری ہے۔

سوال: قرآن کی کچھ سورتوں کو یاد کر کے طلب علم پر لگ گیا، اس وقت میں (منہاج السالکین) ختم کر چکا ہوں، اور ایک فاضل عالم کے ہاتھ پر حدیث کی ایک کتاب پڑھ رہا ہوں، کیا میرا یہ طریقہ صحیح ہے یا پہلے قرآن مجید پورا حفظ کرلوں؟

جواب: کوئی ضروری نہیں کہ قرآن حفظ کیا جائے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا آجائے، اور جہاں تک طلب علم کا تعلق ہے تو یہ فراغت اور وقت پر منحصر ہے اگر روزانہ یا ہفتہ میں اسکے لئے کچھ وقت مختص کر دیا جائے تو بہتر ہوگا مگر اس پر مداومت برتا جائے تو بہت کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔

سوال: طلب علم کیلئے کیا کوئی عمر خاص ہے یا یہ پوری عمر کے ساتھ عام ہے؟

جواب: طلب علم کیلئے کوئی عمر محدود نہیں ہے، پوری زندگی میں اسے کبھی بھی حاصل کر سکتے ہیں، علم سے نہ تو سیرابی ممکن ہے اور نہ ہی اسکی انتہا ہے، جتنا ہی علم حاصل کرے گا اتنا ہی خیر و بھلائی حاصل کرے گا،

بہر حال طلب علم سے توقف نہ کرے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ) ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے۔(یوسف: ۷۶)۔ مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا) ترجمہ: ہاں یہ دعا کریں کہ پروردگار! میرا علم بڑھا۔(طہ: ۱۱۴)۔

لہذا علم سیکھنا اصل مطلوب ہے اس کے لئے کوئی وقت اور عمر مخصوص نہیں ہے، البتہ جتنا ہی جلدی کرے اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ چھوٹی عمر میں علم حاصل کرنا بڑی عمر میں اسے حاصل کرنے کے مقابلے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ بچپن میں علم پتھر کی طرح نقش ہو جاتا ہے۔

سوال: آپ نے بتلایا کہ ہر علم کے اندر مختصرات کو پہلے پڑھیں، درخواست ہیکہ اہم علوم میں چند اہم مختصرات کی طرف رہنمائی فرمائیں؟

جواب: اس جانب بہتر رہنمائی آپ کو وہ عالم ہی کرے گا جس کے پاس آپ علم حاصل کریں گے اگر مدارس میں پڑھیں گے تو وہاں پر مقررہ نصاب تعلیم بہتر ہے، اور مرحلہ وار کتابیں متعین ہیں، اور اگر مساجد میں علمی حلقوں میں پڑھیں گے تو وہاں کے عالم اس جانب رہنمائی کریں گے۔

سوال: میں ابھی ایک مبتدی طالب علم ہوں، علماء کے دروس میں بیٹھتا ہوں، مگر درس سے نکلنے کے بعد اکثر باتیں یاد نہیں رہ پاتیں، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: اللہ سے مدد مانگیں، اور جو بھی یاد رہے وہ کافی ہے اور اس میں خیر و برکت ہوگا ان شاء اللہ، اس وقت تو دروس کو ریکارڈ بھی کیا جا سکتا ہے اس کے ذریعے دروس کا مراجعہ کر لیا کریں بہتر ہوگا۔

سوال: کچھ سوال ایسے ہیں جن میں بعض اشخاص اور تنظیموں پر نقد کیا گیا ہے، اور یہ کام اس وقت

مبتدی طلبہ کر رہے ہیں، اسلئے اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: لوگوں پر نقد کرنا اور انکے عیوب کو اچھالنا اس وقت بہت بڑا فتنہ ہے، اس سے بچنا وقت کی ضرورت ہے، طلبہ ابھی علم کے حصول میں محنت کریں اس طرح کے امور میں نہ پڑیں، اس سے طلب علم میں رکاوٹ پڑے گی مزید گناہ الگ سے، اسلئے اس قسم کے پروپیگنڈوں میں نہ پڑ کر پڑھائی پر دھیان دیں، اسی میں خیر ہوگا۔

سوال: ایک طالب علم سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ آئیں اللہ کے واسطے غیبت کریں، کیا یہ کوئی حدیث یا اثر ہے؟

جواب: غیبت حرام ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ)

ترجمہ: اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جب کہ وہ مردہ ہو، سو تم اسے ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، یقینا اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الحجرات: ۱۲)۔

کوئی غیبت اللہ کے واسطے نہیں ہوتی ہے، غیبت سے اللہ نے منع کیا ہے، ہاں اگر اس نے حدیث کے راویوں پر جرح وتعدیل مراد لیا ہو تو یہ الگ فن ہے جو محدثین کیلئے خاص ہے، غیبت کے تعلق سے ایسی کوئی حدیث اور اثر نہیں معلوم ہے۔

سوال: میں وتر کی نماز پڑھ رہا تھا تشہد میں بیٹھا تھا کہ مؤذن نے فجر کی اذان دے دی، کیا میری نماز ہو جائے گی؟

جواب: اگر طلوع فجر سے پہلے وتر کی نماز شروع کر دی ہے اور اذان نماز کے دوران ہوئی ہے تو نماز ہو جائے گی، مگر آئندہ خیال رہے کہ طلوع فجر سے پہلے ہی وتر پڑھ لی جائے۔

سوال: سحری کھانا کب بند کروں، آیا اذان فجر کو سن کر یا اذان کے خاتمے پر؟

جواب: اگر فجر کی اذان ہے تو اذان سنتے ہی کھانے شرح رک جائیں، اسلئے کہ وہی اذان ہی طلوع فجر کی علامت ہے، لیکن اگر پہلی اذان ہو جسے جگانے کیلئے عام طور پر دی جاتی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، ثُمَّ قَالَ: وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ".

ترجمہ: سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال تو رات رہے اذان دیتے ہیں۔ اس لیے تم لوگ کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ راوی نے کہا کہ وہ نابینا تھے اور اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک ان سے کہا نہ جاتا کہ صبح ہو گئی۔ صبح ہو گئی۔ (صحیح بخاری: ۶۱۷)۔

سوال: میں عصر کے وقت سو گیا اور مغرب سے کچھ پہلے بیدار ہوا، میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہونے لگی، کیا میری یہ نماز ادا ہو گی یا قضا؟

جواب: اگر غروب آفتاب کے بعد پڑھی ہے تو قضا ہو گی کیونکہ اسکا وقت نکل گیا ہے، ضروری ہے کہ عصر کی نماز مغرب سے پہلے پڑھ لی جائے۔

سوال: مجھے یہ کیسے معلوم ہو کہ میں اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہوں؟

جواب: یہ آپ کی رغبت اور عمل سے پتہ چلے گا اگر اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو اسکا مطلب آپ اللہ اور اسکے رسول سے محبت بھی کرتے ہیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ) ترجمہ: اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔(صحیح بخاری: ۶۵۰۲)۔

سوال: موزے کو پاکی کی حالت میں پہنا اور پھر وضو ٹوٹ گیا دوبارہ وضو کیا مگر نماز سے قبل موزہ نکال دیا تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

جواب: اگر مسح کئے ہوئے موزے کو اتارا ہے تو پھر وضو ٹوٹ جائے گا، دوبارہ وضو کرنا پڑے گا اور پیر بھی دھلنا ضروری ہوگا۔

سوال: ایک اسلامی بینک سے نوکری کا آفر آیا ہے، آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: اسلامی کہنے سے کوئی بینک اسلامی نہیں ہو جائے گا، اسکے کام کو دیکھا جائے گا، اگر اس میں سودی کاروبار نہیں ہوتا ہے تو پھر نوکری جائز ہوگی بصورت جائز نہیں ہوگی۔

سوال: جامعہ میں طالبہ کی تصویر الزامی ہے، کیا میں ایسا کر سکتی ہوں؟

جواب: عورت کی تصویر بالعموم جائز نہیں ہے، کیونکہ مرد کے مقابلے عورت کی تصویر کہیں زیادہ سنگین ہے، اگر تعلیم اسی تصویر پر موقوف ہو تو میری نظر میں وہاں پر تعلیم حاصل کرنا ترک کر دے کیونکہ وہاں پر

تعلیم حاصل اس پر واجب نہیں ہے، اگر وہ امور دین کو سیکھ لے تو یہی اسکے لئے کافی ہے، تصویر حرام ہے اور عورت کی تصویر میں مزید قباحت ہے کیونکہ اس میں فتنہ بھی ہے، زائد تعلیم مباح ہے واجب نہیں، اور مباح کیلئے حرام کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال: میری بیوی حالت نفاس میں ہے، رمضان میں وہ قرآن پڑھنا چاہتی ہے کیا اسکے لئے جائز ہے؟

جواب: کوئی مرد حالت جنابت میں اور کوئی عورت حالت حیض اور نفاس میں قرآن نہیں پڑھ سکتی یہاں تک پاک ہو جائیں۔

سوال: حالت حیض میں جماع کا کیا کفارہ ہے اور سعودی ریال میں کتنا بنے گا؟

جواب: حدیث کے اندر نصف دینار یا ایک دینار بتایا گیا ہے، جو کہ سونے کے برابر ہوتا ہے، اسے آپ صرافہ مارکٹ میں معلوم کر سکتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، قَالَ: يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ ". قَالَ أَبُو دَاوُد: هَكَذَا الرِّوَايَةُ الصَّحِيحَةُ: قَالَ: دِينَارٌ أَوْ نِصْفُ دِينَارٍ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کرلے، فرمایا: "(بطور کفارہ) وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے"۔ ابوداوٗد کہتے ہیں: صحیح روایت اسی طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے"۔ (سنن ابی داود: ۲۶۴)۔

سوال: جس بلڈنگ میں ہم رہتے ہیں وہاں سے مسجد 9 / منٹ کی دوری پر واقع ہے جبکہ بلڈنگ کے گراؤنڈ منزلے پر بھی مصلی بنا ہوا ہے، میرے لئے بہتر کیا ہے مسجد جانا یا اسی مصلی میں پڑھ لینا؟

جواب: اگر وہ مصلی مسجد کیلئے وقف ہو تو وہاں پر جماعت کے ساتھ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر وہ جگہ وقتی طور پر مصلی بنایا گیا ہو تو پھر مسجد ہی میں جا کر پڑھنا بہتر ہے۔ الا یہ کہ مسجد دور ہو اور جانے میں مشقت ہو تو مسجد جانا ضروری نہیں ہے۔

سوال: حالت تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھانے کی کیفیت کے تعلق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا وارد ہوا ہے؟

جواب: جہاں تک مجھے علم ہے انگلی اٹھانے اور اشارہ کرنے کا ذکر آتا ہے البتہ اسکی کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔

سوال: نماز کے اندر تکبیرات کے وقت اسے زبان سے کب کہا جائے گا، ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے درمیان میں یا اسکے بعد یا پہلے؟

جواب: یہ تکبیرات دو رکن کے درمیان منتقل ہوتے وقت کہی جاتی ہیں، اور آگے پیچھے نہیں بلکہ دوران انتقال ہی اسے کہا جائے گا۔

سوال: تیرہ چودہ سال کی عمر میں امامت کرانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نابالغ کی امامت جائز ہے بطور خاص مصلیان میں اگر وہی سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ، قَالَ: كُنَّا بِمَاضٍ يَمُرُّ بِنَا النَّاسُ إِذَا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانُوا إِذَا رَجَعُوا مَرُّوا بِنَا فَأَخْبَرُونَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَذَا وَكَذَا، وَكُنْتُ غُلَامًا حَافِظًا فَحَفِظْتُ مِنْ ذَلِكَ قُرْآنًا كَثِيرًا، فَانْطَلَقَ أَبِي وَافِدًا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِنْ قَوْمِهِ فَعَلَّمَهُمُ الصَّلَاةَ، فَقَالَ: " يَؤُمُّكُمْ أَقْرَؤُكُمْ "، وَكُنْتُ أَقْرَأَهُمْ لِمَا كُنْتُ أَحْفَظُ، فَقَدَّمُونِي فَكُنْتُ أَؤُمُّهُمْ وَعَلَيَّ بُرْدَةٌ لِي صَغِيرَةٌ صَفْرَاءُ فَكُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَكَشَّفَتْ عَنِّي، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ النِّسَاءِ: وَارُوا عَنَّا عَوْرَةَ قَارِئِكُمْ، فَاشْتَرَوْا لِي قَمِيصًا عُمَانِيًّا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحِي بِهِ، فَكُنْتُ أَؤُمُّهُمْ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ أَوْ ثَمَانِ سِنِينَ.

ترجمہ: سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم ایسے مقام پر (آباد) تھے جہاں سے لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے گزرتے تھے، تو جب وہ لوٹتے تو ہمارے پاس سے گزرتے اور ہمیں بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ایسا فرمایا ہے، اور میں ایک اچھے حافظہ والا لڑکا تھا، اس طرح سے میں نے بہت سا قرآن یاد کرلیا تھا، چنانچہ میرے والد اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ وفد کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز سکھائی اور فرمایا: ”تم میں لوگوں کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو“، اور میں ان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا تھا اس لیے کہ میں قرآن یاد کیا کرتا تھا، لہٰذا لوگوں نے مجھے آگے بڑھا دیا، چنانچہ میں ان کی امامت کرتا تھا اور میرے جسم پر ایک چھوٹی زرد رنگ کی چادر ہوتی، تو جب میں سجدہ میں جاتا تو میری شرمگاہ کھل جاتی، چنانچہ ایک عورت نے کہا: تم لوگ اپنے قاری (امام) کی شرمگاہ ہم سے چھپاؤ، تو لوگوں نے میرے لیے عمان کی بنی ہوئی ایک قمیص خرید دی، چنانچہ اسلام کے بعد مجھے جتنی

خوشی اس سے ہوئی کسی اور چیز سے نہیں ہوئی، ان کی امامت کے وقت میں سات یا آٹھ برس کا تھا۔ (سنن ابی داود: ۵۸۵)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فرض ہو یا نفل نابالغ لڑکا (جو اچھا قاری اور نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہو) امام ہوسکتا ہے۔

سوال: ماہ رمضان میں ہم اوقات کا استغلا ل کیسے کریں؟

جواب: لہو سے دور ہو کر اطاعت، عبادت اور دیگر نیکیوں کو انجام دے۔ اور پوتے ماہ رمضان میں اسی کو اپنا مشغلہ بنالے۔

سوال: اگر امام آخری تشہد میں ہو تو کیا جماعت میں شامل ہوں یا کسی کے ساتھ الگ جماعت قائم کرلیں؟

جواب: اگر ممکن ہو تو ایسی صورت میں انتظار کر کے دوسری جماعت قائم کرلے۔

سوال: قبرستان سے گزر ہو اور سلام کرنا ہو تو زبان سے کریں گے یا پھر ہاتھ سے اشارہ کافی ہے؟

جواب: زبان سے کہیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: " كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ، فَكَانَ قَائِلُهُمْ يَقُولُ: -فِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ، وَفِي رِوَايَةِ زُهَيْرٍ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَلَاحِقُونَ أَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ ".

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ کے باپ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سکھلاتے تھے جب وہ قبروں کی طرف نکلتے۔ پس ان میں کا کہنے والا کہتا یہ لفظ ابوبکر کی روایت کے ہیں: سلام ہو گھر والوں پر اور زہیر کی روایت میں (یہ لفظ ہیں) سلام ہو تم پر اے صاحب گھروں کے مؤمنوں اور مسلمانوں سے اور تحقیق ہم اگر اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں۔(صحیح مسلم: ۹۷۵)۔

سوال: اگر امام عجمی ہو اور اس کی قراءت بھی اچھی ہو تو کیا اسکے پیچھے نماز درست ہے؟

جواب: اگر قراءت اچھی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ وہی امامت کرائے جو عربی اچھی جانتا ہو۔ کیونکہ ہوسکتا ہے امام اور مصلیان کے درمیان کچھ گفتگو ہو تو وہ نہ کرسکے۔

سوال: کیا والدین کی اطاعت کو واجبات پر مقدم کیا جائے گا؟ اور اگر والد اپنے کرنے کو نفلی روزہ رکھنے سے روکے تو اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: وہ فرائض جنہیں اللہ نے واجب کیا ہے ان پر والدین کی اطاعت کو مقدم نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ) ترجمہ: اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں اچھے طریقے سے ان کے ساتھ رہ اور اس شخص کے راستے پر چل جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمھیں لوٹ کر آنا ہے، تو میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ (لقمان: ۱۵)۔

لیکن اگر نوافل سے روکے اپنے لڑکے پر شفقت کی وجہ سے تو پھر والد کی بات ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: میں نے سونا خریدا، ایک سال پورا ہونے پر اسکی قیمت بدل گئی، اب زکاۃ نکالتے وقت کا قیمت کا اعتبار کروں، خریدتے وقت کی یا زکاۃ نکالتے وقت کی؟

جواب: اگر یہ سونا تجارت کی غرض سے خریدا تھا تو اس میں زکاۃ نکالے گا اور زکاۃ نکالتے وقت کی قیمت کا اعتبار کرے گا۔

سوال: میں مسافر ہوں، قصر کرسکتا ھوں لیکن میں اتمام کرنا چاہتا ہوں، کیا میں گنہگار ہوں گا؟

جواب: رخصت پر عمل کرتے ہوئے قصر کرنا ہی افضل ہے، لیکن اگر اتمام کرلیا ہے تو یہ اولی کی مخالفت ہے ویسے نماز صحیح ہوگی۔

سوال: وتر کی نماز سونے سے پہلے پڑھنا افضل ہے یا سو کر اٹھنے کے بعد فجر سے پہلے؟

جواب: اگر سونے کے بعد آٹھ کر فجر سے قبل پڑھنے پر یقین ہو تو یہی افضل ہے، لیکن اگر یقین نہ ہو تو سونے سے قبل ہی پڑھ لیں۔

سوال: گھر کے کمروں میں قرآنی آیات کا لٹکانا کیسا ہے؟

جواب: سلف نے ایسا نہیں کیا ہے، ایسا کچھ لوگ غلط عقیدے کی بنیاد پر کرتے ہیں جیسے کہ تعویذ لٹکانا تو اس بارے میں اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے ورنہ تعویذ لٹکانے کا جواز ڈھونڈا جائے گا۔

سوال: اہل جدہ کیا اہل مکہ میں شمار ہوں گے؟

جواب: اہل جدہ اہل مکہ میں شمار نہیں ہوں گے کیونکہ یہ حدو د حرم سے خارج ہیں۔

سوال: اہل جدہ کیلئے طواف و داع کا کیا حکم ہے؟

جواب: اہل جدہ کا وہی حکم ہے جو دوسرے لوگوں کا ہے چنانچہ وہ بھی طواف و داع کریں گے۔

سوال: اہل جدہ اگر حج تمتع کرتے ہیں اور عمرہ کر کے جدہ چلے جاتے ہیں تو کیا انکے لئے یہ جائز ہے؟

جواب: چونکہ وہ قصر کی مسافت کے اندر رہتے ہیں اس لئے انکا جدہ جانا جائز ہے، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا فدیہ ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ راجح یہی ہے کہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ جدہ قصر کی مسافت کے اندر ہے، اسلئے تمتع باقی رہے گا اور فدیہ دینا پڑے گا۔



۹۱-مفتی اور فتوی پوچھنے والے کے آداب (۱):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

یہ بہت ہی اہم موضوع ہے، فتوی کے بارے میں جسکی ضرورت ہر کو ہوتی ہے، اور اسی کے ذریعے اس علم کو عام کیا جاتا ہے جسے اللہ نے نازل کیا ہے، اور جس علم کے لوگ محتاج ہیں، فتوی کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے چنانچہ فرمایا: (يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ) ترجمہ: آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ (النساء:۱۷۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ) ترجمہ: آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے۔ (النساء:۱۲۷)۔

اسی طرح یہ ذمہ داری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، لوگ آپ سے فتوی پوچھتے اور آپ وحی کی روشنی میں لوگوں کو فتوی دیتے تھے۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ذمیداری علماء نے سنبھالی ہے کیوں کہ یہ انبیاء کے وارث ہیں۔

اس طرح فتوی مسلمانوں کیلئے بہت ضروری ہے بایں طور کہ ہر وہ شخص فتوی طلب کرے اور اپنے دینی اور دنیاوی مسائل میں سوال کرے اگر وہ نہ جانتا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَاسْأَلُوا أَهْلَ

الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: سو ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم شروع سے نہیں جانتے۔ (النحل: ۴۳)۔

اور عالم کو چاہیئے کہ وہ اس فتوی کا جواب دے تاکہ کتمان علم کا حکم نہ لگ سکے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ[159] إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ [159] مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا تو یہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔ (البقرہ: ۱۶۰)۔

چنانچہ اگر اللہ نے کسی کو علم دیا ہے اور اس سے سوال کیا جائے تو وہ اسے بالکل نہ چھپائے کہ کہیں وہ بھی ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے جن کے تعلق سے یہ وعید آئی کوئی ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر علم کے فتوی دے، چنانچہ اگر کسی سے کچھ پوچھا جائے اور اسکے پاس اس تعلق سے کوئی جانکاری نہ ہو تو وہ کہہ دے کہ مجھے اس بارے میں علم نہیں، اسکے بارے میں اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے، کیونکہ انسان بشر ہے اسے تمام چیزوں کا علم نہیں ہے، اسلئے اسے چاہیئے کہ وہ توقف اختیار کرے یہاں تک کہ اسکے پاس صحیح علم آجائے، وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرے اور اہل علم سے مشورہ کرے، اور اس میں جلدی نہ کرے، ضروری نہیں کہ ہر سوال کے بارے میں فتوی دے حالانکہ اسے کتاب وسنت کی روشنی میں اس مسئلے کی جانکاری نہ ہو، کیونکہ یہ اللہ بغیر علم کے بہتان تراشی ہوگی، ارشاد

باری تعالی ہے: (قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔ (الاعراف: ۳۳)۔

اسے اللہ نے سختی سے حرام کیا ہے اور شرک بھی زیادہ سخت بتایا ہے جیسا کہ فرمایا: (اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ[116] مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) ترجمہ: اور اس کی وجہ سے جو تمھاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں، مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔ [116] بہت تھوڑا فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النحل: ۱۱۷)۔

چنانچہ جس کے پاس علم نہ ہو وہ توقف اختیار کرے یہاں تک کہ اللہ اسے علم سے نواز دے، امام دار الہجرہ امام مالک سے ایک شخص نے چالیس مسائل کے بارے میں سوال کیا لیکن آپ نے صرف چھ مسائل کا جواب دیا اور باقی کے بارے میں کہا کہ مجھے انکا علم نہیں ہے، یہ سن کر اس آدمی نے کہا: میں اتنی دور سے آیا تھا آپ کے پاس اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مجھے علم نہیں ہے؟ کہا: جی ہاں، اپنی سواری پر

بیٹھو اور جا کر لوگوں سے بتادو کہ میں نے مالک سے سوالات کئے اور اس نے کہا کہ مجھے علم نہیں ہے۔

بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی سوال کرتا اور آپ اسکا شرعی حل نہیں جانتے تو توقف اختیار کرتے یہاں تک کہ اس بارے میں کوئی وحی نازل ہو جاتی، اسی طرح کے مسائل کے بارے میں متعدد آیتوں میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ لوگ آپ سے فتوی پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیں۔

اسی لئے اگر کسی مسئلے میں علم نہ ہو تو اس تعلق سے لاعلمی کے اظہار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یا سائل سے یہ کہہ دے کہ انتظار کرو یا یہ کہ بعد میں مجھ سے رجوع کرو، اور پھر وہ اس مسئلے پر غور کرلے۔ اس کے اندر کوئی برائی نہیں ہے، بلکہ یہ کمال علم ہے، کمی اور عیب کی بات تو اس وقت ہوتی جب وہ بلاعلم کے جواب دیتا اور دین میں غلط جواب دیتا ممکن ہے اللہ پر بہتان والزام ہو جاتا۔

اسی طرح جانتے ہوئے غلط جواب بھی نہیں دے گا نفس پرستی کی وجہ سے، یا سائل کی کسی رغبت کی وجہ سے، یا کسی دنیاوی حرص وطمع کی وجہ سے، یہ سب کتمان علم میں آئے گا ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ [174] أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ) ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب میں سے اتارا ہے اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھا رہے اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن بات کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔ [174] یہی لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو بخشش کے بدلے خریدا، سو وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں۔ (البقرہ: ۱۷۵)۔

اسلئے کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سائل کو خوش کرنے کیلئے یا کسی دوسرے کو خوش کرنے کیلئے یا

دنیوی طمع کی خاطر ناحق غلط جواب دے، یہ احکام الٰہی کو تبدیل کرنے کے باب میں آئے گا، اور یہ معاملہ بہت سنگین ہے۔

اسی طرح ایک عالم پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ صرف اسی قدر جواب دے جتنا آس سے پوچھا گیا ہو، چنانچہ نہ صرف سوال کا جواب دے ایسی چیز کا جواب نہ دے جس کے بارے میں اس سے پوچھا ہی نہ گیا ہو، الا یہ کہ سائل کو اسکی ضرورت ہو، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سمندری پانی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس سے وضو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اسکا پانی پاک ہے اور اسکا مردار حلال ہے۔آپ سے مردار کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا مگر چونکہ جب سائل سمندری پانی کے بارے میں نہیں جانتا ہے تو بدرجہ اولی اسکے مردار کے بارے میں بھی نہیں جانتا ہو گا اس خیال سے آپ نے اس کا بھی جواب دے دیا جسکی سائل کو ضرورت تھی۔جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَمَةَ مِنْ آلِ ابْنِ الْأَزْرَقِ، أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ وَهُوَ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا، أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ".

ترجمہ: قبیلہ بنو عبدالدار کے ایک فرد مغیرہ بن ابی بردہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ (عبداللہ مدلجی نامی) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اللہ کے رسول! ہم سمندر کا سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی لے جاتے ہیں اگر ہم اس سے وضو کر لیں تو پیاسے رہ جائیں گے، کیا ایسی صورت میں ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا پانی بذات خود پاک اور دوسرے کو پاک کرنے والا ہے، اور اس کا مردار حلال

ہے"۔(سنن ابی داود: ۸۳)۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام کو جب جیل میں ڈال دیا گیا اور وہاں کے قیدیوں نے آپ پر خیر وخوبی اور علم کے آثار دیکھے تو آکر خوابوں کے بارے میں سوال کرنے لگے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ) ترجمہ: اور قید خانے میں اس کے ساتھ دو جوان داخل ہوئے، دونوں سے ایک نے کہا بے شک میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ کچھ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا بے شک میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر کچھ روٹی اٹھائے ہوئے ہوں، جس سے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں اسکی تعبیر بتا۔ بے شک ہم تجھے احسان کرنے والوں سے دیکھتے ہیں۔ (یوسف: ۳۶)۔

تو آپ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پہلے سوال کا جواب نہ دیتے ہوئے انہیں توحید کی دعوت دے دی، چنانچہ فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ [37] وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ) ترجمہ: اس نے کہا تمھارے پاس وہ کھانا نہیں آئے گا جو تمھیں دیا جاتا ہے، مگر میں تمھیں اس کی تعبیر اس سے پہلے بتا دوں گا کہ وہ تمھارے پاس آئے۔ یہ اس میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا۔ بے شک میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے ساتھ بھی کفر کرنے والے ہیں۔ [37] اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے، ہمارے لیے ممکن ہی نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک

ٹھہرائیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کے فضل سے ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ (یوسف: ۳۸)۔

آگے مزید فرمایا: (يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ [39] مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ) ترجمہ: اے قید خانے کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ رب بہتر ہیں یا اللہ، جو اکیلا ہے، نہایت زبردست ہے؟ [39] تم اس کے سوا عبادت نہیں کرتے مگر چند ناموں کی، جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے بارے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت مت کرو، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ۴۰)۔

پھر اسکے بعد انکے سوال کا جواب دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ) ترجمہ: اے قید خانے کے دو ساتھیو! تم میں سے جو ایک ہے سو وہ اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے سو اسے سولی دی جائے گی، پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے۔ اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو۔ (یوسف: ۴۱)۔

چونکہ آپ نے دیکھا کہ انہیں عقیدہ توحید کی زیادہ ضرورت ہے اسلئے پہلے اسی کہ بارے میں بتایا حالانکہ انہیں نے اسکے بارے میں سوال نہیں کیا تھا، مگر چونکہ آپ کی نظر میں وہ اسکے زیادہ محتاج تھے، اسی لئے انہیں اسکی دعوت دی اور توحید کی طرف انہیں بلایا، اور یک واضح کیا کہ یہی عقیدہ تمام انبیاء کا رہا ہے، پھر اسکے بعد انکے سوال کا جواب دیا۔

اسی لئے عالم کو جب ضرورت محسوس ہو کہ سائل کو سوال سے مزید کی ضرورت ہے تبھی زیادہ جواب

دے، لیکن اگر اسے زیادہ کی حاجت نہ ہو تو صرف سوال کے جواب ہی پر اکتفا کرے۔

*فتوی پوچھنے والے کے آداب:

ایک سائل کو چاہئے کہ وہ عالم سے ادب ووقار کے ساتھ سوال کرے، نرمی اور درخواست کا اسلوب پایا جائے، ایسے اسلوب میں سوال یہ کرے جو ایک عالم کیلئے مناسب نہ ہو، اسی طرح سوال مختصر ہو بہت طویل نہ ہو، چنانچہ سوال کرنے والے کو چاہئے کہ اسکے سوال میں قول وفعل دونوں اعتبار سے نرمی پائی جائے جیسا کہ یوسف علیہ السلام سے سوال کیا گیا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ) ترجمہ: اے یوسف! اے بہت بڑے سچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بالکل خشک ہیں، تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ سب جان لیں (یوسف:۴۶)۔

آپ دیکھیں کس نرم اسلوب میں سوال کیا گیا ہے، کیونکہ وہ ایک عالم سے سوال کر رہے ہیں اور انہیں جواب کی ضرورت بھی ہے، عالم کا مقام ومرتبہ اور اسکے حقوق ہوتے ہیں، اسی لئے جنہیں جواب کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی ذات کے اظہار یا لوگوں کے سامنے عالم کو عاجز دکھانا ہو یا غیر مناسب اسلوب میں سوال کیا جائے تو یہ ایک عالم کے حق میں بالکل مناسب نہیں ہے، اسلئے سائل کو چاہئے کہ وہ ضرورت کے وقت اور بہترین اسلوب میں سوال کرے۔

اسی طرح عالم سے سوال ایسے وقت میں نہ کرے جس وقت وہ کسی دوسرے کام میں مشغول ہو، بلکہ ایسے وقت میں سوال کرے جب وہ جواب دینے کیلئے پوری طرح متوجہ ہو، یعنی مناسب وقت کا اختیار

کرے اسے حرج میں نہ ڈالے۔

اسی طرح ایک سوال پوچھنے والے کو چاہئے کہ وہ صرف ایک ہی وسلم سے پوچھنے پر اکتفا کرے، چنانچہ اسے جس کے علم سے دین پر بھروسہ ہو صرف اسی سے پوچھے، اور اسی کے جواب پر اکتفا کرے، ایک ہی سوال مختلف لوگوں سے نہ کرے جیسا کہ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے، کہ وہ ایک ہی سوال کئی علماء سے پوچھتے ہیں اور ان سب کے جوابات کو نشر کرتے ہیں تاکہ وہ علماء کے اختلاف کو دکھائیں اور انہیں بدنام کریں، یا سائل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کا جواب اپنی مرضی کے مطابق پائے اسی کو لے لے، اور باری کو چھوڑ دے، چنانچہ دونوں میں سے کوئی بھی مقصد درست نہیں ہے۔

اسی طرح سوال پوچھنے والے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ سوال بلا ضرورت نہ پوچھے اور نہ ہی اشکال پیدا کرنے کیلئے سوال پوچھے، اللہ نے فرمایا ہے: (فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: سوذ کروالوں سے پوچھ لو، اگر تم شروع سے نہیں جانتے۔ (النحل: ۴۳)۔

اسی طرح مفتی پر بھی واجب ہے کہ وہ فتوی کتاب وسنت پر مبنی دلیل کی بنیاد پر دے، لوگوں کے مطالبات اور خواہشات پر مبنی جواب نہ دے کہ لوگوں کی مرضی کے مطابق اقوال علماء کی روشنی میں جواب دیدے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے آراء واقوال کو ترک کر کے صرف کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے۔

اسی طرح فتوی کے آداب میں سے ہے کہ سائل اور مفتی دونوں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ناصح ہوں، جواب کتاب وسنت پر مبنی دلیل کی روشنی میں ہو خواہ وہ سائل کیلئے کڑوا ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح سائل جواب کو قبول کرے خواہ اس کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہم سب کتاب وسنت پر عمل کرنے کے مکلف ہیں نہ کہ لوگوں کی مرضی اور خواہشات کے۔

دراصل موجودہ دور میں معاملہ بہت سنگین ہے کہ اس وقت ہر چہار جانب سے میڈیا میں مفتی نظر

آتے ہیں اور ہر کوئی اپنی مرضی اور عقل سے فتوی دیتا ہے، علم شرعی کی بنیاد پر فتوی نہیں دیتا ہے، مسئلہ خواہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو، آج کے یہ متعالم کم علم والے مفتی بلا جھجھک بڑے بڑے سنگین مسائل میں فتوی دیتے نظر آتے ہیں جبکہ ایسے مسائل میں کبار علماء توقف کر لیتے ہیں، مگر یہ نیم حکیم بلا سوچے فتوی داغتے رہتے ہیں، اور انہیں اللہ کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

حالانکہ کبھی کبھی کوئی مسئلہ مفتی، سائل اور پورے سماج کیلئے خطرے کی گھنٹی ہوتا ہے، علم ایک امانت ہے اس کے ساتھ کھلواڑ جائز نہیں ہے۔

اسلئے ضروری ہے کہ سوال کرنے والا فتوی کے آداب پر عمل کرے اور فتوی پوچھتے وقت ایسے عالم کا اختیار کرے جو علم دین میں گہرائی رکھتا ہو اور خود اسکا جواب نہ جانتا ہو تا کہ اللہ تعالی کے اس قول پر مکمل طور سے عمل ہو: (فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: سو ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم شروع سے نہیں جانتے۔ (النحل: ۴۳)۔

یعنی اہل علم سے پوچھا کرو اور یہ کہ اس وقت پوچھو جب جانکاری نہ ہو۔

اور فتوی دینے والوں کے درجات ہوتے ہیں، ہر کوئی ایک طرح نہیں ہوتا، کتاب وسنت سے احکام ومسائل کے استنباط کرنے میں لوگ مختلف درجات کے ہوتے ہیں، کسی کے اندر اجتہاد کے شرائط پائے جاتے ہیں وہ صرف اپنے اجتہاد سے کتاب وسنت سے مسائل استنباط کرتا ہے اور بلا کسی احالے کے جواب دیتا ہے، جیسے ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ دین وعلمائے محققین، جبکہ کسی کے اندر اجتہاد کے شرائط نہیں پائے جاتے تو وہ علماء کے فتوؤں کی روشنی میں جواب دیتا ہے، اور ایسے اقوال کو اختیار کرتا ہے جو دلیل کے موافق ہو چنانچہ اقوال علماء میں راجح قول کی روشنی میں فتوی دیتا ہے، مرجوح قول کو چھوڑ دیتا ہے اسی طرح وہ قول بھی چھوڑ دیتا ہے جس کی دلیل کا اسے علم نہیں ہوتا، اسے مجتہد مطلق کے مقابلے میں مجتہد مذہب کہا جاتا ہے۔

لیکن جسے نہ تو اقوال علماء کا علم ہو اور نہ ہی ادلہ سے استنباط مسائل درک ہو تو ایسی صورت میں وہ فتوی دینے کا اہل نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے وہ مرجوح قول کی بنیاد پر فتوی دے دے یا کسی غلط قول کی بنیاد پر فتوی دے دے یا ممکن ہے سوال سے ہٹ کر فتوی دے دے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مفتی طبیب جیسا ہوتا ہے وہ فتوی سائل کے سوال کے مطابق دیتا ہے جس طرح کہ طبیب دوا مرض کے مطابق دیتا ہے، اگر دوا مرض کے موافق نہ ہوا تو مرض بڑھ سکتی ہے اسی طرح فتوی اگر سوال کے مطابق نہ ہوا تو مسائل مزید پیچیدہ ہو سکتے ہیں۔

سلف صالح علم کی وسعتوں کے باوجود فتوی دینے میں جلدی نہیں کرتے تھے، بلکہ ایک دوسرے کی طرف احالہ کرتے تھے، اگر کسی سے سوال کیا جاتا اور وہ اپنے سے کسی بڑے عالم کو دیکھتا تو فوراً اسی کا حوالہ دیکر خود چھٹکارا حاصل کر لیتا، اور فتوی کی سنگینی سے بچنے کی کوشش کرتا، کیونکہ غلط جواب کی سنگینی کو وہ محسوس کرتے تھے، اور اسکے گناہ سے ڈرتے تھے، اسی لئے اپنے سے بڑے عالم کی طرف احالہ کر دیتے تھے، یہی حال صحابہ، تابعین اور دیگر ائمہ دین کا تھا۔

جبکہ دور حاضر میں بہت سے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو فتوی دینے میں مسابقہ کرتے ہیں بلکہ نہ پوچھے گئے سوالوں کے جواب بھی دے دیتے ہیں تا کہ انہیں بڑا عالم سمجھا جائے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ کا خوف نہیں ہے، اسی لئے فتوی کی مارا ماری ہے اسکی سنگینی کا احساس ہی نہیں ہے، اور یہ بالکل نہیں سوچتے کہ بروز قیامت اللہ کے سامنے اسکا جواب دینا ہوگا، غلط فتوی سے مفتی، سائل اور سماج کا کیا نقصان ہو جاتا ہے اسے اس کا احساس وشعور ہی نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلاف بلا ضرورت فتوی نہیں دیتے تھے، اور وہی لوگ فتوی دیتے تھے جو اجتہاد کے درجے پر پہونچے ہوتے تھے، وہ غور وفکر کرتے تھے اور اللہ کا خوف کھاتے تھے۔

مگر اس وقت لوگ اسی طرح فتوی دینے میں مسابقہ کرتے ہیں جس طرح پتنگے آگ میں گرنے

کیلئے مسابقہ کرتے ہیں، چنانچہ ضروری ہے کہ فتوی دینے میں کلی احتیاط برتا جائے اور رہی فتوی دے تو اسکی اہلیت رکھتا ہو، متعالم کم علم اور مبتدی طلبہ فتوی دینے سے باز رہیں اسی طرح ایک بدعت اور اہل ضلالت سے فتوی پوچھنے سے بھی احتراز کریں۔

اسی پس منظر میں بعض سلف کا کہنا ہے کہ یہ علم دین ہے، لہذا اچھی طرح دیکھ لو کہ تم اس علم کو کس سے سیکھ رہے ہو۔ اس علم کو ہر کسی سے نہ سیکھو، بلکہ معتبر اہل حکم ہی سے سیکھو۔

کچھ لوگ مفتی اور عالم کو اپنے مقاصد کیلئے ڈھال بناتے ہیں، مگر یہ لوگ جان لیں کہ کل قیامت کے روز انہیں ڈھال نہیں بنا پائیں گے۔

کچھ لوگ کہہ جاتے ہیں کہ فلاں عالم نے ایسا فتوی دیا ہے وہی اس کا ذمیدار ہوگا، میں کہتا ہوں کہ ایسا کہنا بالکل غلط ہے، وہ بالکل ذمیدار نہیں ہوگا اگر اجتہاد کیا ہوگا بلکہ غلط سمجھتے ہوئے جو اس فتوی پر عمل کرے گا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ اس لئے سائل اور مفتی دونوں ہر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور دین کے معاملے میں احتیاط برتیں۔

اسکی مثال یوں سمجھیں کہ اگر آپ کوئی گاڑی، گھر یا سامان خریدنا چاہتے ہیں تو اسکے بارے میں آپ کو تجربہ نہیں ہے تو تجربہ کار لوگوں سے جا کر سوال کرتے ہیں، اور ان سے مشورے لیتے ہیں تاکہ غلطی نہ کریں کہ خسارہ ہو جائے، اسقدر احتیاط آپ دنیاوی امور میں کرتے ہیں، پھر دینی امور میں یہ احتیاط کیوں نہیں کرتے کہ جو اہل علم دین کا تجربہ اور صحیح علم رکھتے ہیں انہیں سے سوال کریں تاکہ آپ کا دین اور آخرت میں خسارہ نہ ہو۔

یقینا ایک عالم کو فتوی دینے میں احتیاط کرنا چاہئے لیکن اگر کسی نے محنت اور اجتہاد کے ساتھ دیا اس حال میں کہ وہ اللہ کے دین کے ساتھ خیر خواہ بھی ہے اسکے پاس علمی اہلیت بھی ہے مگر پھر بھی غلطی کر گیا تو ایسی صورت میں اسے گناہ نہیں بلکہ محنت اور اجتہاد کی وجہ سے اجر ملے گا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد

ہوا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ".

ترجمہ: سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے (اجتہاد کا)۔ (صحیح بخاری: ۷۳۵۲)۔

کیونکہ اس نے محنت اور اجتہاد کیا اور اللہ کا خوف کھایا اور ضرورت سمجھ کر فتوی دیا اسی لئے اسے غلطی پر بھی اجر ملا، اللہ تعالی وسعت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں کرتا، ایک عالم بھی غلطی کر سکتا ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہے، معصوم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ آپ کو اللہ نے وحی کے ذریعے معصوم بنایا تھا، جبکہ دوسرے غلطی کر سکتے ہیں، گرچہ بڑے سے بڑا کوئی عالم ہی کیوں نہ ہو، مگر اسکی غلطی کا مواخذہ نہیں ہوگا اگر اس نے اجتہاد اور محنت کی روشنی میں جواب دیا ہے۔

یہ ایک اہلیت والے عالم کی بات تھی، پھر کیا حال ہوگا ان کم علم متعالمین کا جواب بغیر اہلیت کے جواب دیتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی ہلاک کرتے ہیں، اسلئے ضروری ہے کہ ہم یہ یاد رکھیں کہ فتوی بہت بڑی ذمیداری ہے اللہ کے سامنے اسکا جواب دینا ہوگا۔

یہی حال بڑے بڑے مسائل کا بھی ہے جیسے طلاق اور نکاح کے مسائل، ایسے مسائل میں ہر کوئی فتوی نہ دے، بلکہ ایسے مسائل میں ان اداروں اور کمیٹیوں کی طرف احالہ کر دیا جائے جو انہیں کیلئے خاص ہیں، جیسے شرعی محاکم اور افتاء کے شعبے، کیونکہ وہ اسی کام کیلئے خاص ہیں، کیونکہ کچھ لوگ حیلہ کرتے ہیں اپنا مسئلہ لیکر آپ کے پاس آتے ہیں پھر کل اسی مسئلے کو لیکر دوسرے کے پاس جاتے ہیں، پھر ان میں جو

انہیں پسند ہوتا ہے اسی کو اختیار کر لیتے ہیں۔

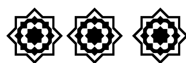
اسی لئے نکاح، طلاق، رضاعت، محرمات نکاح اور سود وغیرہ جیسے بڑے مسائل میں خاص شعبوں کی طرف احالہ کر دینا چاہئے جنکے پاس جواب دینے کے ساتھ ساتھ معاملات کو سنبھالنے کی بھی صلاحیت اور طاقت ہے، اسی لئے اگر شہر میں قاضی اور مفتی موجود ہوں تو اس شہر علماء فتوی نہیں دیتے ہیں بلکہ مفتی کی طرف احالہ کر دیتے ہیں گرچہ اسکا علم انکے پاس ہوتا ہے، وہ اہل اختصاص کے امور میں مداخلت نہیں کرتے تاکہ معاملات پیچیدہ نہ ہوں، اور فتاوے واقوال متضارب اور مختلف نہ ہوں۔

اسلئے فتوی کا معاملہ کل بہت اہم ہے، اسکی اہمیت اور عظمت کو سمجھنا ہمیں ضروری ہے، کیونکہ غلط جواب کی ضرورت میں اللہ اور اسکے رسول کے خلاف بہتان ہوگا، چنانچہ جب آپ کسی مسئلے میں حلال اور حرام کہتے ہیں تو گویا اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور ایسے مواقع پر ایک بندہ مومن آپ نے رب سے خوف کھاتا ہے، اور بروز قیامت اسکے انجام ڈرتا ہے۔

اسی ضروری ہے کہ جن مسائل میں ہمیں علم نہ ہوا نہیں ہم اہل اختصاص کی طرف احالہ کر دیں، جس طرح کہ اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو ہم اسے کسی ماہر امراض طبیب کی طرف احالہ کرتے ہیں، اسے ہم کسی جاہل کے پاس نہیں بھیجتے کہ کچھ بھی دوا دے دے، کوئی معمولی صاحب عقل بھی ایسا نہیں کرسکتا، اور جب یہ معاملہ علاج معالجے کے بارے میں اس قدر حساس اور سنگین ہے تو پھر دینی امور میں کس قدر ہمیں حساس ہونا چاہئے، کیا یہ معقول ہیکہ آپ اپنے دینی امور کو ایسے شخص کے حوالے کر دیں جو اس کا اہل نہ ہو؟! اسلئے دینی امور میں بھی بہت ہی محتاط رہیں ہر گند لے اور نقصان دہ گھاٹ پر نہ پہونچ جائیں۔ دینی امور کو لیکر انہیں علماء کے پاس پہونچیں جو اہل اختصاص ہیں، اہل فن اور اہل فتوی ہیں، اللہ اور اسکے مسلمانوں کے حکام اور رعایا کے خیر خواہ ہیں۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا

محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: ایک فتوی میں کہا گیا کہ اگر جمہور اہل علم کسی چیز کو حرام کہہ رہے ہوں اور عوام اسکا ارتکاب کر رہے ہوں تو میں جمہور کے قول کا فتوی نہیں دوں گا بلکہ دین سے قریب تر جواز کا فتوی دوں گا؟

جواب: کسی مفتی کیلئے یک بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کیلئے رخصتیں تلاش کرے، بلکہ وہ فتوی دلیل کے تقاضوں کے مطابق دے گا جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہوں، اور جس منہج پر سلف امت اور کبار ائمہ دین چلتے آئے ہیں، اگر اسے معلوم نہ ہو تو پھر کسی دوسرے عالم کی طرف احالہ کر دے گا اور خود اس مسئلے میں توقف کرے گا، مگر خو ہر مسئلے کا جواب دے گا خواہ اسے اس کا علم ہو نہ ہو تو پھر وہ بھیانک غلطیوں کا ارتکاب کرے گا، کیونکہ وہ جنکے بارے میں نہیں جانتا ہے وہاں بھی توقف نہیں کرتا ہے، وہ ہر چیز کی جانکاری کا دعوی کرتا ہے جبکہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَفَوۡقَ كُلِّ ذِي عِلۡمٍ عَلِيمٌ) ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے۔ (یوسف: ۷۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَعۡجَلۡ بِٱلۡقُرۡآنِ مِن قَبۡلِ أَن يُقۡضَىٰٓ إِلَيۡكَ وَحۡيُهُۥ وَقُل رَّبِّ زِدۡنِي عِلۡمًا) ترجمہ: اور قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر، اس سے پہلے کہ تیری طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور کہہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔ (طہ: ۱۱۴)۔

اللہ نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں بنایا ہے کہ ہر چیز کو ما جواب دو خواہ اسکے بارے میں علم ہو یا نہ ہو، کتاب وسنت سے دلیل ہو یا نہ ہو بلکہ ضروری ہے کہ اگر کسی مسئلے میں علم نہ ہو تو اسے دوسرے عالم کی طرف احالہ کر دیں، کیونکہ بلا علم و دلیل کے فتوی دینا سائل کے ساتھ دھوکہ ہے، اور دھوکہ دینا سخت خیانت ہے اور اس پر وعید وارد ہوئی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ، فَلَيْسَ مِنَّا، وَمَنْ غَشَّنَا، فَلَيْسَ مِنَّا ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو شخص ہم کو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۰۱)۔

آپ سمجھتے ہیں کہ اسے بحران سے نکال رہے ہیں حالانکہ اسے مزید بحران میں ڈال رہے ہوتے ہیں۔

سوال: میڈیا میں ایسا دیکھا جاتا ہے کہ جواب دیتے وقت مفتی اقوال ائمہ پیش کر کے بلا راجح مسئلہ بتائے چھوڑ دیتا ہے اب ایسے موقع پر ایک سائل کیا کرے؟

جواب: مفتی نے کوئی جواب نہیں دیا ہے بلکہ سوایک کو مزید حیرت میں ڈال دیا ہے، سائل بھی یہ کرسکتا تھا کہ علماء کے اقوال پڑھ لیتا اور کسی سے نہ پوچھتا، وہ آپ کے پاس اس لئے نہیں آیا تھا کہ آپ اسے اقوال علماء بتائیں بلکہ صحیح جواب معلوم کرنے آیا تھا، اگر معلوم نہ ہو تو فوری طور پر کہہ دو کہ مجھے اسکا علم نہیں ہے، خود کو اور سائل کو مزید پریشانی میں نہ ڈالو، یہاں سنگین بات یہ ہیکہ ایسے لوگ باقاعدہ ٹی وی چینلز پر فتوی دیتے ہیں جنہیں پوری دنیا دیکھ رہی ہوتی ہے اور بہت سے لوگوں کا دین برباد ہو جاتا ہے، اس لئے ضروری ہیکہ اللہ نے جسے ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے اس کام کیلئے خود کو وقف نہ کریں۔

سوال: اسی طرح اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو مسئلہ اختلافی ہوتا ہے اسکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے اس میں گنجائش ہے؟

جواب: سائل نے اختلافی امور کو نہیں پوچھا تھا، اس نے یہ پوچھا ہے کہ وہ اس مسئلے میں کیا کرے، اگر وہ اختلافی امور کو جاننا چاہتا تو مطول کتابوں کا مطالعہ کرلیتا، اسی لئے جب آپ کو معلوم ہو تبھی جواب دینے کیلئے اقدام کریں ورنہ کہہ دیں کہ مجھے نہیں معلوم ہے یا تحقیق کیلئے وقت مانگ لیں، پھر اہل اختصاص سے مشورہ لیکر جواب دے دیں، لیکن لا ابالی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑی جراءت سے کہہ دیں کہ اس مسئلے میں کئی اقوال ہیں جس بھی قول پر عمل کرلیں صحیح ہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہے مزید آپ نے سائل کو بھی مزید حیرت میں ڈال دیا ہے۔

سوال: کچھ لوگ فقہ اقلیات کا نام لیکر کہتے ہیں کہ یہاں مملکت سعودی عرب میں جو فتوی دیا جاتا ہے اسے یورپ جیسے ملکوں میں رک رہے مسلمانوں پر لاگو نہیں کرسکتے، وہاں کیلئے انکا اپنا فقہ ہے؟

جواب: دنیا میں مسلمان کہیں بھی ہوں وہ سب کتاب وسنت اور اہل علم کی طرف ہی رجوع کریں گے، دین اسلام کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ اقلیت میں رہ رہے مسلمان کسی اور فقہ پر عمل کریں اور باقی مسلمان کسی اور فقہ پر، بلکہ دین کے احکام سب کیلئے ایک جیسے ہیں، سب کا مرجع ایک ہے اور وہ کتاب وسنت ہے اس لیے مسلمانوں کو دین کے نام پر اقلیت اور غیر اقلیت میں تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ اختلافی مسائل پر نکیر نہیں کیا جاتا۔ یہ ضابطہ کن مسائل کیلئے ہے؟

جواب: یہ دراصل ان فقہی مسائل کیلئے ہے جن میں اہل اجتہاد علماء اختلاف کرتے ہیں اور ان میں کوئی دلیل واضح نہیں ہوتی اسی لئے کسی قول کو راجح نہیں کہہ سکتے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے، انہیں مسائل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان پر نکیر نہیں کرنا چاہئے لیکن وہ مسائل جن میں کسی کا قول دلیل کی روشنی

میں راجح معلوم ہو اور دوسرے کا قول غلط معلوم ہو تو ایسی صورت میں اس مسئلے پر نکیر کی جائے گی، چنانچہ جو قول دلیل کے موافق ہوگا اسے لیا جائے گا اور جو مخالف ہوگا اسے ترک کیا جائے گا کیونکہ وہ راجح کے خلاف ہے، مگر ایسے سنگین مسائل میں وہی اہل علم گفتگو کریں گے جو اہل اختصاص ہیں اہل بصیرت ہیں جنہیں جائز اور ناجائز اور راجح اور غیر راجح کی تمیز ہو۔

سوال: وابصہ بن معبد کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ اپنے دل سے فتوی پوچھو، گرچہ لوگ ک ھ بھی فتوی دیں۔ یہاں (اپنے دل سے فتوی پوچھو) کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اطمینان مراد ہے، یعنی اسی کو لو جس پر دل مطمئن ہو جائے، اور یہاں دل سے مراد مومن کا دل ہے، کیونکہ اشکال کے وقت مومن کا دل معیار ہے، اس وقت اقوال وآراء معیار نہیں ہوں گے بلکہ ایک مومن کا دل جس پر مطمئن ہوگا وہی معیار ہوگا۔ اسلئے کہ اللہ تعالی نے مومن کے دل میں حق و باطل کے درمیان تمیز کی صلاحیت پیدا کردی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھارے لیے (حق و باطل میں) فرق کرنے کی بڑی قوت بنادے گا اور تم سے تمھاری برائیاں دور کردے گا اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (الانفال: ۲۹)۔

سوال: اس وقت میڈیا میں یہ اکثر لوگ کہتے نظر آتے ہیں کہ وقت بدلنے سے فتوی بدل جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے اور فتوی بدلنے اور حکم بدلنے میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ کا حکم نہیں بدلتا، درحقیقت مجتہد کا اجتہاد بدلتا ہے، وہ دراصل کوئی بات کہتا ہے لیکن بعد میں کوئی دلیل اسے زیادہ موافق نظر آتی ہے تو اپنی رائے تبدیل کر لیتا ہے۔ جہاں تک شرعی حکم کا تعلق ہے تو وہ کبھی نہیں بدلتا، بلکہ ایک مجتہد کی اجتہادی رائے بدلتی ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا کہ اگر کوئی فیصلہ کل کر دیا ہے اور حق اسکے خلاف ہے، تو اسکی طرف رجوع کرنے میں کوئی عار نہیں ہے، کیونکہ حق قدیم ہے، اسے کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی، اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں پڑے رہنے سے بہتر ہے۔

اسی لئے ایک قاضی اور مفتی کیلئے جب حق ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے قول سے رجوع کر لے، وہ ہر دھرمی نہ دکھائے، اور یہ نہ کہے کہ جو فتوی میں نے کل دے دیا اسی پر قائم رہوں گا۔

سوال: اگر امام قراءت میں غلطی کرے تو کیا کیا جائے؟

جواب: اگر یہ غلطی سورہ فاتحہ میں ہو اور ایسی غلطی ہو جس سے معنی بدل جائے تو ایسی صورت میں اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھو، لیکن اگر کوئی غلطی ایسی ہو جس سے معنی نہ بدلے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی، اسکے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ساتھ ہی اسکی تصحیح ضروری ہے۔

سوال: میں نے سینگی لگوائی اور بدن سے خون پانچ دنوں تک بہتا رہا جس سے کپڑے پر خون لگ جایا کرتا تھا کیا میری نماز اس کپڑے میں جائز ہے؟

جواب: اگر خون کو کپڑے پر دیکھو تو نماز کو ترک کر دو کیونکہ خون نجس ہے، لیکن اگر نماز کے بعد معلوم پڑے تو ایسی صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی، کیونکہ جان بوجھ کر آپ نے ایسا نہیں کیا ہے۔

سوال: کیا جمعہ کیلئے سنت قبلیہ اور سنت بعدیہ ہے؟
جواب: جمعہ کیلئے سنت بعدیہ ہے قبلیہ نہیں ہے، البتہ مسجد میں داخل ہوتے وقت تحیۃ المسجد پڑھی جائے گی۔

سوال: اگر کبار علماء میں سے کسی تک رسائی نہ ہو سکے تو کیا کسی طالب علم سے فتوی پوچھ سکتا ہوں؟
جواب: اس وقت کبار علماء تک رسائی کوئی مشکل نہیں ہے، ملاقات اور اتصال کے ذرائع بہت ہیں، حتی کہ سفر کے وسائل بھی بہت ہیں اور آسانی سے میسر ہیں، اس لئے اہم اور سنگین مسائل میں کبار علماء ہی سے رجوع کیا جائے، اور جہاں تک چھوٹے اور آسان مسائل کا تعلق ہے تو ان میں طلبہ سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: نکاح کے وقت شوہر کی طرف سے یہ شرط ہو کہ وہ بچہ پیدا نہیں کرے گی تو اس شرط کا کیا حکم ہے؟
جواب: ایسی شرط صحیح نہیں ہے، کیونکہ نکاح میں بچہ پیدا کرنا بھی مطلوب ہوتا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ وَإِنَّهَا لَا تَلِدُ، أَفَأَتَزَوَّجُهَا؟ قَالَ: "لَا"، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ، فَنَهَاهُ، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: " تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ ".

ترجمہ: سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا

اوراس نے عرض کیا: مجھے ایک عورت ملی ہے جو اچھے خاندان والی ہے، خوبصورت ہے لیکن اس سے اولاد نہیں ہوتی تو کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"، پھر وہ آپ کے پاس دوسری بار آیا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا، پھر تیسری بار آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خوب محبت کرنے والی اور خوب جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ (بروز قیامت) میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا"۔(سنن ابی داود: ۲۰۵۰)۔

سوال: اگر امام ۲۲ / رکعات تراویح پڑھائے تو کیا میں اسے چھوڑ کر صرف ۱۲ / رکعات پڑھ سکتا ہوں؟

جواب: اگر امام کے ساتھ پوری نماز پڑھیں گے تو اس میں زیادہ اجر ملے گا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ) ترجمہ: جس نے امام کے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام لکھا جائے گا۔ (سنن ترمذی: ۸۰۶)۔

کیوں کہ تراویح کی تعداد محدد نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات پڑھی ہے، اور تیرہ رکعات پڑھی ہے، اور صحابہ نے ۲۳ / رکعات پڑھی ہے، ان میں سب جائز ہے، لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ اگر کم رکعات پڑھے تو قراءت طویل کرے اور اگر زیادہ رکعات پڑھے تو قراءت ہلکی کرے۔

سوال: اس وقت بچوں کا برتھ ڈے اور میریج ڈے جہت منایا جارہا ہے اور اسے عادات میں شمار کیا جارہا ہے اور کہتے ہیں کہ اسکا تعلق دین سے نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کفار کی مشابہت ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عید ہے عید الفطر اور عید الاضحی کسی کی پیدائش یا شادی کی

برسی پر کوئی عید نہیں ہے اور عید عبادت ہے عادت نہیں جیسا کہ یہ مفتی کہہ رہا ہے، عیدیں ادیان کا شعار ہوتی ہیں، ہر دھرم میں عیدیں ہوتی ہیں، اسلام میں صرف دو ہی عید ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا، فَقَالَ: " مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟ " قَالُوا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحَى، وَيَوْمَ الْفِطْرِ ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے (تو دیکھا کہ) ان کے لیے (سال میں) دو دن ہیں جن میں وہ کھیلتے کودتے ہیں تو آپ نے پوچھا: "یہ دو دن کیسے ہیں؟"، تو ان لوگوں نے کہا: جاہلیت میں ہم ان دونوں دنوں میں کھیلتے کودتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نے تمہیں ان دونوں کے عوض ان سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں: ایک عید الاضحی کا دن اور دوسرا عید الفطر کا دن"۔ (سنن ابی داود: ۱۱۳۴)۔

سوال: ماہ رمضان کی رات میں تراویح کے بعد بچے کسی میدان میں اکٹھا ہوتے ہیں اور پیسہ جمع کر کے کسی کے پاس رکھ دیتے ہیں پھر کھیل کھیلتے ہیں اور ان میں جو جیت حاصل کرتا ہے وہ پیسہ لے لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ بدن کو تقویت پہونچانے والے کھیل جائز ہیں، لیکن ان پر عوض لینا انعام کے طور پر جائز نہیں ہے، مسابقہ اور اس پر انعام لینا صرف تین چیزوں میں جائز ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ أَوْ فِي حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مقابلہ میں بازی رکھنا جائز نہیں سوائے اونٹ یا گھوڑے کی دوڑ میں یا تیر چلانے میں"۔ (سنن ابی داود: ۲۵۷۴)۔

(حدیث میں (سبق) کا لفظ آیا ہے، سبق اس پیسہ کو کہتے ہیں، جو گھوڑ دوڑ وغیرہ میں شرط کے طور پر رکھا جاتا ہے، لیکن یہ رقم خود گھوڑ دوڑ میں شرکت کرنے والوں کی طرف سے جیتنے والے کے لئے نہ ہو، بلکہ کسی تیسرے فریق کی طرف سے ہو، اگر خود گھوڑوں کی ریس (دوڑ) میں شرکت کرنے والوں کی جانب سے ہوگا تو یہ مقابلہ جُوا میں داخل ہو جائے گا۔ مترجم)۔

سوال: بعض ائمہ مساجد نماز کے بعد بعض فتوؤں کی کتابیں پڑھ کر سناتے ہیں تو ان پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ فتووے معین اوقات کیلئے تھے انہیں ہر وقت اور ہر جگہ نہ سنائیں، اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ ٹھیک ملاحظہ ہے، کیونکہ بہت سے فتوے کچھ خاص افراد اور کچھ خاص ظروف کے پیش نظر ہوتے ہیں انہیں ہر موقع پر نہیں پیش کیا جا سکتا۔ چنانچہ ایسے فتوؤں کو اختیار کرے جو عام ہوں جیسے نماز، طہارت اور عبادات و معاملات وغیرہ سے متعلق فتووے۔

سوال: نوکری پیشہ شخص صبح سات بجے کا الارم لگاتا ہے اور اسی وقت اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور پھر ڈیوٹی چلے جاتا ہے؟

جواب: یہ جان بوجھ کر وقت کے بعد پڑھتا ہے اسکی نماز باطل ہو گی، ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ

الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا) ترجمہ: بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے ۔ (النساء: ۱۰۳)۔

اس لئے وہ توبہ کرے اور وقت پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے پھر آخر سو جائے کوئی سونے سے نہیں روکتا۔

سوال: کیا داڑھی کو مہندی اور کتم کے رنگ میں رنگ سکتے ہیں؟

جواب: کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ خالص کالا نہیں ہوتا بلکہ سرخی مائل ہوتا ہے، حرام وہی رنگ ہے جو خالص کالا ہو۔

سوال: سنا ہوں کہ فاسق کی غیبت جائز ہے تو یہاں فاسق سے کون مراد ہے؟

جواب: غیبت حرام ہے، یہ صرف چند احوال میں جائز ہے، جیسے کہ کسی نے ظلم کیا ہو تو اسکی شکایت کرنا، اسی طرح سماج میں کوئی معاصی کا ارتکاب کرے اور نصیحت کرنے پر نہ مانے تو اسکی غیبت کر سکتے ہیں تاکہ دوسرے اسکی برائی سے محفوظ رہیں۔

سوال: ایک آدمی کی عمر ۶۲ / سال ہے مگر گرمی برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے وہ رمضان کے روزے نہیں رکھتا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ) ترجمہ: اور جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے ۔ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں

رکھتا۔(البقرہ:۱۸۵)۔
لیکن اگر واقعی عذر ہے بایں طور کہ اسے پانی کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی صورت میں وہ روزہ نہیں رکھے گا اگر وہ بعد رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے تو بعد میں قضا کر لے گا۔

سوال: ایک طالب علم کیا جامعہ کے بعد بھی تعلیمی سلسلہ جاری رکھے یا اسی پر اکتفا کرے؟
جواب: حصول علم کی کوئی حد نہیں ہے، نہ ہی جامعہ اور نہ ہی کوئی دوسرا مرحلہ، علماء اور کتابوں کی مدد سے علم حاصل کرتا رہے گا۔

سوال: جامعہ میں کبھی کبھی کلاس نماز کے وقت چلتی رہتی ہے، اور جماعت چھوٹ جاتی ہے، اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟
جواب: اگر لیکچر چھوڑنے سے تعلیم میں نقصان ہو تو ایسی صورت میں یہ عذر ہے، اور پھر نماز کو موخر کر سکتے ہیں مگر لیکچر ختم ہوتے ہی ادا کرلی جائے۔

سوال: ہم لوگ حکومتی ادارے میں کام کرتے ہیں، ساڑھے بارہ بجے کے بعد یعنی ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد اضافی ڈیوٹی پر پیسہ ملتا ہے، مگر ہم لوگ اکثر نکل جاتے ہیں اور ہمارے ذمیداران اسے جانتے ہیں؟
جواب: اگر نظام کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر نظام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

سوال: ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو صبح آٹھ بجے یا اسکے بعد آتے ہیں جبکہ ساڑھے سات بجے حاضری ضروری ہے اور رجسٹر پر ساڑھے سات بجے لکھتے بھی ہیں؟

جواب: یہ جھوٹ ہے جائز نہیں ہے، وہی وقت لکھے جس وقت پر حاضر ہوا ہے۔

سوال: بیوی کے زیورات میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

جواب: جمہور اہل علم کا یہی قول ہیکہ جو زیورات پہننے کیلئے رکھے گئے ہوں ان میں زکاۃ نہیں ہے، زکاۃ صرف انہیں زیورات میں ہے جنہیں خرید وفروخت کیلئے رکھا گیا ہو۔

سوال: ظہر کیلئے مسجد میں گیا تو جماعت کھڑی تھی، اب وہ سنت قبلیہ کیسے پڑھے؟

جواب: جو سنت فوت ہو جائے اسکی قضا نہیں ہے سوائے فجر کی سنت کے، جسے وہ فجر کی نماز کے بعد پڑھ لے گا۔

سوال: کیا قیام اللیل میں مصحف دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر قرآن یاد ہو تو پھر زبانی پڑھے۔

سوال: میں دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ مسجد میں ہوتے ہیں اور جیسے اذان ہوتی ہے تو اٹھ کر دو یا چار رکعات نماز پڑھنے لگتے ہیں، اس نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ سنت ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:"

بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثَلَاثًا لِمَنْ شَاءَ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مغفل مزنی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ ہر دو اذانوں (اذان واقامت) کے درمیان ایک نماز (کافصل) دوسری نماز سے ہونا چاہیے (تیسری مرتبہ فرمایا کہ) جوشخص ایسا کرنا چاہے۔(صحیح بخاری: ۶۲۴)۔

سوال: بیوی کی دادی کا کیا میں محرم بن سکتا ہوں؟

جواب: دادی ماں کے درجے میں ہے، اور بیوی کی ماں کا محرم بن سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وأمهات نسائكم) ترجمہ: اور تمہاری بیویوں کی مائیں۔(النساء: ۲۳)۔

سوال: میں ایک سرکاری ادارے میں کام کرتا ہوں، آخری وقت میں جب کام ختم ہوجاتا ہے تو لوگ بیٹھ کر ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں لیکن میں اٹھ کر چلے جاتا ہوں، یعنی ڈیوٹی ختم ہونے سے قبل ہی ادارے سے نکل جاتا ہوں تاکہ اس غیبت میں شریک نہ رہوں، کیا یہ میرا عمل درست ہے؟

جواب: وقت سے پہلے نکلنا جائز نہیں ہے، البتہ اس جگہ سے الگ ہوجائیں، اور اس سے بہتر یہ ہیکہ انہیں نصیحت کریں اور غیبت سے روکیں، اگر نصیحت نہ سنیں تو الگ ہوجائیں۔

سوال: میری والدہ اس وقت عمر دراز ہیں، کوئی پچیس سال قبل انہوں نے رمضان کے دن میں منع حمل کی گولی کھالی تھی بغیر پانی پیئے اس گمان میں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، تو اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: اس دن کا قضا واجب ہے، ساتھ ہی تاخیر کی وجہ سے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

سوال: بعض وہ لوگ جنہیں جن شیاطین کا آسیب ہو جاتا ہے ان سے کہا جاتا ہے کہ ایک ماہ تک مسلسل روزانہ سورہ بقرہ پڑھا کریں ٹھیک ہو جائے گا، اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ پوری سورہ بقرہ پڑھی جائے اگر آیت الکرسی اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیا کرے تو کافی ہے۔



٩٢-ائمہ مساجد، خطباء اور موذنین کیلئے ضروری ہدایات (۱):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

ائمہ مساجد، خطباء اور موذنین سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے؛ کیونکہ ان کا کام بہت عظیم ہے، اس کام کے اتمام کی خاطر یہ ہر تشجیع اور تعاون کے محتاج ہیں تا کہ وہ اس کار عظیم کو بہتر طریقے سے ادا کرسکیں، کیونکہ یہ تینوں امور: امامت، خطابت اور اذان بہت ہی عظیم کام ہیں، ان میں خیر و بھلائی کے ساتھ اجر عظیم بھی ہے اگر اسے اخلاص کے ساتھ انجام دیا جائے اور گناہ عظیم بھی ہے اگر اسے اخلاص کے ساتھ انجام نہ دیا جائے بلکہ اسکے حق میں تساہل اور خیانت سے کام لیا جائے کیوں کہ یہ بہت بڑی امانت ہے، اور ایسے شخص کیلئے ایک قیمتی فرصت اور سنہری موقع بھی ہے جو خیر میں رغبت رکھتا ہو اور خیر میں لوگوں کا قدوہ اور امام بننا چاہتا ہو، اس طرح ان کاموں میں عظیم مصلحتیں ہیں۔

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ اور موذنین کیلئے کچھ خاص رہنمائی فرمائی ہے جو ان کاموں کی عظمت پر دلالت کرتا ہے، ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، اللَّهُمَّ أَرْشِدِ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امام (مقتدیوں کی نماز کا) ضامن اور کفیل ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ! تو اماموں کو راہ راست پر رکھ اور مؤذنوں کو

بخش دے"۔(سنن ابی داود:۵۱۷)۔

* (امام ضامن ہے): امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ صحیح سنت کے مطابق نماز پڑھائے۔ دعاؤں میں اپنے مقتدیوں کو شامل رکھے اور صرف اپنے آپ ہی کو مخصوص نہ کرے۔ مقتدیوں کی نماز کی صحت و درستگی امام کی نماز کی صحت و درستگی پر موقوف ہے؛ اس لئے امام طہارت وغیرہ میں احتیاط برتے اور نماز کے ارکان و واجبات کو اچھی طرح ادا کرے، یہ انکے حسنات میں شمار کئے جائیں گے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يُصَلُّونَ لَكُمْ، فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ، وَإِنْ أَخْطَئُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں۔ پس اگر امام نے ٹھیک نماز پڑھائی تو اس کا ثواب تمہیں ملے گا اور اگر غلطی کی تو بھی (تمہاری نماز کا) ثواب تم کو ملے گا اور غلطی کا وبال ان پر رہے گا۔(صحیح بخاری:۶۹۴)۔

(مؤذن امین ہے): یعنی لوگ مؤذن کی اذان پر اعتماد کر کے نماز پڑھ لیتے اور روزہ رکھ لیتے ہیں، اس لئے مؤذن کو وقت کا خیال رکھنا چاہئے، نہ پہلے اذان دے نہ دیر کرے تاکہ لوگوں کو مغالطہ نہ ہو، کہ کوئی وقت سے پہلے ہی نماز پڑھ لے اور کوئی وقت سے پہلے ہی افطار کر لے، یا طلوع فجر ہو جانے کے بعد اذان دے اور لوگ ادھر کھا پی رہے ہیں جماع کر رہے ہوں، جب کہ طلوع فجر ہو چکا ہو۔ گویا مؤذن صرف یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کا کام صرف اذان دینا ہے خواہ وقت سے پہلے دے یا بعد میں۔ لہذا اس طرح کی لاپرواہی بالکل نہ کرے بلکہ وقت کا لحاظ رکھے۔

اسی طرح امام کو چاہئے کہ وہ بھی مقتدیوں کا خیال رکھے، نماز کو وقت پر پڑھائے، نہ پہلے پڑھائے کہ بہتوں کا تکبیر تحریمہ چھوٹ جائے اور نہ لیٹ کرے کہ انتظار کرتے کرتے لوگ پریشان ہو جائیں بلکہ متعینہ

وقت پر پڑھائے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے کہ لوگ اکٹھا ہو گئے ہیں تو نماز وقت پر پڑھا دیتے تھے اور جب کبھی لوگ تاخیر کرتے تو آپ بھی جلدی نہیں کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ: " كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَوْا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ كَانُوا أَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ ".

ترجمہ: محمد بن عمرو بن حسن بن علی سے، انہوں نے کہا کہ حجاج کا زمانہ آیا (اور وہ نماز دیر کر کے پڑھایا کرتا تھا اس لیے) ہم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھیک دوپہر میں پڑھایا کرتے تھے۔ ابھی سورج صاف اور روشن ہوتا تو نماز عصر پڑھاتے۔ نماز مغرب وقت آتے ہی پڑھاتے اور نماز عشاء کو کبھی جلدی پڑھاتے اور کبھی دیر سے۔ جب دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھا دیتے اور اگر لوگ جلدی جمع نہ ہوتے تو نماز میں دیر کرتے۔ (اور لوگوں کا انتظار کرتے) اور صبح کی نماز صحابہ رضی اللہ عنہم یا (یہ کہا کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۵۶۰)۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجموعی طور پر لوگوں کے حالات کا خیال رکھتے تھے کہ کسی مشقت اور بارش وغیرہ کی وجہ سے کبھی تاخیر یا جلدی کرتے تھے کسی کی نسل مندی یا سستی کی وجہ سے تاخیر نہیں کرتے تھے۔

اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کے حالات کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس

حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ، وَالْكَبِيرَ، وَالضَّعِيفَ، وَالْمَرِيضَ، فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ، فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی تم میں سے نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھے اس لئے کہ جماعت میں بچے، بوڑھے، ناتواں اور بیمار ہوتے ہیں۔ اور جب اکیلے نماز پڑھے تو جس طرح جی چاہے پڑھے۔“ (صحیح مسلم: ۴۶۷)۔

چنانچہ ایک امام کو ایسے ہی ہونا چاہیے کہ وہ مقتدیوں کا خیال کرے، لمبی قراءت کر کے لوگوں کے لئے مشقت کا باعث نہ بنے، ایک مرتبہ ایک جلیل القدر صحابی نے لمبی قراءت کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنبیہ فرمائی تھی جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي، فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا مُعَاذُ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ أَوْ أَفَاتِنٌ ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ.

ترجمہ: سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری نے بتلایا کہ ایک شخص پانی اٹھانے والا دو اونٹ لیے ہوئے آیا، رات تاریک ہو چکی تھی۔ اس نے معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھاتے ہوئے پایا۔ اس لیے اپنے اونٹوں کو بٹھا کر (نماز میں شریک ہونے کے لیے) معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز

میں سورۃ البقرہ یا سورۃ نساء شروع کی۔ چنانچہ وہ شخص نیت توڑ کر چل دیا۔

پھر اسے معلوم ہوا کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو برا بھلا کہا ہے۔اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاذ کی شکایت کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہی فرمایا: اور مزید کہا: (سبح اسم ربك، والشمس وضحاها، والليل إذا يغشى) جیسی سورتیں تم نے کیوں نہ پڑھیں، کیونکہ تمہارے پیچھے بوڑھے، کمزور اور حاجت مند نماز پڑھتے ہیں۔(صحیح بخاری: ۷۰۴)۔

اسلئے امام کو چاہئے کہ متوسط قراءت کرے، لمبی نہ ہو مقتدیوں کو بھاری پڑے، اسقدر چھوٹی بھی نہ ہو کہ نماز میں خلل آئے، بلکہ میانہ روی اختیار کرے۔

اور جہاں تک خطیب جمعہ وعیدین کا تعلق ہے تو وہ بھی مقتدیوں کا خیال کرے، خطبہ کو لمبا نہ کرے کہ سامعین مشقت میں پر جائیں، جیسا کہ بعض ائمہ کرتے ہیں کہ خطبہ کو آدھا گھنٹے یا ایک گھنٹے تک طول دے دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبوں میں چند جملے کہتے ہیں، اسے طویل نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بہت ہی مختصر اور جامع ہوتا تھا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ، يَقُولُ: " صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ "، وَيَقُولُ: "بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ، وَيَقْرُنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى "، وَيَقُولُ: " أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ "، ثُمَّ يَقُولُ: " أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ ".

ترجمہ: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی نمازیں پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور خطبہ دونوں درمیانے ہوتے تھے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ زیادہ ہو جاتا گویا وہ ایک ایسے لشکر سے ڈرانے والے تھے کہ صبح شام آیا اور فرماتے تھے: "میں اور قیامت یوں بھیجا گیا ہوں۔" اور اپنے کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملاتے اور کہتے: (أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ) "اللہ کی حمد کے بعد، جانو کہ ہر بات سے بہتر اللہ کی کتاب ہے اور ہر چال سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چال ہے۔ اور سب کاموں سے برے، نئے کام ہیں اور نیا نیا کام گمراہی ہے، پھر فرماتے کہ میں ہر مؤمن کا دوست ہوں اس کی جان سے زیادہ پھر جو مؤمن مر کر مال چھوڑ جائے وہ اس کے گھر والوں کا ہے اور جو قرض یا بچے چھوڑے ان کی پرورش میری طرف سے ہے اور ان کا خرچ مجھ پر ہے۔" (صحیح مسلم: ۸۶۷)۔

مختصر اسلئے ہوتا تھا تاکہ لوگ غور سے ساری باتیں سن کر اسے یاد کرلیں، لمبا کرنے سے لوگ سست پڑ جاتے ہیں بلکہ سو بھی جاتے ہیں، لیکن جب خطبہ مختصر اور جامع ہوگا آواز پرزور اور موثر ہوگی تو لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنیں گے اور یاد رکھیں گے۔

اسی طرح موضوع خطبہ بھی لوگوں کی ضرورت اور حالات کے اعتبار سے منتخب کیا جائے گا تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں، لوگوں کے اشکالات دور ہوں، انکی غلطیوں پر تنبیہ ہو، لیکن حالات وظروف کو چھوڑ کر اخبار عالم پیش کرنے لگے تو اسکا سامعین کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

خطبہ مجرد کلام نہیں ہے کہ جسے پیش کر دیا جاتا ہے بلکہ یہ وعظ ونصیحت اور تنبیہ وتعلیم ہے، سامعین اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور دوسروں کو آگاہ بھی کرتے ہیں۔ اسلئے خطیب کو چاہئے کہ اسکے لئے اچھی تیاری

کرے اور اگر لکھ لے تو مزید بہتر ہے تاکہ لغوی غلطیوں سے محفوظ رہے اور سامعین کو کانوں کو بوجھ محسوس نہ ہو بلکہ وہ پورے دھیان سے سنیں۔

اسی طرح خطیب کیلئے ضروری ہے کہ وہ سامعین کے فہم کا بھی خیال کرے چنانچہ جس فہم کے سامعین ہوں اسی طرح کا کلام پیش کرے ایسی چیزیں بیان نہ کرے کہ سامعین ان کے بارے میں سمجھ ہی سکیں یا ایسی پیچیدہ بات بھی نہ پیش کرے جو ان کی سمجھ سے باہر ہو۔

اسلئے ہر ایک پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اپنی ذمیداریوں کو ٹھیک ڈھنگ سے نبھائیں خواہ وہ ذمہ داری امامت کا ہو یا خطابت کا یا اذان کا تینوں کے اندر دعوت الی اللہ پائی جاتی ہے، اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ) ترجمہ: اور بات کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ (فصلت: ۳۳)۔

اس طرح اذان ہو خطبہ ہو امامت ہو ہر ایک کے اندر دعوت الی اللہ کا کام ہے، خطبہ کو ہر ہفتہ اسی لئے مشروع کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو نصیحت کے ذریعے تنبیہ کیا جاتا رہے اسلئے خطبے کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: اگر امام تاخیر کردے اور مؤذن کو معلوم ہو کہ امام آنے ہی والا ہے تو کیا مؤذن اقامت شروع کردے گا یا امام کے آنے کا انتظار کرے گا؟

جواب: بغیر امام کی اجازت یا اسکی موجودگی کے اقامت کہنا جائز نہیں ہے، امام اقامت کا مالک ہے، اس کا انتظار کیا جائے گا، وہ دوسرے کا انتظار نہیں کرے گا، ہاں اگر وہ کسی کو نائب بنادے یا کسی وجہ سے نہ اسکے تو اسکی جگہ کوئی دوسرا پڑھا سکتا ہے۔

سوال: اختلاف وانتشار کو چھوڑنے اور حق پر اجتماعیت اور اتحاد کے نام پر کچھ رہنمائی کریں؟

جواب: یہ اچھی چیز ہے، اور یہ خطیب کی ذمیداریوں میں شامل ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر خطبہ دے تاکہ اختلافات ختم ہوں، چنانچہ خطبوں میں ایسی حدیثیں دہرائی جائیں جن میں اجتماعیت کی دعوت دی گئی ہے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (علیکم بالجماعه)، (ید الله مع الجماعة)، (من شذ شذ فی النار)۔

اس طرح کی باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبوں میں بیان کرتے تھے، اسلئے خطیب کو چاہیئے کہ وہ بھی ایسے جملے استعمال کرے جن کے اندر اجتماعیت اور اتحاد پر ابھارا گیا ہو، نیکی اور تقوی کی بنیاد پر آپسی تعاون کا حکم دیا گیا ہو اور اختلاف سے منع کیا گیا ہو۔

سوال: اس وقت کون سا خطبہ افضل ہے لکھا ہوا یا زبانی؟

جواب: ضروری یہ ہیکہ خطبہ اچھی طرح تیار ہو، اسکے بعد خطیب اگر اسے زبانی بول سکے تو اچھی بات ہے بصورت دیگر اسی کو پڑھ کر سنادے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے فقہاء نے اسکی اجازت دی ہے۔ (حاشیہ الروض المربع لابن قاسم: ۲/ ۴۵۹)۔

سوال: جن نمازوں میں امام اور مؤذن حاضر نہیں ہوتے ہیں تو کیا ان کے وظیفے سے پیسہ کاٹ لیا جائے یا کیا کیا جائے؟

جواب: پیسہ کاٹ بھی لیا جائے تو وہ اپنی ذمیداری سے بری نہیں ہوسکتے اگر بغیر عذر کے غائب رہتے ہیں، لیکن اگر کوئی عذر ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ امامت ایک امانت ہے، اسے بہتر طریقے سے ادا کرنا ضروری ہے، نہ ہو سکے تو سبکدوش ہو جائے اور ایسے شخص کیلئے چھوڑ دے جو اس کا اہل ہو، کیونکہ وظیفے سے پیسہ کٹ جانے سے وہ نقصان پورا نہیں ہوگا جو نمازیوں کو لاحق ہوتا ہے۔

سوال: اگر زکاۃ نکالنے میں ایک ماہ لئے ہو جائے کسی ضروری وجہ سے، تو کیا نکالتے وقت زکاۃ سے کچھ زیادہ واجب ہوگا؟

جواب: اصل یہی ہے کہ فوری طور پر زکاۃ نکال دی جائے، اس میں تاخیر نہ کی جائے، لیکن اگر کسی معقول عذر کی بنیاد پر تاخیر ہوئی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے کہ کچھ پیسے آنا باقی ہوں، فقراء ومساکین کے انتظار میں ہو۔

سوال: نماز میں کچھ سنتیں ایسی ہیں جنہیں عوام نہیں جانتے، ان سنتوں کو سکھانے کیلئے بہتر طریقہ کیا ہے؟

جواب: ان سنتوں کے بارے میں واضح کیا جائے اور ان تعلیم دی جائے تاکہ سارے لوگوں کو معلوم ہوجائے۔

سوال: کیا تراویح کی نماز میں ایک آیت پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: اگروہ آیت بامعنی ہے تو پھر جائز ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ ایک آیت ہر اکتفا نہ کیا جائے، کیونکہ تراویح کی نماز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی پڑھائی تھی۔

سوال: ام القری نظام الاوقات کے تعلق سے کچھ کلام کیا گیاہے بطور خاص فجر کی نماز کے تعلق سے، اس پر آپ کی کیا رہنمائی ہے ؟

جواب: شکوک وشبہات پیدا کرنے والوں کی طرف توجہ نہ دیں، ام القری کس نظام الاوقات ملک عبدالعزیز ہی کے زمانے سے معتمد ہے، اس پر کئی بار ریسرچ ہو چکا ہے مگر کبھی بھی کوئی غلطی نہیں دکھائی دی ہے، اعتراض کرنے والے دراصل احناف کے مذہب کے مطابق فجر کی نماز کو غلس سے وقت اسفار تک موخر کرنا چاہتے ہیں۔لیکن جمہور کے نزدیک فجر میں جلدی ہی افضل ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلس میں نماز پڑھتے تھے کہ جس وقت ایک آدمی اپنے بغل والے کو برابر پہچان نہیں سکتا تھا، اور پھر قراءت اس قدر لمبی کرتے کہ نماز ختم ہونے کے بعد لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔

سوال: جو خطیب عوام کے سامنے فصاحت و بلاغت سے پر خطبہ دے تو ایسے خطبے کے تعلق سے آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: یہ مخاطب پر مبنی ہے، اگر مخاطب عربی زبان میں ماہر اور متخصصین اور ماہرین لغت ہیں تو

خطبہ بھی فصیح وبلیغ ہو،لیکن اگرمخاطب عوام ہوں تو انہیں کے اعتبار سے خطبہ پیش کیا جائے جیسا کہ ایک اثر میں وارد ہوا ہے:(قَالَ عَلِيٌّ:" حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ"). ترجمہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کاارشاد ہے کہ"لوگوں سے وہ باتیں کرو جنھیں وہ پہچانتے ہوں۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ لوگ اللہ اوراس کے رسول کو جھٹلادیں؟"(صحیح بخاری: ۱۲۷)۔

سوال: کیا صحابہ کے ضمن میں آل بیت بھی شامل ہیں؟

جواب: جس نے بھی ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اوراسی حالت میں فوت ہوا ہے خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کا ہو یا گھرانے کا نہ ہو اورجسکی ملاقات ایمان کی حالت میں نہ ہوئی ہو وہ صحابی نہیں ہے خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

سوال: کیا عورت کے چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: اس مسئلے میں علماء کااختلاف ہے،لیکن صحیح یہی ہے کہ اگرشہوت کے ساتھ چھوئے گا تو وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس میں کچھ نکلنے کا خدشہ ہوتا ہے،اوراگرشہوت کے ساتھ نہیں چھوئے گا تو وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس میں کچھ نکلنے کاخدشہ نہیں ہوتا ہے۔

سوال: وہ لوگ جومسجد کے پڑوسی ہیں اورنماز پڑھنے نہیں آتے انکے تعلق سے ائمہ خطباء اور موذنین پرکیاواجب ہے؟

جواب: انہیں نصیحت کریں،ان پرنکیر کریں،اوراگرنصیحت نہ سنیں تو ذمیداران تک ان کی شکایت

کریں۔

سوال: نوجوانان امت کے تئیں علماء اور دعاۃ پر کیا واجب ہے بطور خاص موجودہ دور میں کہ جہاں گمراہ داعی انہیں اچک رہے ہیں؟

جواب: علماء پر واجب ہے کہ وہ نوجوانوں کی تربیت کریں انہیں گمراہ داعیوں اور انکی خبیث سازشوں سے آگاہ کریں۔

سوال: روزے کی ماہ میں اگر مؤذن کچھ منٹ آگے پیچھے ہو جائے تو کیا اس پر گناہ ہے؟

جواب: ہاں اگر اس سے لوگ دھوکہ کھا جائیں تو اس پر گناہ ہو گا بایں طور کہ اس کی وجہ سے طلوع فجر کے بعد سحری کرلیں، اور غروب آفتاب سے قبل ہی افطار کرلیں۔

سوال: پہلی رکعت میں سورہ زلزال اور دوسری میں آیت الکرسی پڑھی ہے کیا سورتوں کو مقدم موخر کرنے کوئی حرج ہے؟

جواب: مکروہ عمل ہے۔

سوال: جمعہ کی فجر میں سورہ سجدہ اور سورہ دھر پڑھنا سنت ہے، کیا امام اسکی پابندی ہر جمعہ کرے گا، اور اگر کوئی دوسری سورت پڑھ دے تو کیا حکم ہے؟

جواب: جمعہ کی فجر میں سورہ سجدہ اور سورہ دھر پڑھنا سنت ہے، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ اسکی پابندی نہ کرے کہ کہیں لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں، بلکہ کبھی کبھی چھوڑ

دے تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ یہ واجب نہیں ہے۔

سوال: نماز میں جمائی کا برابر آنا کیا یہ وسوسہ ہے اور اس کا کیا علاج ہے؟
جواب: جس قدر ہو اس سے بچنے کی کوشش کرے، اگر غالب آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے اللہ کا فرمان ہے کہ جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔ (التغابن: ۱۶)۔

سوال: وہ امام کیا کرے ان لوگوں کے ساتھ جو جماعت میں تاخیر کرتے ہیں تاکہ امام کو برا لگے اور کبھی لوگ آتے ہی نہیں ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ وہ امامت کے لائق نہیں ہے؟
جواب: اگر وہ نماز پڑھنے نہیں آتے ہیں تو اپنا نقصان کر رہے ہیں، ان کی غلطی کا نقصان انہیں پر ہوگا اور امام اپنا واجب پورا کرے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرے اور انہیں اللہ کا خوف دلائے، اگر مان لیں تو ٹھیک ہے ورنہ وہ کسی دوسری مسجد میں منتقل ہو جائے۔

سوال: نکاح مسیار کا کیا حکم ہے؟
جواب: نکاح مسیار کے اندر صرف شہوت پوری کرنا مقصد ہوتا ہے، جب کہ شادی کی بہت سی مصلحتیں ہیں جن میں اہم عورت کی کفالت اور اسکی عزت کا تحفظ ہے، حصول اولاد اور انکی تربیت ہے، چنانچہ نکاح مسیار میں اگر نکاح کے شرائط اور ارکان پائے جائیں تو ٹھیک ہے لیکن شادی کی جو مصلحتیں ہیں وہ پوری نہیں ہوتی ہیں۔

سوال: اگر لوگ امام سے مطالبہ کریں کہ زندگی کے تمام امور سے متعلق خطبہ میں بیان کرو تو کیا یہ

صحیح ہے؟

جواب: یہ تکلیف مالا یطاق کے باب سے ہے، امام خطبے کے اندر زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق باتیں پیش نہیں کرسکتا، وہ ایک خطبے میں ایک یا سو مسئلہ بیان کرسکتا ہے، دوسرے خطبے میں دوسرے مسائل اس طرح زندگی کے مسائل وہ مختلف خطبوں میں بانٹ کر پیش کرسکتا ہے۔

سوال: کیا عیسی علیہ السلام صحابی ہوں گے؟

جواب: عیسی علیہ السلام اولو العزم نبی اور رسول میں سے ہیں، البتہ آپ آخری زمانے میں آئیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

سوال: جو علماء اور دعاۃ کو مختلف خانوں میں بانٹنے اور انکے خلاف بدزبانی کرنے میں وقت ضائع کرے اسکے بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

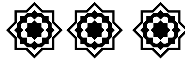
جواب: یہ لایعنی کاموں میں مشغولیت ہے جس میں گناہ بھی ہے، اللہ تعالی نے دوسروں کی غلطیوں کو ٹٹولنے سے منع کیا ہے، بطور خاص طلبہ کو اس باب میں زیادہ دھیان دینا چاہیئے اور اگر کسی سے ایسی غلطی ہو رہی ہے تو اسے نصیحت کریں، انکی غلطیوں کی تشہیر کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سوال: امامت پر وظیفہ لینا کیسا ہے بطور خاص وہ شخص جس نے صرف پیسے ہی کی نیت سے امامت کرانے کا فارم بھرا ہو؟

جواب: نیتوں کا حال اللہ جانتا ہے لیکن اگر اسکی نیت صرف دنیا کمانے کی رہی ہوگی نہ کہ آخرت تو اس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ

إِلَيۡهِمۡ أَعۡمَالَهُمۡ فِيهَا وَهُمۡ فِيهَا لَا يُبۡخَسُونَ[15] أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُواْ فِيهَا وَبَٰطِلٞ مَّا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ) ترجمہ: جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے اور اس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔ [15] یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہو گیا جو کچھ انھوں نے اس میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔ (ھود: ۱۶)۔

چنانچہ صرف مال کمانے کی خاطر امامت کرنا جائز نہیں ہے، اسے چاہئے کہ وہ اپنی نیت درست کر لے اور مال کو طاقت کا ذریعہ سمجھے۔



۹۳- اسلام میں وسطیت اور اعتدال:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين، وبعد:

آج یہاں جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے کلیہ الشریعہ کے اندر میں آپ لوگوں کے سامنے کچھ نئی بات باتیں لیکر نہیں آیا ہوں، بلکہ نصیحت کرنے اور زیارت کرنے آیا ہوں، کیونکہ یہ کلیہ ہم لوگوں کا بھی مادر علمی ہے اور پہلی منزل ہے اور میرا تعلق یہاں سے وہی ہے جیسا کہ شاعر نے اظہار کیا ہے:

كم منزل في الأرض يألفه الفتى

حنينه أبدا لأول منزل

ترجمہ: بہت ساری منزلیں ہوتی ہیں جہاں سے انسان کو پیار ہوتا ہے مگر پہلی منزل سے لگاؤ ایسی ہوتی ہے جو کبھی دل سے ختم نہیں ہوتی۔

ہماری نصیحت کا عنوان اسلام میں اعتدال اور وسطیت ہے جو اللہ کے اس قول سے ماخوذ ہے: (وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةٗ وَسَطٗا لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدٗاۗ) ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمھیں سب سے بہتر امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو اور رسول تم پر شہادت دینے والا بنے۔(البقرہ:۱۴۳)۔

اور الحمدللہ یہ امت معتدل اور امت وسط ہے، جیسا کہ اللہ نے اسکے حق میں خود گواہی دی ہے، کیونکہ یہ امت بروز قیامت تمام امتوں پر گواہی دے گی، اور گواہ کے اندر عدالت کی شرط ہے، اور یہ شرف اس

امت کو ملا ہے کیوں کہ اس امت میں آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے، جو لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ) ترجمہ: بلاشبہ یقینا اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انھیں پاک کرتا اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقینا کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران: ۱۶۴)۔

چنانچہ بروز قیامت جب اللہ تعالی تمام امتوں اور نبیوں کو پیش کرے گا تو یہ امت ان پر گواہی دے گی، اللہ تعالی انبیاء سے پوچھے گا: کیا تم لوگوں نے میرا دین پہونچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے: یقینا ہم نے پہونچا دیا تھا، پھر اللہ تعالی امتوں سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس ان لوگوں نے میرا دین پہونچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ اسی تعلق سے اللہ نے فرمایا ہے: (فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ) ترجمہ: تو یقینا ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور یقینا ہم رسولوں سے (بھی) ضرور پوچھیں گے۔ (الاعراف: ٦)۔

چنانچہ جب وہ لوگ انکار کر دیں گے تو اللہ تعالی رسولوں سے پوچھے گا کہ تمہارے لئے گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی امت۔ تو یہ گواہی دیں گے کہ ان رسولوں نے دین کو پہونچا دیا تھا۔

سوال یہ ہیکہ یہ لوگ ہی سے جانیں گے؟ ان لوگوں نے قرآن پڑھا ہے جس کے اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے انبیاء کے احوال کا ذکر موجود ہے، لہذا اللہ کے کلام کی روشنی میں وہ گواہی دیں گے جس کے اندر کوئی شبہ نہیں ہے۔

اس طرح یہ امت وسط ہے جو قیامت کے روز تمام امتوں پر گواہی دے گی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے، اور انکا تزکیہ کریں گے، ارشاد باری تعالی ہے: (فَكَيۡفَ إِذَا جِئۡنَا مِن كُلِّ أُمَّةِۭ بِشَهِيدٖ وَجِئۡنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدٗا) ترجمہ: پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔ (النساء: ۴۱)۔

اور وسطیت وسط سے ماخوذ ہے، جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ جو دو کناروں کے بیچ میں ہو۔ اس طرح یہ امت دو کناروں پر رہنے والی امتوں میں انت وسط ہے، ایک کنارہ غلو کا ہے جیسے نصاری، اور دوسرا کنارہ تساہل اور کاہلی کا ہے جیسے یہود۔ اس طرح یہ امت نصاری کے غلو اور یہود کے تساہل کے درمیان اعتدال پر قائم ہے۔

اور جس طرح یہ امت تمام امتوں کے بیچ میں افراط وتفریط کے درمیان اعتدال پر قائم ہے اسی طرح اس امت کے ہر فرد کو ہونا چاہئے، یعنی غلو اور تساہل نیز افراط وتفریط کے درمیان اعتدال پر قائم رہنا چاہیے بایں طور کہ شدت پسند خوارج کی طرح غلو نہ کرے اور منحرف لبرلوں کی طرح تساہل کا شکار نہ ہو۔

جس طرح ہم شدت پسندی اور غلو پر نکیر کرتے ہیں اسی طرح ہمیں تساہل اور تفریط وکوتاہی پر بھی نکیر کرنا چاہئے، کیونکہ ایک پہلو پر مرکوز ہو کر دوسرے سے پہلوتہی کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ تشدد اور غلو کے ساتھ الحاد وانحراف اور کوتاہیوں پر بھی نکیر کریں، دونوں پہلوؤں کو لیکر چلیں، اور دونوں سے امت کے افراد کو آگاہ کریں، اور یہ چیز یہاں کے نصاب تعلیم میں الحمد للہ موجود ہے اللہ کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے: (وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسۡتَقِيمٗا فَٱتَّبِعُوهُۖ وَلَا تَتَّبِعُواْ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَن سَبِيلِهِۦۚ ذَٰلِكُمۡ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ) ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

اللہ تعالی نے ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی ہے جو دونوں افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کا راستہ ہے، اللہ تعالی نے ایم دوسری جگہ اپنے نبی سے فرمایا: (فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ[112] وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ) ترجمہ: پس تو خوب ثابت قدم رہ، جیسے تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے تیرے ساتھ توبہ کی ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک وہ جو کچھ تم کرتے ہو، اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ [112] اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہونا جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں آگ آ لپٹے گی اور تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہیں ہوں گے، پھر تمھیں مدد نہ دی جائے گی۔ (ھود: ۱۱۳)۔

یہاں پر اللہ نے استقامت کا حکم دیا ہے اور غلو سے روکا ہے، اسی طرح ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ہے: (قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لیے (بڑی ہی) خرابی ہے۔ (فصلت: ٦)۔

استقامت اختیار کرنے کے بعد استغفار کا حکم دیا ہے یہ بتانے کیلئے کہ استقامت کی راہ میں کوتاہیاں بھی ہو سکتی ہیں جنہیں استغفار سے دور کیا جا سکتا ہے، اسی لئے اللہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے راہ استقامت پر قائم رہو اور یہ جان لو کہ اللہ کے تمام احکام کو شمار نہیں کر سکتے یعنی کوتاہیاں سرزد ہوں گی جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةَ، وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ ".

ترجمہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”راہ استقامت پر قائم رہو، تم ساری نیکیوں کا احاطہ نہیں کرسکو گے، اور تم جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے، اور وضو کی محافظت صرف مومن کرتا ہے“۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۷)۔

یعنی راہ استقامت پر قائم رہو کا مطلب ہے کہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ اسلام کے اوامر ونواہی پر جمے رہو، استقامت کمال ایمان کی علامت ہے، اس لئے اس مرتبہ پر بہت ہی کم لوگ پہنچ پاتے ہیں کیونکہ یہ مشکل امر ہے۔

اور ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ"، قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: " وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَةٍ سَدِّدُوا، وَقَارِبُوا وَاغْدُوا، وَرُوحُوا وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دلا سکے گا۔“ صحابہ نے عرض کی اور آپ کو بھی نہیں یارسول اللہ؟ فرمایا ”اور مجھے بھی نہیں، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے۔ پس تم کو چاہیئے کہ درستی کے ساتھ عمل کرو اور میانہ روی اختیار کرو۔ صبح اور شام، اسی طرح رات کو ذرا سا چل لیا کرو اور اعتدال کے ساتھ چلا کرو منزل مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔“ (صحیح بخاری: ۶۴۶۳)۔

یعنی حق پر چلنے کی کوشش کرو لیکن اگر کچھ کوتاہی سرزد ہو جائے تو اسے استغفار اور توبہ سے پورا کرو، یہ دین بہت آسان ہے ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) ترجمہ: اسی نے تمھیں چنا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کے مطابق۔ اسی نے تمھارا نام مسلمین رکھا، اس سے پہلے اور اس (کتاب) میں بھی، تاکہ رسول تم پر شہادت دینے والا بنے اور تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو۔ (الحج: ۷۸)۔

اللہ نے اس دین کو آسان بنایا ہے ہمیں حرج میں مبتلا نہیں کیا ہے اور نہ ہی ہمیں ہماری وسعت سے زیادہ کا مکلف بنایا ہے، اسی لئے جو بھی جادہ وسط سے نکلے گا وہ دونوں کناروں میں سے کسی ایک کنارے میں واقع ہو جائے گا، یا تو افراط اور غلو کا شکار ہوگا یا پھر تفریط اور کوتاہی کا شکار ہوگا۔ اور یہ دونوں کنارے مذموم ہیں، محفوظ اور نجات پانے والا وہی ہوگا جو ان دونوں کے وسط میں صراط مستقیم پر قائم ہوگا جیسا کہ سورہ فاتحہ کے آخر میں اللہ نے ہمیں نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے: (اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ [6] صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ [6] ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔ (الفاتحہ: ۷)۔

ان انعام یافتہ بندوں کا ذکر اللہ نے دوسری آیت کے اندر کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا) ترجمہ: اور جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔ (النساء: ۶۹)۔

اس وقت ہم تسامح یعنی نرمی اور درگزر جیسے الفاظ بہت سنتے ہیں تو اس میں اجمال ہے تسامح سے مراد اگر یہ ہیکہ آپ اپنے حقوق سے تنازل اختیار کرلیں بایں طور کہ کسی ظالم کو معاف کردیں، اور جو آپ

کے ساتھ زیادتی کرے اسے درگزر کردیں، تو یہ اچھی بات ہے اور قابل تعریف تسامح ہے بلکہ یہ مطلوب ہے، لیکن اگر اس سے مراد اللہ کے دین میں یا اسکے حقوق میں سے کسی حق سے تنازل اختیار کرنا ہے تو یہ بالکل جائز نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا جاتا تھا اور آپ پر طعن و تشنیع کیا جاتا تھا لیکن آپ اسے درگزر کردیتے تھے لیکن دین پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتے تھے بلکہ غضبناک ہو جاتے تھے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا. قَالَتْ:" مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا. فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللَّهِ فَيَنْتَقِمَ لِلَّهِ بِهَا".

ترجمہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے لیے کہا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اسی کو اختیار فرمایا جس میں آپ کو زیادہ آسانی معلوم ہوئی بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس میں گناہ کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ لیکن اگر اللہ کی حرمت کو کوئی توڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ضرور بدلہ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۵۶۰)۔

اسلئے تسامح اور نرمی بندوں کے حقوق میں ہوگی دین کے اندر اور اللہ کے حقوق میں کوئی تسامح اور تنازل نہیں ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو کیونکہ یہ مداہنت ہے اور دین ہے سندر کوئی مداہنت نہیں ہے اللہ نے اس سے روکا ہے ارشاد باری تعالی ہے: (فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ[8] وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ)

ترجمہ: پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان [8] وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ (القلم:۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا [73] وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا [74] إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا) ترجمہ: اور بے شک وہ قریب تھے کہ تجھے اس سے ضرور ہی بہکا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی، تاکہ تو ہم پر اس کے سوا جھوٹ باندھ دے اور اس وقت وہ ضرور تجھے دلی دوست بنالیتے۔ [73] اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھے ثابت قدم رکھا تو بلاشبہ یقیناً تو قریب تھا کہ کچھ تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہو جاتا۔ [74] اس وقت ہم ضرور تجھے زندگی کے دگنے اور موت کے دگنے (عذاب) کا مزہ چکھاتے، پھر تو اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتا۔(الاسراء:۷۵)۔

اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر اس دین سے کچھ بھی تنازل اختیار کرنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ آپ جب تک آپ نے دین سے تنازل اختیار نہیں کریں گے وہ خوش نہیں ہوں گے مگر اللہ اوپر ناراض ہو گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:مَن التمَس رضا اللهِ بسخَطِ النّاسِ رضِيَ اللهُ عنه وأرضى النّاسَ عنه ومَن التمَس رضا النّاسِ بسخَطِ اللهِ سخِط اللهُ عليه وأسخَط عليه النّاسَ.

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو لوگوں کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو تو اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی رکھتا ہے، اور جو اللہ کی ناراضگی میں لوگوں کی رضا کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر

ناراض ہوجاتا ہے اورلوگوں کوبھی اس پر ناراض کر دیتا ہے ۔(صحیح ابن حبان:۲۷۶)۔

چنانچہ ایک مسلمان تسامح اور نرمی کے نام پر اللہ کے حقوق سے اور دین اسلام سے کچھ بھی سمجھوتہ نہیں کرتا بلکہ اسی کے خاطر جہاد فی سبیل اللہ اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کافریضہ واجب کیا گیا ہے اور اسی کی خاطر جرائم پر حدود مشروع کئے گئے ہیں اور دین کے معاملات میں کچھ بھی تسامح نہ کرنے کا حکم ہے،ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالَ: وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ، قَالَ: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ".

ترجمہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مخزومیہ خاتون (فاطمہ بنت اسود) جس نے (غزوہ فتح کے موقع پر) چوری کرلی تھی،اس کے معاملہ نے قریش کوفکر میں ڈال دیا۔انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس معاملہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کون کرے! آخر یہ طے پایا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز ہیں۔ان کے سوا اور کوئی اس کی ہمت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اسامہ! کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا (جس میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔پچھلی بہت سی امتیں اس

لیے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان کا کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔ (صحیح بخاری: ۳۴۷۵)۔

شریعت کے اندر تسامح ہے مگر اس سے مراد تنازل کرنا اور سمجھوتہ کرنا نہیں ہے، بلکہ آسانی اور رخصت ہے کوئی سختی نہیں ہے۔

لہذا ہم نہ تو شدت پسندوں کے ساتھ ہیں اور نہ ہی تساہل برتنے والوں کے ساتھ ہیں بلکہ ہم صراط مستقیم پر قائم اعتدال پسندوں کے ساتھ ہیں۔ یہی ہمارا منہج ہے اسی کو ہم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

اسلئے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ صرف تشدد پسندوں ہی پر نکیر کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ تساہل اور کوتاہی برتنے والوں پر بھی نکیر کی جائے اور دونوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے، اور جو صحیح راستہ ہے اسے واضح کیا جائے تاکہ لوگوں پر حق ملتبس نہ ہو، کیونکہ جب دونوں کناروں پر چلنے والے یعنی غلو اور تساہل نیز افراط وتفریط والے بولنا شروع کریں تو پھر ہمارے لئے بالکل جائز نہیں ہوگا کہ ہم خاموشی سے سنتے رہیں، بلکہ ضروری ہوگا کہ ہم دونوں راستوں کی حقیقت واضح کریں اور انہیں ایکسپوز کریں، تو یہ امت گمراہی کا شکار نہ ہو۔

علماء اور طالبان علوم شریعت پر واجب ہے کہ بلکہ ہر غیرت مند مسلمان پر واجب ہے کہ وہ دونوں باطل راستوں کے خلاف آواز بلند کریں، کیونکہ شیاطین انہیں دونوں راستوں سے اپنے اپنے چیلوں کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، سوائے اس کے جو کتاب وسنت کو لازم پکڑے اس سے شیطان عاجز ہو جاتا ہے، دعا ہیکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انہیں اہل وسط بندوں میں شامل کرے۔

یہ بہت ہی اہم پہلو ہے اور ضروری ہے کہ طلبہ کو بچپن ہی میں اسکی تلقین کر دی جائے کہ دین اسلام کے اندر وسطیت کا کیا معنیٰ اور مفہوم ہے، الحمد للہ ہمارے یہاں نصاب تعلیم میں یہ چیز پائی جاتی ہے اور

اس پر تفصیل سے پڑھایا جاتا ہے۔

لیکن اصل مسئلہ یہ ہیکہ اس منہج کو سمجھانے والے کون لوگ ہیں اور طلبہ کے خالی اذہان میں یہ باتیں کون لوگ ڈال رہے ہیں؟! آج ہم ان آوازوں کو سنتے ہیں جنہیں میڈیا میں اور مختلف فارموں سے بلند کیا جارہا ہے کہ اس منہج اور عقیدے کو نصاب تعلیم سے ہٹا دیا جائے، پھر اسے یا تو پہلے کنارے غلو اور تشدد کی طرف لے جایا جائے گا جہاں کشت وخون اور تخریب کاری ہوگی یا پھر دوسرے کنارے تساہل اور کوتاہی کی طرف لے جایا جائے گا جہاں شریعت کی معطلی اور اخلاقی فساد ہوگا، یہاں بے پردگی اور بے حیائی ہوگی، عورتوں کو ان کے اصل مقصد اور سن لی اصل ذمیداری سے نکال کر غلط راہ پر لایا جائے گا کیونکہ عورتوں کے اندر جب اخلاقی بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو پورا سماج بگاڑ کی راہ پر لگ جاتا ہے۔

اسلئے ضروری ہے کہ شرعی ضوابط کی پابندی کی جائے، کیونکہ عورتیں فتنہ ہیں، فتنوں کی دو قسمیں ہیں: شبہات کا فتنہ جو کہ عقیدہ اور دین میں ہوتا ہے، اور دوسرا شہوات کا فتنہ جو کہ اخلاق اور سلوک میں ہوتا ہے، ان شبہات وشہوات کا پرچار شیاطین الانس والجن کرتے ہیں اور لوگوں کے دین واخلاق میں بگاڑ اور فساد کا باعث بنتے ہیں، لوگ الحاد اور تشکیک کی راہ پر چل نکلتے ہیں جب کہ دوسری طرف شہوات کی اتباع میں منحرف ہوجاتے ہیں ارشاد باری تعالی ہے: (وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا) ترجمہ: اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (سیدھے راستے سے) ہٹ جاؤ، بہت بڑا ہٹ جانا۔ (النساء: ۲۷)۔

اسلئے ضروری ہے کہ ہم شبہات اور شہوات دونوں فتنوں سے محتاط اور آگاہ رہیں، ورنہ سنت کی راہ سے نکل جائیں گے، ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا، فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: " أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ تین حضرات (علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام ان لوگوں کے تئیں ہے جو تشدد کی راہ اپناتے ہیں، دوسری طرف

تساہل اورکوتاہی اپنانے والوں کو آپ نے چور کا ہاتھ کاٹ کر، زانی کو رجم کرکے،شرابی کوکوڑا مار کر اور گنہگاروں پر حدود نافذ کرکےتساہل پت روک لگا دی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مقصد سے امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے، اسلئے ضروری ہے کہ ہم اس مقصد کو سمجھیں اور دوسروں تک یہ پیغام پہونچائیں، کیونکہ اس وقت لوگوں کو اس کی سخت حاجت ہے۔اسلئے کہ اس وقت دو فکر رائج ہے: غلو اور تشدد کی فکر اور تساہل اور کوتاہی کی فکر۔

ضروری ہے کہ ان دونوں منحرف افکار سے ہم لوگوں کو آگاہ کریں اور امت وسط بن کر رہیں اور اسی معتدل فکر کو رواج دیں کیونکہ وسطیت ہی کا نام دین اسلام ہے، اللہ ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: فقہ الواقع سے کیا مراد ہے جسکی دعوت آج کل بہت سے لوگ دے رہے ہیں اور فقہ کے اس قاعدے سے استدلال کر رہے ہیں کہ کسی چیز پر حکم لگانا اسکے تصور کا فرع ہے؟

جواب: جی ہاں، کسی چیز پر حکم لگانا اسکے تصور کا فرع ہے، لیکن یہاں فقہ سے مراد وہ فقہ ہے جس کا حکم اللہ نے ہمیں دیا ہے جسے فقہ فی الدین کہتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ) ترجمہ: سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ (التوبہ: ۱۲۲)۔

کتاب وسنت کی فقہ اور سمجھ ہی اصل مطلوب ہے اور اسی سمجھ کو فقہ الواقع کہتے ہیں کیوں کہ اسی کو تمام حالات وظروف پر تطبیق دیں گے، اسی سے شرعی احکام کا استنباط کرسکیں گے اور پھر پیش آمدہ حالات پر اسے لاگو کریں گے

سوال: وسطیت کے مفہوم میں بعض لوگوں کے نزدیک غلط سوچ پائی جاتی ہے بایں طور کہ انکے یہاں وسطیت کہتے ہیں اس کوشش، عمل اور رائے کو کہتے ہیں جسے معاصر تہذیبیں قبول کرسکیں، گرچہ دین کے مسلمہ اصولوں کے حساب پر ہو، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: یہ وسطیت نہیں تساہل اور سمجھوتہ ہے، اور اہل علم کے شاذ اقوال اور رخصتوں کی روشنی میں جادہ حق سے خروج ہے، تمام اقوال برابر نہیں ہوتے، علماء اجتہاد کرتے ہیں کوئی صحیح رائے اور حق تک پہونچ جاتا ہے اور کوئی نہیں پہونچتا، اللہ نے ہمیں اقوال علماء کی طرف جانے کیلئے نہیں کہا ہے بلکہ یہ فرمایا

ہے:(فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔(النساء:۵۹)۔

لہذا ہم لوگوں کے اقوال اور علماء کے اقوال کو کتاب وسنت کی طرف لوٹائیں گے؛ جو موافق ہوگا اسے لے لیں گے اور جو مخالف ہوگا اسے ترک کر دیں گے اور صاحب قول کو معذور سمجھیں گے۔اسلئے بغیر کتاب وسنت پر پیش کئے لوگوں کے اقوال پر عمل نہیں کریں گے اور نصاری کی طرح بنیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ) ترجمہ: انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں، کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔(التوبہ:۳۱)۔

سوال: ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو علماء کی کیٹگری بناتے ہیں اور پھر ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں؟

جواب: جو علماء پر طعن وتشنیع کرتا ہے اسکا حساب اللہ کے ذمہ ہے، ہمارا واجب یہ ہیکہ ہم اپنی زبانوں کو لوگوں پر جرح کرنے سے پاک رکھیں، غلطی کرنے والے کیلئے عذر تلاش کریں اور اسے نصیحت کریں اور صحیح کہنے والے کی تشجیع کریں۔

سوال: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: (الاقتصاد فی السنة خیر من الاجتهاد فی البدعة)، وسطیت کی روشنی میں اس قول کی وضاحت مطلوب ہے؟

جواب: اسکا مفہوم یہ ہیکہ سنت میں اعتدال اور میانہ روی بدعت میں مشقت اٹھانے سے بہتر ہے، میانہ روی کا مطلب عدم تشدد اور سنت پر اعتدال کے ساتھ عمل کرنا ہے گرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اور یہ تھوڑا عمل اس بدعت سے بہتر ہے جو زیادہ ہو۔ اہل بدعت ذکر وعبادت میں خوب محنت کرتے ہیں مگر انکی یہ محنت رائیگاں جاتی ہے، کیونکہ وہ سنت پر نہیں ہوتے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا) ترجمہ: اور ہم اس کی طرف آئیں گے جو انھوں نے کوئی بھی عمل کیا ہوگا تو اسے بکھرا ہوا غبار بنادیں گے۔ (الفرقان: ٢٣)۔

اور ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔“

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔“ (صحیح مسلم: ١٧١٨)۔

آیت شرک کے بارے میں ہے اور حدیث بدعت کے بارے میں، اور دونوں کے اندر انسانی محنت رائیگاں جاتی ہے، لیکن اگر سنت کے مطابق وہ عمل ہے تو وہ مبارک ہوگا خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا) ترجمہ: بے شک اللہ ایک ذرے کے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اسے دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا کرے گا۔ (النساء: ۴۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ) ترجمہ: جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی اور جو برائی لے کر آئے گا سو اسے جزا نہیں دی جائے گی، مگر اسی کی مثل اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانعام: ۱۶۰)۔

پتہ چلا کہ عمل اگر سنت کے مطابق تو وہ مبارک ہوگا خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اور اگر بدعت ہے تو وہ رائیگاں جائے گا خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

سوال: پڑھائی کے دوران اگر کوئی ساتھی غلو اور تشدد میں مبتلا ہو اس کے تعلق سے ایک ساتھی پر کیا واجب ہے؟

جواب: اسے نصیحت کرے اور یک واضح کرے کہ غلو کو اللہ نے منع کیا ہے اور دین میں غلو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، اور دنیا و آخرت ہر جگہ اسکا انجام بہت بھیانک ہے، کتاب وسنت کے اندر اسی لئے اس کی مذمت وارد ہوئی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا

اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا) ترجمہ: اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔ نہیں ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم مگر اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین ہیں، باز آجاؤ، تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ اللہ تو صرف ایک ہی معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بطور وکیل کافی ہے۔ (النساء: ۱۷۱)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ الْعَقَبَةِ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ:" الْقُطْ لِي حَصًى ". فَلَقَطْتُ لَهُ سَبْعَ حَصَيَاتٍ، هُنَّ حَصَى الْخَذْفِ، فَجَعَلَ يَنْفُضُهُنَّ فِي كَفِّهِ، وَيَقُولُ:" أَمْثَالَ هَؤُلَاءِ فَارْمُوا ". ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ کی صبح کو فرمایا، اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے: "میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ"، چنانچہ میں نے آپ کے لیے سات کنکریاں چنیں، وہ کنکریاں ایسی تھیں جو دونوں انگلیوں کے بیچ آجائیں، آپ انہیں اپنی ہتھیلی میں ہلاتے تھے اور فرماتے تھے: "انہیں جیسی کنکریاں مارو"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو! دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں اسی غلو نے ہلاک کیا"۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۰۲۹)۔

ہر بدعت کا منشاء دین میں غلوّ ہوتا ہے۔ غلوّ سے مراد یہ ہے کہ عبادات میں شریعت ك ي بیان کردہ حدود و قیود اور طریقہ ہائے کار پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ان کی ادائیگی میں خود ساختہ طریقوں کا اضافہ کر دیا جائے۔ چونکہ دین میں غلوّ ہلاکت و بربادی کا موجب ہے، لہٰذا عبادات کو بجا لانے کے سلسلے میں

قرآن وسنت ہی پر اکتفا ضروری ہوتا ہے۔

سوال: وہ فتاوے جن میں وسطیت کے نام پر شرعی احکام کو کمزور دکھایا جاتا ہے، ایسے فتوؤں کے تعلق سے ایک مسلمان کا کیا موقف ہونا چاہئے؟

جواب: اسکو وسطیت نہیں تساہل اور مداہنت کہتے ہیں، دین میں وسطیت یہ ہیکہ غلو اور تساہل نیز افراط وتفریط کے درمیان اعتدال والی راہ کو اختیار کیا جائے۔

سوال: آپسی نصیحت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے وقت وسطیت کے منہج پر کیسے عمل کیا جائے؟

جواب: سنت رسول پر چل کر ہر میدان میں عمل کیا جائے خواہ وہ دعوت کا میدان ہو یا آپسی نصیحت کا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر میدان میں اسوہ اور نمونہ ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا) ترجمہ: بلاشبہ یقینا تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔ (الاحزاب: ۲۱)۔

سوال: جنوب مملکہ میں جو لوگ سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہیں ان کے تعلق سے ہم طلبہ پر کیا واجب ہے؟

جواب: انکی کامیابی، نصرت الہی اور مغفرت کی دعا کریں، انہیں اس کام پر ابھاریں، نمازوں کی پابندی کرنے اور احکامات الہی پر عمل کرنے اور نیت خالص کرنے کی نصیحت کریں، کیونکہ ہر عمل کا دارو

مدارنیت پر ہے۔

سوال: کچھ طلبہ ایسے ہیں جو دین کے بعد مسائل میں غلو سے کام لیتے ہیں اور بعض مسائل میں تساہل چنانچہ ذراسی اختلاف پر تکفیر کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب: انہیں چاہئے کہ وہ کتاب وسنت پر اور سلف امت کے منہج پر عمل کریں، اسی منہج کو تعلیم میں اور اخلاق وسلوک میں بھی عمل کرے گا، اور دوسروں کیلئے قدوہ بنے گا، اور اگر کسی ساتھی کے اندر کوئی غلطی دیکھے گا تو اسے ٹوکے گا اور صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرے گا۔

سوال: کیا اس وقت مسلمانوں پر عصری علوم کا سیکھنا واجب ہے؟

جواب: دنیاوی اموراور طاعت الٰہی میں معاون علوم کو سیکھنے میم کوئی حرج نہیں ہے، اللہ نے اس دنیا میں چیزوں کو پیدا کیا ہے تا کہ بندہ طلب آخرت اور اطاعت کے کاموں میں ان سے مدد حاصل کرے، اس طرح دنیا کو آخرت کیلئے سواری کے طور پر استعمال کرے، جیسے کہ ایک جگہ فرمایا: (وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ) ترجمہ: اوران کے لیے جتنی کرسکو قوت کی صورت میں اور تیار بندھے گھوڑوں کی صورت میں تیاری رکھو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے۔(الانفال:۶۰)۔

مگر دینی علوم کا سیکھنا دنیاوی علوم کے سیکھنے پر مقدم کریں گے۔یعنی پہلے واجبی دینی علوم دیکھیں گے پھر اسکے بعد دیگر دنیاوی علوم میں مہارت حاصل کریں گے۔

سوال: جو طلبہ باہر سے پڑھنے آتے ہیں انہیں آپ کیا نصیحت کریں گے؟

جواب: وہ اللہ کا شکر بجالائیں جس نے انہیں یہ موقع عنایت فرمایا، کہ وہ یہاں آ کر اپنے دین کو سیکھ رہے ہیں، اور جب وہ اپنے ملک واپس جائیں تو وہاں کے لوگوں کو بھی سکھائیں اور اس علم کو پھیلائیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ) ترجمہ: اور ممکن نہیں کہ مومن سب کے سب نکل جائیں، سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تا کہ وہ بچ جائیں۔ (التوبہ: ۱۲۲)۔

سوال: اسکے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو کہتا ہے کہ اس وقت سنت پر چلنا تشدد کی راہ ہے؟

جواب: جو سنت پر نہیں چلے گا وہ ہلاکت میں مبتلا ہوگا کیونکہ سنت پر چلنا ہی راہ نجات ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اسکو تشدد نہیں کتاب وسنت کو تھامنا کہتے ہیں، اور یہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اسی لئے فتنوں کے وقت

اسی پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي"۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آ چکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)۔

سوال: ہر کوئی وسطیت کا دعوی کرتا ہے خواہ وہ متشددین میں سے ہو یا متساہلین میں سے، پھر آخر وسطیت کی علامت کیا ہے؟

جواب: وسطیت کی علامت کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنا ہے، وسطیت صرف دعوی کا نام نہیں ہے، یہ وہ منہج ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔ جو بھی اس کے مخالف ہوگا وہ منحرف اور وسطیت سے دور ہوگا۔

۹۴- مفتی اور مستفتی کے آداب (۲):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

آج کا موضوع (مفتی اور مستفتی کے آداب) ہے، اگر آپ پوچھیں گے کہ آخر اس موضوع کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب ہوگا کہ یہ موضوع وقت کی ضرورت ہے کیونکہ اس وقت ایسے ایسے لوگ فتوی دیتے نظر آرہے ہیں جن کا فتوی اور دینی علوم سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے، آج کل اخبارات میں صحافی تک فتوے دے رہے ہیں کم علم متعالمین (بردرز) سوشل میڈیا پر دھڑلے سے فتوے داغ رہے ہیں، اور دین کے اہم اور سنگین مسائل میں بحث کرتے نظر آرہے ہیں، جس سے فتوے کی اہمیت لوگوں کی نگاہوں میں کم ہو چکی ہے، اور اسکی کوئی قیمت نہیں رہ گئی ہے۔ اور فتوے اور دینی مسائل کی بے وقعتی انہیں بردرز اور صحافیوں کہ وجہ سے ہوئی ہے۔

دین اسلام کے اندر فتوے کی بڑی اہمیت اور حرمت ہے، کیونکہ اس میں اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے خبر دی جاتی ہے اور حلت وحرمت کی نسبت ان دونوں کی طرف کی جاتی ہے، اور یہ کہ بغیر ٹھوس علم اور دلیل کے فتوی بازی کرنا اللہ پر جھوٹ اور بہتان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (قُلۡ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَالۡإِثۡمَ وَالۡبَغۡيَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَأَنۡ تُشۡرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهِ سُلۡطَانًا وَأَنۡ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعۡلَمُونَ) ترجمہ: کہہ دے میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور

ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔(الاعراف: ۳۳)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ , قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , يَقُولُ:" إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ".

ترجمہ: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ میرے متعلق کوئی جھوٹی بات کہنا عام لوگوں سے متعلق جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے جو شخص بھی جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔(صحیح بخاری:۱۲۹۱)۔

اسلئے معاملہ اتنا آسان نہیں ہے کہ بلا علم وبصیرت اور بلا خوف الٰہی کے فتوی دیتے رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی طرف حلال اور حرام کی نسبت کرتے رہو، کل قیامت کے روز جب اللہ تعالی پوچھے گا کہ تم نے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ میں نے فلاں چیز حرام کیا تھا یا فلاں چیز کو حرام کیا تھا؟ اس لئے بلا علم اور بغیر دلیل کے فتوی مت دو۔

فتوی کا معاملہ بہت سنگین ہے، اس کی طرف اقدام وہی کرے جو اسکا مکمل طور پر اہل ہو اور جس کے پاس تقوی اور خوف الٰہی ہو، اسلئے صرف عالم ہونا بھی کافی نہیں ہے، کتنے گمراہ اور علماء سوء پائے جاتے ہیں جنکے پاس نہ تقوی ہوتا ہے اور نہ خوف الٰہی، میڈیا کے اندر ایسے فتوے دیتے رہتے ہیں جن سے صرف اعدائے اسلام خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ان مسلم اسکالروں اور مفکروں کی طرف کیسے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔

اعیان حکومت کو چاہئے کہ وہ نااہلوں کو اس سے دور رکھیں، جس طرح ماضی قریب میں صرف وہی

لوگ فتاوے دیتے تھے جو اسکے اہل ہوتے تھے آج بھی صرف وہی لوگ فتوی دیں بطور خاص کبار علماء جنہیں حکومت کی طرف سے متعین کیا گیا ہے تا کہ ہر کوئی اسکے لئے اقدام نہ کرے، بلکہ فتوی کمیٹی اور دار الافتاء کی طرف احالہ کر دے، اور ایسا ایک عالم کرے، پھر سوچیں انکے بارے میں کیا کہا جائے گا جو جاہل اور کم علم متعالمین ہوتے ہیں، اور فتوی دینے میں نہیں ہچکچاتے؟

اسی لئے ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ اس سنگین موضوع پر لب کشائی کی جائے تا کہ عمومی طور پر مسلمان ایسے فالتو مفتیان سے آگاہ ہو جائیں، اور طالبان علوم نبوت بطور خاص اس پہلو محتاط رہیں، اور ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ کل قیامت کے روز اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ہر بات کی جوابدہ ہوں گے۔

*فتوی کسے کہتے ہیں؟

فتوی کہتے ہیں کہ کسی حکم شرعی کے بارے میں خبر دینا جو کہ الزامی نہ ہو۔ اور یہ قضا یعنی عدالتی فیصلے سے مختلف ہوتا ہے جسکے اندر کسی شرعی حکم کے بارے میں خبر دی جاتی ہے الزامی طور پر۔

اور جب فتوی شرعی حکم ٹھہرا تو آخر وہ کون ہوگا جو اس کے بارے میں خبر دے گا؟ وہ علمائے ربانیین ہوں گے جو کتاب وسنت کے دلائل کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے، جن کے پاس دے دی دینے کی اہلیت ہوگی اور ساتھ ہی ان کے پاس تقوی اور خوف الہی ہوگا۔

اسی لئے تقوی کا معاملہ بہت سنگین ہے، اس کی ذمہ داری تو اللہ نے بھی لی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ) ترجمہ: آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ (النساء: ۱۷۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

وَتَرۡغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ) ترجمہ: آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے۔(النساء:۱۲۷)۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتوی کی ذمیداری لے رکھی تھی چنانچہ صحابہ کرام آپ سے دینی امور میں فتوی پوچھتے تھے اور آپ انہیں فتوی دیتے تھے۔

اسکے بعد علماء نے یہ ذمیداری لی ہے کیوں کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ وفات رسول کے بعد جب کوئی معاملہ پیش آتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ انصار ومہاجرین صحابہ کو جمع کرتے تھے اور ان سے مشورہ لیتے تھے، جب کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے اور سنگین مسائل میں ایسے لوگ کلام کرتے نظر آتے ہیں جن کے پاس شریعت کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

حالانکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس ذمیداری کے اصل یہی ہیں کیوں کہ کتاب وسنت کا صحیح علم انہیں کے پاس ہے، اور جو اپنے آپ کو مفکر اور اسکالر کہتے ہیں وہ فتوی کے بالکل اہل نہیں ہیں، فتوی کا اہل وہی ہے جو کتاب وسنت کا صحیح علم رکھتا ہو، علمائے امت کے اقوال سے واقف ہو، اور صرف ضرورت کے تحت فتوی دے، ہر جگہ اور ہر موقع پر فتوی دیتا نہ پھرے، کیونکہ فتوی کا معاملہ بہت سنگین ہے۔

پہلے زمانے میں علماء اہلیت کے باجود فتوی اس وقت تک نہیں دے سکتے تھے جب تک انہیں فتوی دینے کیلئے اجازت نامہ نہ مل جائے؛ یا تو حاکم وقت کی طرف سے یا پھر ان مشائخ کی طرف سے جن کے علمی حلقے سے وہ فارغ ہوا ہے، چنانچہ یہ اجازت نامہ دیا جاتا تھا کہ اب یہ فتوی دینے کی اہمیت رکھتا ہے۔

چنانچہ پہلے زمانے میں ہرا ایرا غیرا فتوی نہیں دیتا تھا بلکہ اس تعلق دے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي

إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔ (النحل: ۴۳)۔

جب مشرکین مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا اور کہا کہ ہم جیسے انسانوں کے پاس وحی الٰہی نازل ہو یہ ممکن نہیں ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ہماری طرح کوئی انسان رسول بنایا جائے، بلکہ رسالت کیلئے فرشتہ ہونا چاہئے، یا یہ کہ اگر انسان ہی ضروری تھا تو فلاں فلاں کو رسول کیوں نہیں بنایا گیا، ہمیں چھوڑ کر محمد پر وحی کیوں آتی ہے؟! ارشاد باری تعالی ہے: (أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ) ترجمہ: کیا یہ نصیحت ہمارے درمیان میں سے اسی پر نازل کی گئی ہے؟ بلکہ وہ بہت جھوٹا ہے، متکبر ہے۔ (القمر: ۲۵)۔

اور پھر اللہ تعالی نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی: (وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔ (النحل: ۴۳)۔

اور مزید ارشاد باری تعالی ہے: (اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ) ترجمہ: اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (الحج: ۷۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ) ترجمہ: اللہ زیادہ جاننے والا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے۔ (الانعام: ۱۲۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ

اللَّهَ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ) ترجمہ: ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم نہیں ہیں مگر تمھارے جیسے بشر اور لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اور ہمارے لیے کبھی ممکن نہیں کہ تمھارے پاس کوئی دلیل اللہ کے اذن کے سوا لے آئیں اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ مومن بھروسا کریں۔(ابراہیم:١١)۔

(اہل ذکر سے پوچھ لو): اللہ نے یہاں پر اہل فکروفن اور اہل ثقافہ نہیں کہا بلکہ اہل ذکر کہا ہے جس سے اہل علم کر اس ہیں۔

اللہ تعالی نے افتاء کی ذمیداری اہل علم پر ڈالی ہے مگر علم کے تعلق سے حدیث میں پیشین گوئی آئی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے۔بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے۔اس لیے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔(صحیح بخاری:١٠٠)۔

چنانچہ جب آپ فتوی دیتے ہیں اس وقت سب سے پہلے اپنے بارے میں ذمیدار ہوتے ہیں کہ ہم

فتوی کیسے دیا اور اس کی کیا دلیل ہے؟ پھر اسکے بھی ذمیدار ہوں گے جسے بلا علم فتوی دیا ہے، چنانچہ اسکی بھی ذمیداری آپ کے سر آئے گی، کیونکہ وہ اسی پر عمل کرے گا اور دوسروں کو بھی بتلائے گا، لہذا اگر وہ بلا علم غلط ہوگا تو اسکا گناہ بھی آپ کو ملتا رہے گا، ارشاد باری تعالی ہے: (لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ) ترجمہ: تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے بھی جنھیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں۔سن لو! برا ہے جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں۔(النحل: ۲۵)۔

اسلئے طالب علم کو چاہیے کہ وہ توقف اختیار کرے، گرچہ میڈیا میں اور ٹی وی چینلز پر اسے فتوی دینے اور مناظرہ کرنے کی دعوت دی جائے اور حلال حرام کا فتوی دیا جائے جب کہ ابھی اس کی اہلیت نہیں ہے تو ایسی صورت میں فوری طور پر انکار کردے۔

ذرا سوچیں کہ یہ فتوی کوئی ایک دو آدمی کے بیچ نہیں رہتا ہے بلکہ اسے پوری دنیا دیکھ سن رہی ہوتی ہے، پہلے فتوی اور سوال صرف مفتی اور مستفتی کے درمیان ہوتا تھا لیکن اس وقت پوری دنیا سنتی ہے، منٹوں میں یہ فتوی ہر جگہ وائرل ہوجاتا ہے، سوال یہ ہیکہ اگر فتوی غلط ہوا تو اسکا ذمہ دار کون ہوگا، پوری دنیا کا گناہ کون اٹھائے گا؟!

اسی لئے ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ فتوی دینے سے باز رہے الا یہ کہ وہ عالم ہو اور فتوی کی سخت ضرورت ہو، ایسی صورت میں وہ خوف وورع کے ساتھ جواب دے گا اور علم کو نہیں چھپائے گا، ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ) ترجمہ: اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کروگے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انھوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور

اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی۔سو برا ہے جو وہ خرید رہے ہیں ۔(آل عمران:۱۸۷)۔

چنانچہ ایک عالم جو فتوے کی اہلیت رکھتا ہے اس جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو اگر اسکا علم ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے بصورت دیگر جاننے والے کی طرف احالہ کر دیتا ہے اور خود کہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم اور فتوی نہیں دیتا، کیونکہ ساری چیزیں نہیں جانتا. بہت سی چیزیں اس سے مخفی رہتی ہیں، چنانچہ ایسے مسائل میں وہ توقف اختیار کرتا ہے، اور اس میں کسی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ قابل تعریف ہے، جبکہ بعض لوگ (مجھے نہیں معلوم) کہتے ہوئے اپنی ذلت و رسوائی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک عالم کی فضیلت ہے کہ وہ نہ جاننے کی صورت میں کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم، تاکہ لوگوں کو بھی پتہ چل جائے کہ اسکے پاس اللہ کا خوف ہے، لیکن اگر کوئی ہر سوال کا جواب دیتا پھرے تو یہ اسکی لاپرواہی پر دلالت کرتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے پاس آ کر ایک شخص نے چالیس سوالات کئے مگر آپ نے صرف چار کے جوابات دیئے اور باقی کے بارے میں کہا کہ مجھے نہیں معلوم ہے، یہ سن کر اس شخص نے کہا: میں اتنی دور سے سفر کر کے آیا آپ کے پاس اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم؟! آپ نے کہا ہاں ٹھیک کہہ رہے ہے، جاؤ اور لوگوں سے کہہ دینا کہ میں نے مالک سے سوالات کئے اور اس نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔

سبحان اللہ! امام مالک رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں کہ میں نہیں جانتا، ۳۶/ سوالات کے بارے میں کہا کہ میں نہیں جانتا، اور یہ انکے لئے کوئی عیب نہیں بنا، بلکہ اس موقف کو لیکر لوگ امام مالک رحمہ اللہ کی تعریف کرتے ہیں، اور ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں، اسلئے کہ یہ انکے لئے ورع وتقوی کی دلیل ہے، اور یہ کہ آپ فتوی کا احترام کرتے تھے اور علماء کی طرف احالہ کرتے تھے، اور یہ بھی دلیل ہے کہ ایک عالم سب کچھ نہیں جانتا۔

یہ ایک عالم ربانی کا حال جو فتوی دینے سے اس قدر گھبراتا ہے پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کے پاس سرے سے علم یہ ہو، بلکہ وہ ان جاہلوں میں شمار ہوتا ہو جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔والعیاذ باللہ۔

اسلئے فتوے کا معاملہ بہت سنگین ہے اگر کوئی بلا علم فتوی دیتا ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے، جو بغیر علم وورع کے میڈیا میں اخبارات اور ٹی وی چینلز پر فتوے بازی کرتے ہیں سن کی طرف مطلق توجہ نہ دی جائے کیونکہ ان میں اکثر اعدائے اسلام کی طرف سے لگائے ہوئے ہیں اور وہ دین اسلام میں تشکیک اور شبہات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

فتوے کا معاملہ تو اس قدر سنگین ہے کہ آدمی اگر متقی اور پرہیز بھی ہو مگر اسکے اندر علم نہ ہو تو اسے بھی فتوی دینے سے روک دیا جاتا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ إِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ، فَقَالَ لَهُ: هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ؟، قَالَ: لَا، فَقَتَلَهُ فَجَعَلَ يَسْأَلُ، فَقَالَ لَهُ: رَجُلٌ ائْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَقَرَّبِي، وَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي، وَقَالَ: قِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ إِلَى هَذِهِ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے خون ناحق کئے تھے پھر وہ نادم ہو کر) مسئلہ پوچھنے نکلا۔ وہ ایک درویش کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کیا اس گناہ سے توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت ہے؟ درویش نے جواب دیا کہ نہیں۔ یہ سن کر اس نے اس درویش کو بھی قتل کر دیا (اور سو خون پورے کر دئیے) پھر وہ (دوسروں سے) پوچھنے لگا۔ آخر اس کو ایک درویش نے بتایا کہ فلاں بستی میں چلا جا) (وہ

آدھے راستے بھی نہیں پہنچا تھا کہ) اس کی موت واقع ہوگئی۔ مرتے مرتے اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا۔ آخر رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں باہم جھگڑا ہوا۔ (کہ کون اسے لے جائے) لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نصرہ نامی بستی کو (جہاں وہ توبہ کے لیے جا رہا تھا) حکم دیا کہ اس کی نعش سے قریب ہو جائے اور دوسری بستی کو (جہاں سے وہ نکلا تھا) حکم دیا کہ اس کی نعش سے دور ہو جا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اب دونوں کا فاصلہ دیکھو اور (جب ناپا تو) اس بستی کو (جہاں وہ توبہ کے لیے جا رہا تھا) ایک بالشت نعش سے نزدیک پایا اس لیے وہ بخش دیا گیا۔ (صحیح بخاری: ۳۴۷۰)۔

پہلا شخص گرچہ متقی اور صوم وصلاۃ کا پابند تھا مگر عالم میں تھا اسی لئے اسکا نقصان اٹھایا مگر دوسرا شخص عالم تھا اس نے صحیح اور مناسب فتوی دیا، آپ دونوں کا انجام اور فرق ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ایک عالم اور عابد میں کیا فرق ہے؟

یہ تو ایک عابد متقی کا مسئلہ تھا لیکن جو عالم نہ ہو اور ساتھ میں متقی بھی نہ ہو اسکا کیا حال ہوگا، نسأل اللہ العافیۃ۔

اس فرق کو آپ اس حدیث کی روشنی میں سمجھ سکتے ہیں:

عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ:" كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ، قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ

لَيلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ".

ترجمہ: کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے کہنے لگا: اے ابو الدرداء! میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے اس حدیث کے لیے آیا ہوں جس کے متعلق مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں میں آپ کے پاس کسی اور غرض سے نہیں آیا ہوں، اس پر ابو الدرداء نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جو شخص طلب علم کے لیے راستہ طے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسے جنت کی راہ چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی بخشش کی دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں دعائیں کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کی تمام ستاروں پر، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور نبیوں نے اپنا وارث درہم و دینار کا نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا تو جس نے علم حاصل کیا اس نے ایک وافر حصہ لیا“۔ (سنن ابی داود: ۳۶۴۱)۔

اس حدیث کے اندر عالم کی مثال چاند سے دی گئی ہے کیوں کہ ستارہ صرف خود کو روشن رکھتا ہے جبکہ چاند پوری کائنات کو روشن کرتا ہے، یہی حال ایک عالم کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ پہونچاتا ہے، جبکہ ایک عابد صرف اپنی ذات کو فائدہ پہونچاتا ہے، کیونکہ اس کے پاس علم نہیں ہے، اور لوگ اسی کے پاس استفادہ کرنے جاتے ہیں جسکے کا رعلم ہوتا ہے۔ اس طرح فتوی اور فتوی دینے والے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

*مفتی اور مستفتی کے آداب:

پہلا مفتی کے آداب:

پہلا:

مفتی کو چاہئے کہ وہ علم و دلیل کی بنیاد پر فتوی دے، اگر اسکے پاس کسی مسئلے میں علم نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جواب نہ دے یا کسی دوسرے عالم کی طرف احالہ کر دے جو اس سے زیادہ جانکار ہو، وہ اسی سوال کا جواب دے جس کے تعلق سے اس کے پاس کتاب وسنت سے دلیل ہو۔

دوسرا:

جواب سوال کے بقدر ہی ہو، الا یہ کہ جواب میں کسی وضاحت کی ضرورت ہو جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ، قَالَ:" نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟، قَالُوا: لَا، قَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟، قَالُوا: لَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ، وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ ".

ترجمہ: ابوقلابہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ثابت بن ضحاک نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ (ایک جگہ کا نام ہے) میں اونٹ ذبح کرے گا تو وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت

وہاں تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟" لوگوں نے کہا: نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا کفار کی عیدوں میں سے کوئی عید وہاں منائی جاتی تھی؟" لوگوں نے کہا: نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی نذر پوری کرلو البتہ گناہ کی نذر پوری کرنا جائز نہیں اور نہ اس چیز میں نذر ہے جس کا آدمی مالک نہیں"۔ (سنن ابی داود: ۳۳۱۳)۔

پتہ چلا کہ سوال کے دوران مستفتی سے تفصیل بھی معلوم کر سکتے ہیں تاکہ جواب دینے میں آسانی ہو۔

تیسرا:

اسی طرح ایک مفتی کیلئے ضروری ہے کہ وہ کتاب سے دلیل کی روشنی میں فتوی دے، ظن وگمان اور قیل وقال کی روشنی میں فتوی نہ دے۔

* دوسرا مستفتی یعنی فتوی پوچھنے والے کے آداب:

پہلا:

کسی مسئلے کے بارے میں فتوی اسی وقت پوچھے جب وہ اس مسئلے کے بارے میں نہ جانتا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔ (النحل: ۴۳)۔

اور اگر اسکے بارے میں جانتا ہو تو پھر پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ کچھ لوگ استفادہ کی خاطر نہیں بلکہ مفتی کو حرج میں ڈالنے کیلئے فتوی پوچھتے ہیں، حالانکہ اسے اس جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ یا لوگوں کے سامنے اپنی علمی پوزیشن دکھانے کیلئے پوچھتا ہے، اور یہ کہ وہ بھی اسے سمجھتا ہے، خواہ مفتی کو حرج میں ڈالنا مقصد ہو یا اسے عاجز کرنا ان دونوں صورتوں میں فتوی پوچھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اظہار نفس کی خاطر بھی فتوی پوچھنا جائز نہیں ہے۔

دوسرا:

اسی طرح ایک مستفتی کو چاہیئے کہ وہ پورے ادب اور تواضع کے ساتھ فتوی پوچھے، تکبر اور خشک کلامی سے فتوی نہ پوچھے۔ آپ دیکھیں جنہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے فتوی پوچھا تھا کس قدر ادب اور وقار کے ساتھ پوچھا تھا۔

تیسرا:

اسی چیز کے بارے میں فتوی پوچھے جسکی اسے ضرورت ہو اور وہ اسے نہ سمجھ پا رہا ہو، یعنی وہ آسان چیزوں کے بارے میں اور غیر ضروری چیزوں کے بارے میں فتوی نہ پوچھے۔

چوتھا:

فتوی پوچھنے سے قبل اس مسئلے میں بلا علم زیادہ دماغ نہ دوڑائے اور نہ ہی اٹکل بچو مارے، بلکہ اپنی لا علمی کا اظہار کر کے پورے ادب و وقار کے ساتھ سوال کرے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا) ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ (النساء: ۸۳)۔

چنانچہ ناگہانی پیش آمدہ مسائل میں اولو الامر علماء اور امراء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اگر اس مسئلے کا تعلق سیاست سے ہوگا تو اسے امراء حل کریں گے اور اگر وہ کوئی شرعی مسئلہ ہو اسے علماء حل کریں گے۔

آیت کا مفہوم یہی ہے کہ معاملات کو انہیں پر پیش کریں جو ان میں مہارت رکھتے ہیں، چنانچہ جب کسی کے بدن میں کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے تو وہ اسکے لئے اطباء کی گردرجوع کرتا ہے جو کہ دوا علاج میں ماہر ہوتے ہیں، وہ ایسے شخص کے پاس نہیں جائے گا جو طبیب نہ ہو، ایسا وہی کرے گا جسکے پاس عقل نام کی ہوئی چیز نہ ہو، ایک عقل مند کسی ماہر طبیب ہی کی طرف رجوع کرے گا تا کہ اسے شفا ملے اور زندگی خطرے میں نہ پڑے۔

جبکہ دین کا معاملہ بدن سے زیادہ اہم ہے اسلئے کسی دینی مسئلے میں کسی ماہر عالم کی طرف رجوع کرے جاہل اور کم علم متعالمین کی طرف رجوع نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا چار قسم کے لوگوں سے تباہ ہوتی ہے: نیم حکیم، نیم فلسفی، نیم ملا اور نیم نحوی۔

نیم حکیم سے بدن تباہ ہوتا ہے۔

نیم فلسفی سے دین وعقیدہ تباہ ہوتا ہے۔

نیم ملا سے مما لک تباہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ اسکے غلط فتوؤں سے حکومتیں برباد ہو جاتی ہیں۔

نصف نحوی سے زبان تباہ ہو جاتی ہے۔

پتہ چلا کہ جو جس علم وفن میں ماہر اور متخصص ہو اس سے اسی کے فن میں رجوع کیا جائے۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو خیر و بھلائی اور نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: جس کا گردہ فیل ہو جائے تو کیا اسکی دھلائی کے دن روزہ رکھ سکتے ہیں؟

جواب: چونکہ گردہ کی دھلائی سے غذائی مواد پیٹ تک پہونچتا ہے اس لیے روزہ صحیح نہیں ہوگا، ویسے بھی وہ معذور ہے، اس دن کی قضا کر لے گا اسلئے کہ اگر رکھے بھی تو وہ روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

سوال: طلبہ کو کچھ ایسی کتابوں کی طرف رہنمائی کریں جنہیں وہ پڑھ سکیں؟

جواب: کتابیں بہت ہیں، اگر غالب کسی مدرسے یا جامعہ میں پڑھتا ہو تو مرحلہ وار وہاں کے نصاب تعلیم میں مقرر کتابیں اسکے لئے کافی ہیں، کیونکہ انہیں مختلف علوم سے منتخب کیا گیا ہے، چنانچہ ایک طالب علم انہیں کتابوں کا اہتمام کرے اور انہیں پر اکتفا کرے۔ اور اگر مساجد کے اندر مشائخ کے علمی حلقوں میں پڑھتا ہے تو جس عالم کے پاس پڑھ رہا ہے وہی اسکی صحیح رہنمائی کریں گے۔

سوال: میری دادی نماز میں اطمینان کو اختیار نہیں کرتی ہیں، میں نے سمجھایا بھی مگر نہیں مانتی ہیں، انکے تعلق سے آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: اطمینان ارکان نماز میں سے ہے، اسکے ترک کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ" أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَدَّ وَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ

لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ يُصَلِّي كَمَا صَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔اس نے نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ واپس جاؤ اور پھر نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی ۔وہ شخص واپس گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھی اور پھر آ کر سلام کیا۔لیکن آپ نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ واپس جا اور دوبارہ نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی ۔آپ نے اس طرح تین مرتبہ کیا۔آخر اس شخص نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ۔میں اس کے علاوہ اور کوئی اچھا طریقہ نہیں جانتا، اس لیے آپ مجھے نماز سکھا دیجئیے ۔آپ نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے تکبیر تحریمہ کہہ۔پھر آسانی کے ساتھ جتنا قرآن تجھ کو یاد ہو اس کی تلاوت کر۔اس کے بعد رکوع کر، اچھی طرح سے رکوع ہو لے تو پھر سر اٹھا کر پوری طرح کھڑا ہو جا۔اس کے بعد سجدہ کر پورے اطمینان کے ساتھ ۔پھر سر اٹھا اور اچھی طرح بیٹھ جا۔اسی طرح اپنی تمام نماز پوری کر۔(صحیح بخاری: ۷۵۷)۔

لیکن اگر آدمی جاہل ہے اسے اس کا علم نہیں ہے تو پھر وہ معذور ہوگا اسلئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھلی نمازوں کے اعادے کا حکم نہیں دیا، لیکن وہ مستقبل میں معذور نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ حکم جاننے کے بعد اطمینان اختیار کرنا واجب ہے۔

لہذا اس خاتون کو مذکورہ حدیث کی روشنی میں اطمینان کی اہمیت بتلائی جائے اگر مان لے تو ٹھیک

ورنہ آپ نے اپنا واجب ادا کر دیا۔

سوال: ان مبتدی طلبہ کو آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے جو طلب علم کو چھوڑ کر دوسروں پر رد وقدح میں مشغول ہیں؟

جواب: ہم طلبہ کو وصیت کرتے ہیں کہ وہ صرف طلب علم میں مشغول رہیں، یہی انکا اصل کام ہے، جب وہ اخلاص اور دلچسپی میں اس میں لگ جائیں گے تو دوسری لایعنی چیزوں سے از خود دور ہو جائیں گے، اور دوسروں پر طعن وتشنیع اور جرح ونقد کرنے سے پرہیز کریں، یہ طلبہ اور غیر طلبہ کسی کیلئے جائز نہیں ہے، اور جہاں تک کسی پر رد کرنے کا تعلق ہے تو یہ ایسے عالم کا کام ہے جو اس فن میں مہارت رکھتا ہو۔

سوال: دوران حیض جماع کرنے کا کیا حکم ہے، اور کیا اس میں کفارہ ہے؟

جواب: دوران حیض جماع کرنا حرام ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ) ترجمہ: آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجیئے کہ وہ گندگی ہے، حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے، اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (البقرہ: ۲۲۲)۔

جماع کیلئے دو شرط لگائی گئی ہے:

پہلی شرط: خون کا رک جانا۔

دوسری شرط: غسل حیض۔

چنانچہ جب وہ حیض سے پاک ہوجائے اور غسل کرلے تو پھر وہ شوہر کیلئے حلال ہوجاتی ہے، جیسا کہ آیت کے آخر میں فرمایا: (فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ) ترجمہ: ہاں جب وہ پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے، اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (البقرہ: ٢٢٢)۔

لیکن اگر حالت حیض میں جماع کرلیا ہے تو یہ حرام کام ہے اس پر پہلے توبہ واجب ہے اور کفارہ بھی واجب ہے اور یہ ایک دینار یا نصف دینار ہے۔ اسے وہ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کردے گا۔

سوال: راستے میں گاڑی سے ایک جانور ٹکڑا گیا، کیا گاڑی کا مالک اس کا ذمیدار ہے یا اس پر کچھ نہیں ہوگا؟

جواب: اگر راستہ پار کرانے کیلئے جانور کا مالک دیکھ بھال کر رہا تھا تو ایسی صورت میں گاڑی کا مالک ذمیدار ہوگا، لیکن اگر وہ کوئی آوارہ جانور ہے اور عام شاہراہ پر ٹکڑا گیا تو پھر ایسی صورت میں نہ تو گاڑی کے مالک پر کچھ ہوگا اور نہ ہی ڈرائیور پر۔

سوال: روزے کی حالت میں سینگی لگوانے کا کیا حکم ہے؟ معلوم رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی ہے۔

جواب: صحیح یہ ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں سینگی لگوائی ہے (صحیح بخاری: ١٨٣٥)، نہ کہ روزے کی حالت میں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو روزے کی حالت میں سینگی

لگوانے دیکھا تو فرمایا: سینگی (پچھنا) لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى عَلَى رَجُلٍ بِالْبَقِيعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِي لِثَمَانِ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ، فَقَالَ: " أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ ".

ترجمہ: سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں ایک شخص کے پاس آئے جو کہ سینگی لگا رہا تھا، آپ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، یہ رمضان کی اٹھارہ تاریخ کا واقعہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سینگی (پچھنا) لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا"۔ ابوداؤد کہتے ہیں: خالد الحذاء نے ابوقلابہ سے ایوب کی سند سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔ (سنن ابی داود: ۲۳۶۹)۔

پتہ چلا کہ سینگی لگوانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اسی طرح زیادہ خون کھینچنے سے بھی۔

سوال: کیا گانا سننا گناہ کبیرہ ہے؟

جواب: قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں گانا سننا حرام ہے، یہ ائمہ دین کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اسکے علاوہ دوسرے کم علم متعالمین اور مبتدی لوگوں کے فتوؤں کی طرف نہ دیکھیں۔

سوال: سجدہ سہو کی تفصیل کی درخواست ہے؟

جواب: سجدہ سہو کی تین حالات ہیں:

پہلی حالت: نماز میں بھول سے کمی ہو جائے۔

دوسری حالت: بھول کر زیادتی ہوجائے۔

تیسری حالت: رکعات کی تعداد میں شک ہوجائے۔

ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے، اور شک کی صورت میں جدھر غالب گمان ہوگا اسی پر یقین کرے گا۔

سوال: گھر میں منکرات کو دیکھ کر ایک باشرع نوجوان کیا کرے؟

جواب: اپنی استطاعت بھر اسے ختم کرنے کی کوشش کرے اور نصیحت کرے، اور نصیحت نہ سننے کی صورت میں اگر دوسری جگہ رہنا اسکے لئے ممکن ہو تو گھر ہی چھوڑ دے، بصورت دیگر وہاں پر رہے اور نصیحت کرتا رہے۔

سوال: سترہ کا کیا حکم ہے، واجب ہے یا مستحب؟

جواب: نمازی کے سامنے سترہ سنت ہے واجب نہیں، بغیر سترہ کے نماز ہوجائے گی، کیونکہ مسیء صلاۃ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سترہ کے بارے میں نہیں بتلایا ہے، معلوم ہوا سترہ سنت ہے، اس میں مصلحت ہے سامنے گزرنے والوں کو روک دیتا ہے، اور یہ سترہ امام کیلئے اور تنہا نماز پڑھنے والے کیلئے ہوگا، مقتدیوں کیلئے نہیں ہوگا۔

سوال: داڑھی کاٹنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: داڑھی مرد کی خوبصورتی ہے، یہ بھی دیگر اعضائے جسم کی طرح ہے، اسکا اسلام مقام اور خاص احترام ہے، یہ مردانگی کی علامت ہے، ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور داڑھی کاٹنے

والوں سے اور سنت کی مخالفت کرنے والوں سے دھوکہ نہ کھائے۔

سوال: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیارے صحابہ کو گالی دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا بالاتفاق کفر وارتداد ہے، بلا توبہ کرائے اسے قتل کیا جائے گا، جبکہ صحابہ کو گالی دینا نفاق کی علامت ہے، صحابہ سے ایک منافق ہی بغض رکھ سکتا ہے، کیونکہ اللہ نے انکی تعریف کی ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا) ترجمہ: محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ (الفتح:۲۹)۔

اسی آیت کی روشنی میں امام مالک نے کہا ہے کہ صحابہ سے بغض کفار ہی رکھتے ہیں اور وہی صحابہ کو

دیکھ کر غصبناک ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مت برا کہو میرے اصحاب کو، مت برا کہو میرے اصحاب کو، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی تم میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) تو ان کے مد (سیر بھر) یا آدھے مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۴۰)۔

اسی ارشاد باری تعالی ہے: (وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔

اسی طرح ایک جگہ اللہ تبارک وتعالی ہے فرمایا ہے: (لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا) ترجمہ: بلاشبہ یقینا اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں

بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔(الفتح:۱۸)۔

پتہ چلا کہ صحابہ کو برا بھلا وہی کہے گا جو کفر و نفاق یا گمراہی پر ہوگا۔

سوال: خواتین کی خصوصی پروگراموں میں کسی خاتون کا فوٹو گرافی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: تصویر کشی حرام خواہ وہ مرد کرے یا عورت، یہ گناہ کبیرہ ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر بنانے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور یہ کہ انہیں سب سے سخت عذاب دیا جائے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ".

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: "اللہ کے پاس قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو سخت سے سخت تر عذاب ہوگا۔" (صحیح بخاری:۵۹۵۰)۔

ہر طرح کی تصویر کشی حرام ہے کیونکہ حدیثوں میں عموم ہے۔لہذا بلا مصلحت راجحہ اور سخت ضرورت کے تصویر بنانا جائز نہیں ہے۔

سوال: معاصی میں ڈوبے ہوئے شخص کے ساتھ رہنے کا کیا حکم ہے، بطور خاص اگر وہ قریبی رشتہ دار ہو؟

جواب: اسے نصیحت کرنا واجب ہے، اور اگر قریبی رشتہ دار ہے تو اسے نصیحت کرنا مزید ضروری ہو جاتا ہے۔اگر نصیحت قبول کرلے تو یہی مطلوب ہے ورنہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔

سوال: اس شخص کا کیا حکم ہے جو دینی مسائل میں جو آسان ہو اسی کو لے یہ کہہ کرکہ مسئلے میں اختلاف ہے؟

جواب: وہ دراصل اپنی خواہش کا پجاری ہے، وہ اپنے نفس کو معبود سمجھتا ہے، اسی لئے جو اسکی خواہش میں آتا ہے اسی کو لیتا ہے اور جو اسکی خواہش کے خلاف ہے اسے ترک کر دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ) ترجمہ: پھر کیا جب کبھی کوئی رسول تمھارے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے تمھارے دل نہ چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا تو ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (البقرہ: ۸۷)۔

ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی ہے فرمایا: (أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا) ترجمہ: کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہدار ہوسکتے ہیں؟ (الفرقان: ۴۳)۔

ایک مسلمان وہ ہے جو شریعت کو مکمل طور پر لیتا ہے ایسا نہیں کہ جو اس کے دل میں آئے اسے لے اور جو دل میں نہ آئے اسے نہ لے۔ یا بعض کو لے اور بعض کو چھوڑ دے۔ ایک مومن علماء کے رخصتوں پر عمل نہیں کرتا بلکہ کتاب وسنت پر مبنی دلیلوں پر عمل کرتا ہے۔

سوال: اس شخص کا کیا حکم ہے جو گناہ کرے پھر توبہ کرے پھر واپس فماہ کرلے؟

جواب: وہ جب بھی گناہ کرے توبہ کرلیا کرے اللہ تعالی توبہ کرنے والوں کا توبہ قبول کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ [53] وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ

وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ) ترجمہ: (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے [53] تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔ (الزمر: ۵۴)۔

سوال: میں شادی شدہ نوجوان ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ دوسری شادی کرنے سے میرا پہلا گھر تباہ ہو جائے گا؟

جواب: مصلحت کا خیال کیا جائے گا، اگر دوسری شادی کرنے سے نقصان ہونے کا خطرہ ہو تو دوسری شادی نہ کرنا ہی میں مصلحت ہے؛ کیونکہ مصالح مفاسد پر مقدم ہوتے ہیں۔

سوال: میں نے دو سال تک نماز چھوڑ رکھی تھی، اب میں نے توبہ کرلیا ہے، کیا مجھ پر ان نمازوں کی قضا ہے؟

جواب: صحیح یہی ہے کہ ان نمازوں کی قضا نہیں ہے، کیونکہ تم نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی ہے جو کہ دین سے خروج ہے، مگر اب چونکہ توبہ کرکے نئے سرے سے دین میں داخل ہوئے ہو اسلئے نماز کو لازم پکڑو، اسلام پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، اسی طرح توبہ بھی پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

سوال: ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو رخصتوں کی تلاش میں فتوی مختلف جگہوں سے پوچھتے ہیں؟

جواب: جو رخصتوں کو تلاش کرتا ہے وہ دراصل خواہش نفس کا پیروکار ہے، غلط فتوی کسی حرام کو حلال

نہیں کرسکتا۔

سوال: کیا فتوی کا نام کرنا جائز ہے بایں طور کہ آدمی کہے کہ اس مسئلے میں فلاں کا یہ فتوی ہے؟

جواب: جب تک علماء موجود ہیں بلا واسطہ انہیں سے فتوی پوچھنا چاہئے، کیونکہ فتوی کے نقل کرنے میں غلطی ہوسکتی ہے، ممکن ہے نقل کرنے والے سے غلطی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس فتوی کو غلط سمجھا جائے۔

سوال: اگر کہیں پر علماء نہ ہوں تو ایسی صورت میں کیا طالب علم سے فتوی پوچھ سکتے ہیں؟

جواب: جی، جائز ہے، لیکن دیکھیں کہ جو طالب علم زیادہ علم اور تقوی والا ہو اسی سے پوچھیں، لیکن جو بڑے مسائل ہیں جیسے طلاق وغیرہ کے مسائل ان میں ہر کوئی فتوی نہ دے سکتا، ان سے مسائل کیلئے شرعی عدالتوں اور دارالافتاء کی طرف رجوع کریں۔

سوال: ایک شخص نے گاڑی سے کسی آدمی کو ٹکر ماردی جس میں اسکا پیر ٹوٹ گیا، مگر وہ موقع سے فرار ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد جب اسے اپنے جرم کا احساس ہوا تو اس اسی کی تلاش شروع کیا مگر نہ پایا، اب وہ کیا کرے؟

جواب: ٹرافک پولیس سے معلوم کرے، ان لوگوں نے ضرور اس حادثے کو لکھا ہوگا، چنانچہ ٹرافک پولیس کے پاس جاکر اپنے بارے میں اور اس حادثے کے بارے میں خبر دے، وہیں پر کسی کی حل ہو جائے گا۔

سوال: ایک شخص مجھ سے یہاں پر سعودی ریال لیتا ہے اور اپنے ملک جاکر اسے ڈالر میں

تبدیل کرلیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک شخص کرنسی خریدے اور اسے اپنے ملک میں بھیج دے جہاں اسے سو اسی کرنسی میں تبدیل کرلیا جائے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ یہاں پر نقد کرنسی دے اور دوسرے ملک میں جا کر اسکا چیلنج لے تو اس میں اشکال اور شک ہے، کیونکہ نقد اور قبضہ ایک مجلس میں شرط ہے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے، اس لئے شک سے بچتے ہوئے بہتر یہی ہے کہ یہاں پر نقد لیکر اسے اپنے ملک حوالہ کے ذریعے بھیج دے۔

سوال: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ ایمان تو دل میں ہے؟

جواب: ایمان صرف دل میں نہیں بلکہ دل کے ساتھ زبان اور عمل میں بھی ہے، صرف دل میں کہنا جائز نہیں ہے

سوال: ۱۳ یا ۱۴ سال کی عمر میں ایک آدمی کا مال چوری کیا تھا، اب وہ آدمی مر چکا ہے، کیا میں اس رقم کو ادا کیئے بغیر حج کرسکتا ہوں؟

جواب: کوشش کر کے صاحب حق کو تلاش کرے اور اس وقت تک مال کو پہونچا دے، اگر کوشش کے باوجود نہ مل سکے تو ایسی صورت میں وہ مال صدقہ کر دے اور نیت میں صاحب مال کو اجر پہونچانا ہو۔

سوال: میں نے ایک لڑکی سے شادی کی اس گمان میں کہ لڑکی باکرہ ہوگی مگر شادی کی رات معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں ہے، کیا میں اسے طلاق دیدوں یا خاموش رہوں؟

جواب: اگر لڑکی نے توبہ کرلیا ہے تو اگر وہ چاہے تو رکھ سکتا ہے اور اگر شک میں ہے تو طلاق بھی دے سکتا ہے۔

سوال: کپڑا کتنا چھوٹا ہو کیا شریعت میں اسکی کوئی حد ہے؟
جواب: یہ شہر کی عادت پر منحصر ہے، بس ٹخنے سے نیچے نہ ہو، کیونکہ یہ حرام ہے۔

سوال: کیا مشائخ سے رجوع کئے بغیر صرف کتابوں کا پڑھنا کافی ہے؟
جواب: اسی چیز نے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، کتابوں کا مطالعہ کریں گے مگر صرف اسی پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ علماء سے بلا واسطہ سیکھا جائے۔

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ مغرب کی دو رکعت سنت فجر کی سنت سے زیادہ اہم ہے؟
جواب: فجر کی سنت زیادہ اہم ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سنت کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے، خواہ مقیم ہوں یا حالت سفر میں، لیکن دوسری سنتوں کو سفر میں چھوڑ دیتے تھے۔

سوال: آج کے پرفتن دور میں ایک نوجوان اپنے آپ کو شہوات اور شبہات کے فتنوں سے کیسے بچائے؟
جواب: تقوی، خوف الہی اور نظریں نیچی رکھ کر، شادی کرے اور ٹی وی چینلز پر نہ بیٹھے۔

سوال: بالوں کو کالے رنگ میں رنگنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: " أُتِيَ بِأَبِي قُحَافَةَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ كَالثَّغَامَةِ بَيَاضًا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " غَيِّرُوا هَذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ".

ترجمہ: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ابوقحافہ جس سال مکہ فتح ہوا آئے ان کا سر اوران کی داڑھی ثغامہ کی طرح سفید تھی (ثغامہ ایک گھاس ہے سفید) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ "بدل دو اس سفیدی کو کسی چیز سے اور کالے رنگ سے اجتناب کرو۔" (صحیح مسلم: ۲۱۰۲)۔

ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَكُونُ قَوْمٌ يَخْضِبُونَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آخر زمانے میں کچھ لوگ کبوتر کے سینے کی طرح سیاہ خضاب لگائیں گے وہ جنت کی بو تک نہ پائیں گے"۔ (سنن ابی داود: ۴۲۱۲)۔

یہ سخت وعید ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہیں بلکہ یہاں وعید مراد ہے، جس سے اسکی حرمت کا پتہ چلتا ہے۔

سوال: کیا جینز پینٹ میں نماز پڑھنا درست ہے؟

جواب: جو لباس شہر میں عام ہو اسی کو پہننا چاہئے، جینز پینٹ بہت تنگ ہوتا ہے نماز پڑھنے اور بیٹھنے میں پریشانی ہوتی ہے، اس لئے نماز کیلئے ڈھیلا لباس کا ہونا مناسب ہے، جیسے قمیض اور ازار وغیرہ۔

سوال: ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ دو بچیاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے سامنے گا رہی تھیں، اس بارے میں آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: وہ دونوں چھوٹی بچیاں تھیں جو غیر مکلف تھیں، اور وہ حرام اور فحش گانا نہیں گا رہی تھیں، مزید وہ عید کا دن تھا، لہذا اگر چھوٹی بچیاں خوشی کے دن کچھ گیت گائیں جو نہ حرام ہو اور نہ ہی فحش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: ایک لڑکی نے حالت حیض میں عمرہ کیا ہے، اسکا کیا کفارہ ہے؟

جواب: وہ عمرہ نہیں ہے، صرف احرام کی نیت تھی، اب اسے چاہیئے کہ دوسرا عمرہ کرے تاکہ پہلے کیل ئے کافی ہو جائے۔

سوال: اگر کوئی شوہر بیوی سے کہے کہ اگر تم نے جوال کو چھوا تو تم پر طلاق ہو جائے گی، لیکن بیوی نے شوہر کی بات کا مطلق دھیان نہیں دیا، کیا یہ طلاق واقع ہو جائے گی؟

جواب: اس تعلق سے شرعی عدالت کا دار الافتاء کی طرف رجوع کریں۔

سوال: کیا بسملہ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے؟ اور بسملہ کو جہری آواز میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: صحیح یہ ہیکہ یہ کسی سورت کا حصہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل آیت ہے، فاتحہ سے قبل اسے پڑھنا مستحب ہے، لیکن اسے آہستہ پڑھا جائے گا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ ، قَالَ: " صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سورة

الفاتحۃ آیۃ 1 ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر و فاروق اعظم وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی نماز میں (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) (جہر سے) پڑھتے نہیں سنا۔ (صحیح مسلم: ۳۹۹)۔

سوال: مصحف کو سونے یا چاندی سے کسی تختی پر لکھ کر اسے مسجد نبوی یا مسجد حرام میں ہدیہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اسکی ضرورت نہیں ہے، اگر مصحف ہدیہ کرنا چاہتے ہیں تو نمازیوں کے لئے ہدیہ کریں بایں طور کہ مصحف چھپوا کر مساجد میں رکھیں جس میں اجر عظیم ہے، سونے چاندی سے تختی میں لکھنے سے پیسے کا ضیاع ہے اور اسراف بھی نیز اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں اور نہ ہی کوئی اجر ہے۔

سوال: مسجد کے صحن میں فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد کی دیوار کے اندر خرید وفروخت جائز نہیں ہے، خواہ اندر کی جگہ چھت کے اندر ہو یا باہر۔

سوال: ایک عورت نے عمرہ میں طواف کیا مگر سعی نہیں کیا اور واپس طائف اپنے گھر چلی آئی، اب اس پر کیا واجب ہے، اس اطلاع کے ساتھ وہ اپنے شوہر سے مل چکی ہے؟

جواب: اس دو چیزیں واجب ہیں:

پہلی چیز: وہ واپس جائے اور سعی اور تقصیر کرے، کیونکہ سعی اور تقصیر اسکے ذمہ باقی رہ گئے ہیں۔

دوسری چیز: جماع کی وجہ سے اس فدیہ واجب ہے جسے وہ مکہ کے فقراء میں تقسیم کرے گی۔

سوال: کیا صبح وشام کے اذکار نماز کے بعد پڑھ کر میں اسے ہاتھ میں پھونک کر بدن پر مل سکتا ہوں؟

جواب: یہ سونے کے وقت کیلئے ہے، نماز کے وقت نہیں، جس میں اخلاص اور معوذتین پڑھا جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا، فَقَرَأَ فِيهِمَا: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ، يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ، يَفْعَلُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب بستر پر آرام فرماتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر (قل ھو اللہ أحد)، (قل أعوذ برب الفلق) اور (قل أعوذ برب الناس) (تینوں سورتیں مکمل) پڑھ کر ان پر پھونکتے اور پھر دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے تھے۔ پہلے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے اور سامنے کے بدن پر۔ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ کرتے تھے۔(صحیح بخاری: ۵۰۱۷)۔

سوال: ایک خاتون بیمار تھی جسے ایک راقی کے پاس بھیجا گیا مگر بعد میں پتہ چلا کہ وہ شعبدہ باز ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر نہیں جانتی تھی تو اللہ معاف کرے گا، لیکن آئندہ احتیاط کرے، اور اس شعبدہ باز کے تعلق سے ذمیداران کو خبر کردے۔

سوال: میں قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میرے اوپر حرام ہے اگر میں تمہارے لئے یہ کروں، کیا یہ لفظ حرام طلاق ہوگا حالانکہ میں نے صرف قسم مراد لی ہے طلاق نہیں؟

جواب: اسکے لئے شرعی عدالت میں جا کر قاضی سے رجوع کریں۔



۹۵-علماء امت کی فضیلت اور انکا مقام ومرتبہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

مسلمانوں کے اندر علمائے امت کی کیا اہمیت وضرورت اور انکا کیا مقام ومرتبہ ہے اس سے ہر شخص واقف ہے؛ کیونکہ علماء کے بغیر دین وعقیدے کے امور میں یہ امت ضائع ہوجائے گی، اس لئے سماج کے اندر علماء کا ہونا ضروری ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ علماء سے کون مراد ہیں؟ علماء سے مراد علمائے ربانیین ہیں جو اپنے علم کی بنیاد پر رب سے ڈرتے ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ) ترجمہ: یقینا اس کے بندوں میں سے صرف علم والے ہی ڈرتے ہیں۔(فاطر:۲۸)۔

لیکن وہ لوگ جو مجرد عالم ہوتے ہیں، ان کا علم صرف انکی زبانوں پر ہوتا ہے انکے دلوں میں اللہ کا کوئی خوف نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے، کیونکہ یہ خواہشات کے بندے ہوتے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

مسند احمد کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيمِ اللِّسَانِ۔

ترجمہ: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مجھے اپنی امت کے متعلق سب سے زیادہ خطرہ اس منافق سے ہے جو زبان دان ہو۔(مسند احمد:۱۴۳)۔

مزید ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: (وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ) ترجمہ: اور میں اپنی امت پر گمراہ کر دینے والے ائمہ سے ڈرتا ہوں۔(سنن ابی داود:۴۲۵۲)۔

چنانچہ جہاں بھی علماء کی تعریف وارد ہوئی ہے اس سے علمائے ربانیین مراد ہیں، جو اللہ سے کماحقہ خوف کھاتے ہیں، اور تقوی شعار ہیں، سماج کے اندر اصلاح کا کام کرتے ہیں اور امت کو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اس طرح امت ان کے نقش قدم پر چلتی ہے، اور علم وعمل اور دعوت میں نیز اصلاح معاشرہ اور اخلاق ومعاملات میں انہیں اپنا اسوہ بناتی ہے، یقینا یہی لوگ اللہ کی طرف سے تعریف کے مستحق ہیں۔

معلوم ہوا کہ اس ربانی تعریف میں ہر عالم نہیں آئے گا بلکہ وہ علمائے ربانیین آئیں گے جو صالح اور مصلح ہوتے ہیں، جو علم دین کو عام کرتے ہیں اور اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہونچاتے ہیں، وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں، یہی حقیقی علماء ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ) ترجمہ: کہہ دیں کہ علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔(اپنے رب کی طرف سے)۔(الزمر:۹)۔

ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں جو عالم ہوتے ہیں مگر باعمل نہیں ہوتے وہ زبانی عالم ہوتے ہیں یا پھر کچھ کم علم متعالمین ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف نہیں ہوتا ہے، انہیں لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوف کا اظہار کیا تھا کہ میری امت کو انہیں لوگوں سے خطرہ ہے، جو کتاب وسنت کی غلط تعبیر کریں گے، اور لوگوں کے دین وعقیدہ کو بگاڑیں گے، انکے لئے رخصتیں نکالیں گے، انہیں لوگوں سے معاشرے کو خطرہ ہے۔

لیکن جو حقیقی عالم ہے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے اور وہی دین کی صحیح خدمت کر رہا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ) ترجمہ: اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کی تمام ستاروں پر، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور نبیوں نے اپنا وارث درہم و دینار کا نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا تو جس نے علم حاصل کیا اس نے ایک وافر حصہ لیا۔ (سنن ابی داود: ۳۶۴۱)۔

اسی لئے علماء کی موجودگی میں شیاطین لوگوں کو عمومی طور پر گمراہ نہیں کر پاتے، بلکہ کچھ ہی لوگوں کو اپنی جال میں پھنسا پاتا ہے لیکن جہاں علماء نہیں ہوتے وہاں عمومی طور پر سب کو گمراہی کہ راہ پر لگا دیتا ہے، اسی لئے علماء کی عابدوں پر فضیلت بتائی گئی ہے: (وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ) ترجمہ: اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کی تمام ستاروں پر۔ (سنن ابی داود: ۳۶۴۱)۔

ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ) ترجمہ: اور لیکن رب والے بنو، اس لیے کہ تم کتاب سکھایا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم پڑھا کرتے تھے۔ (آل عمران: ۷۹)۔

چنانچہ علم کا یاد رکھنا اور اقوال علماء اور نصوص کو محفوظ کر لینا ہی صرف کافی نہیں ہے، بلکہ اسکے لئے تو کتابیں کافی ہیں جہاں یہ سب محفوظ ہیں، بلکہ عالم وہ ہے جو متحرک اور سودمند ہو جہاں بھی رہے کتاب وسنت کی روشنی میں دین کے علم کو پھیلاتا رہے ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ جن ائمہ کرام نے علم دین کو پھیلایا اور عام کیا آج انہیں کا نام تاریخ میں موجود ہے، اور انہیں کا پھیلایا ہوا علم باقی ہے مگر جن لوگوں نے علم کو

صرف یاد کرنے پر اکتفا کیا اور اشاعت دین کو لیکر جو فریضہ تھا اسے انجام نہیں دیا ایسے لوگوں کا تاریخ میں کہیں کوئی نام نہیں ملتا اور نہ ہی لوگوں کی زبان پر ان کا ذکر آتا ہے۔صرف انہیں کا ذکر باقی ہے جنہوں نے دین اسلام کی خدمت کی اور اسے پھیلایا، آج انہیں کی تعریف ہو رہی ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کہا ہے:(وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ) ترجمہ: اور پیچھے آنے والوں میں میرے لیے سچی ناموری رکھ۔(الشعراء:۸۴)۔

آج انکی کتابیں مسلم معاشرے کیلئے مشعل نور ہیں، انہیں کا علم آج لوگوں میں موجود ہے ایسا لگتا ہے کہ وہ آج بھی ہمارے درمیان زندہ ہیں۔

ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ، إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”جب مرجاتا ہے آدمی تو اس کا عمل موقوف ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ایک صدقہ جاریہ کا۔ دوسرے علم کا جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔تیسرے نیک بخت بچے کا جو دعا کرے اس کے لیے۔“ (صحیح مسلم:۱۶۳۱)۔

صدقہ جاریہ ہو یا نیک اولاد یہ سب کبھی نہ کبھی ختم ہو جائیں گے اور وہ سلسلہ رک جائے گا مگر علم نافع جسے عالم چھوڑ کر جاتا ہے یہ کبھی ختم نہیں ہوتا ہے لوگ اسے یکے بعد دیگرے نسلا بعد نسل وراثت میں حاصل کرتے رہتے ہیں، چنانچہ انکے اخلاص کا نتیجہ ہے کہ انکا ذکر باقی رہ جاتا ہے باقی سب ختم ہو جاتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:(فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ) ترجمہ: پھر جو جھاگ ہے سو بے کار چلا جاتا ہے اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے، سو زمین میں رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ (الرعد: ۱۷)۔

چونکہ انکا علم نافع اور مفید ہے اسی لئے باقی رہتا ہے اور حقیقت میں یہی تعریف اور دعا کے مستحق ہیں۔

آپ غور کریں کہ نوح علیہ السلام کی قوم میں شیطان شرک کو اسی وقت پھیلا سکا جب وہاں سے علماء ختم ہو گئے، اس طرح شیطان نے اس قوم کو بت پرستی تک پہونچا دیا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ أَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَأَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَأَمَّا يَغُوثُ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجَوْفِ عِنْدَ سَبَإٍ، وَأَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الْكَلَاعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ، وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جو بت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے بعد میں وہی عرب میں پوجے جانے لگے۔ ود دومۃ الجندل میں بنی کلب کا بت تھا۔ سواع بنی ہذیل کا۔ یغوث بنی مراد کا اور مراد کی شاخ بنی غطیف کا جو وادی اجوف میں قوم سبا کے پاس رہتے تھے یعوق بنی ہمدان کا بت تھا۔ نسر حمیر کا بت تھا جو ذوالکلاع کی آل میں سے تھے۔ یہ پانچوں نوح علیہ السلام

کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے جب ان کی موت ہوگئی تو شیطان نے ان کے دل میں ڈالا کہ اپنی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھے تھے ان کے بت قائم کرلیں اور ان بتوں کے نام اپنے نیک لوگوں کے نام پر رکھ لیں چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اس وقت ان بتوں کی پوجا نہیں ہوتی تھی لیکن جب وہ لوگ بھی مر گئے جنہوں نے بت قائم کئے تھے اور علم لوگوں میں نہ رہا تو ان کی پوجا ہونے لگی۔(صحیح بخاری: ۴۹۲۰)۔

اسی کے بعد اللہ تعالی نے اس قوم کے اندر نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا جنہوں نے اس قوم کو شرک سے روکا مگر انہوں نے ہر دھرمی دکھائی اور کہا جیسا کہ قرآن نے نقل کیا ہے:(وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا) ترجمہ: اور انھوں نے کہا تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ کبھی ودّ کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔(نوح: ۲۳)۔

آپ یاد رکھیں کہ شرک و بدعات اور خرافات کا مقابلہ صرف علماء ہی کرتے ہیں، لیکن جہاں علماء نہیں ہوتے وہاں پر شیاطین انس و جن لوگوں کو گمراہ کرنے اور شرک و بدعات کو عام کرنے میں آزاد ہوتے ہیں، دین اور اصلاح کے نام پر دین کا بیڑا غرق کرتے ہیں، لیکن جہاں پر علمائے ربانیین پائے جاتے ہیں وہاں پر شیاطین الانس والجن اپنے بلوں میں چھپے بیٹھے ہوتے ہیں۔جبکہ علمائے سوء اور علمائے بدعت کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔

حقیقی علماء وہی ہیں جو دینی علوم کو انکے صحیح مصادر سے اہل علم کے ہاتھوں سیکھتے ہیں، پھر اسکی تبلیغ بھی کرتے ہیں، چنانچہ سماج ایسے ہی علماء سے صحیح معنوں میں استفادہ کرتا ہے اس طرح سماج انہیں بقا سے باقی رہتا ہے، اور انکے زوال سے سماج زوال پذیر ہوجاتا ہے۔

اسی سے ہمیں علماء کی اہمیت اور لوگوں کو علماء کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے چنانچہ اللہ تعالی علماء کی مدح وستائش کرتے ہوئے فرماتا ہے:(يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا

الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ) ترجمہ: اللہ ان لوگوں کو درجوں میں بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔(المجادلۃ: ۱۱)۔

*** عالم وہ ہے جو ذی علم کے ساتھ باعمل بھی ہو:**

علم الہام وخواب سے حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ گمراہ اہل تصوف کا خیال ہے بلکہ یہ محنت ومشقت سے حاصل ہوتا ہے جو علمائے ربانیین کے ذریعے تلقین اور انکی رہنمائی میں حاصل ہوتا ہے، جاہل، کم علم متعالمین اور علمائے ضلالت کے ذریعے علم نہیں ملتا۔

لہذا یہ جان لیں کہ علم بغیر تعلیم اور محنت کے نہیں حاصل ہوسکتا جیسا کہ صوفیا کہتے ہیں کہ عبادت اور ذکر میں مشغول رہو علم یونہی بلا محنت کے آجائے گا، اسی لئے وہ حصول علم اور تعلیم کو ہلکا بنا کر پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عمل میں مشغول رہو، علم تمہیں عمل سے غافل کر دیتا ہے! ان بیچاروں کو کیا پتہ کہ کوئی عمل صالح اور مقبول اسی وقت ہوگا جب اسکی بنیاد علم نافع پر ہوگی، اسی لئے علم کا سیکھنا عمل پر مقدم ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ) ترجمہ: پس جان لے کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کی معافی مانگ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی اور اللہ تمھارے چلنے پھرنے اور تمھارے ٹھہرنے کو جانتا ہے۔(محمد:۱۹)۔

اور امام بخاری نے اسی آیت کی روشنی میں باب باندھا ہے کہ عمل سے پہلے علم کا ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ عمل کی بنیاد علم پر ہوتی ہے، اسلئے کہ اگر کوئی عمل صحیح علم پر مبنی ہیں ہوگا تو وہ گمراہی ہوگی، اس لئے کہ وہ دلیل اور ہدایت پر مبنی نہیں ہے، اسی طرح بغیر عمل کے علم بھی بے سود ہے، بلکہ وہ علم بروز قیامت

اسکے خلاف حجت ہوگا۔

معلوم ہوا کہ علم اور عمل دونوں کی ضرورت ہے، اگرکسی نے علم حاصل کیا اور عمل چھوڑ دیا تو وہ یہود کی طرح مغضوب علیہ ہوگا اور جو عمل کرے بغیر علم کے تو وہ نصاری کی طرح گمراہ ہوگا۔ جبکہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں کا راستہ ہی کامیابی ضامن ہے جو علم نافع اور عمل صالح کو جمع کرتا ہے اسی لئے ہم نماز کے اندر ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے آخر میں اسی کی دعا کرتے ہیں، یعنی اس راستے کی جس پر اللہ کے انعام یافتہ بندے چلتے ہیں جن کا تذکرہ اس آیت کے اندر وارد ہوا ہے:(وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا [69] ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا)

ترجمہ: اور جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔ [69] یہی اللہ کی طرف سے خاص فضل ہے اور اللہ کافی ہے سب کچھ جاننے والا۔ (النساء:٧٠)۔

یہاں پر انعام یافتہ بندوں کے راستے پر چلنے کا حکم ہے جس میں علم اور عمل دونوں شامل ہیں، اور دو راستوں سے ڈرایا گیا ہے: ایک یہود کا راستہ جس میں علم ہے مگر عمل نہیں، اور دوسرا نصاری کا راستہ جس میں عمل ہے مگر علم نہیں، اسی لئے انہیں گمراہ کہا اور یہود کو مغضوب علیہم کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان کر بھی اس پر عمل نہیں کیا۔ جبکہ نصاری نے جہالت اور گمراہی کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کی۔

*علم نافع:

ایسے علم کا ہونا ضروری ہے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہو، اور کتاب وسنت کا علم ماہرین کتاب و سنت ہی سکھائیں گے، لہذا یہ علم انہیں ماہرین فن سے حاصل کیا جائے گا، چنانچہ مبتدی طلبہ کتاب وسنت

سے بلا واسطہ علم نہ سیکھیں بلکہ انہیں ماہرین فن سے حاصل کریں، اسی کو علم نافع کہیں گے، جو نہ صرف کتاب کے مطالعے سے آتا ہے اور نہ ہی کم علم متعالمین اور زاہدوں سے آتا ہے جن کے پاس صرف زہد وورع اور عبادت ہوتی ہے ۔انکے پاس کوئی صحیح علم نہیں ہوتا۔

سلف کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ علمائے ربانیین سے دینی علوم سیکھتے تھے، کیونکہ اللہ نے انہیں انبیاء کا وارث بنایا ہے، اس لئے کہ یہ اسی انبیائی مشن پر کام کرتے ہیں، چنانچہ جس طرح انبیاء لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح یہ بھی وہی کام کرتے ہیں، اور یہ بندوں پر اللہ کی رحمت ہے کہ علماء کو انبیاء کا وارث بنا دیا جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں اسلئے کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، یہی علمائے ربانیین قیامت تک اس کام کو انجام دیتے رہیں گے ۔

***علماء کے مناقب وفضائل:**

علماء کا استہزاء نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آج کل میڈیا میں اور ٹی وی چینلز پر بعض جاہل اور لبرل صحافیوں اور کم علم متعالمین کی طرف سے سننے میں آرہا ہے جو علماء پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور انکے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، یا کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ دینی علم صرف انہیں کے ساتھ خاص نہیں ہے، جی ہاں یہ کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے مگر لیا اسی سے جائے گا جو اس میں ماہر ہو، جاہل اور کم علم متعالمین سے نہیں لیا جائے گا، گرچہ انکی نیت درست نیک ہو، یہاں نیت کا نیک ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ اس علم کا ہونا ضروری ہے جسے دیکر اللہ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ) ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ برا جانیں ۔(التوبہ: ۳۳)۔

یہاں پر ہدایت سے مراد علم نافع اور دین حق سے مراد عمل صالح ہے، اسی سے علم دین کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

اسلئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ علماء کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے یا انکے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی کوشش کی جائے، یا انکی صحبت ترک کردی جائے، بلکہ کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو علماء کو خانوں میں بانٹ کر کہتے ہیں کہ فلاں عالم کو ترک کردو اسکے پاس نہ جاؤ، ہاں یہ ٹھیک ہے کہ جس کے پاس کوئی خیر نہیں اسے چھوڑ دیں گے لیکن خواہش نفس کی پیروی میں یا کسی کے قیل وقال کی وجہ سے اچھے علماء کو نہیں چھوڑیں گے، دراصل یہ جہلاء اور اعدائے دین علماء کی شان گھٹانا چاہتے ہیں تاکہ ان کی جگہ دوسروں کو منظر عام پر لا سکیں، جو عوام کو اپنے باطل افکار سے گمراہ کریں۔ کیونکہ جو خود گمراہ ہے وہ دوسروں کو گمراہ ہی کرے گا، جس طرح کہ جو ہدایت پر ہوتا ہے وہ دوسروں کو ہدایت ہی کی رہنمائی کرتا ہے، اسلئے ہم ایسے لوگوں کی طرف مطلق توجہ نہیں دیں گے۔

اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو کتاب وسنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے والوں پر تشدد، غلو اور احساس کمتری کا الزام لگاتے ہیں، یہ سب اہل علم سے متنفر کرنے کیلئے کرتے ہیں کیونکہ اہل علم انکی خواہش کے مطابق فتوی نہیں دیتے ہیں اور اسی لئے یہ لوگ ان گمراہ داعیوں کو بلند فکری اور وسیع القلبی جیسے القاب سے نوازتے ہیں جو انکی خواہش کے مطابق فتوی دیتے ہیں۔

*** اختلاف وانتشار اور فتنوں کے دور میں علماء کا کردار:**

کیا اگر دنیا دوزخ کی راہ پر چل رہی ہو تو ہم بھی اسی راہ پر چل پڑیں گے؟

ہم حق اور اہل حق کے ساتھ چلیں گے اس راہ پر جو جنت کی طرف جاتی ہے، لیکن اس راہ پر چلنے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے:

پہلی چیز: صحیح علم۔

دوسری چیز: صبر۔

کیوں کہ حصول علم کا مرحلہ طویل اور پر مشقت ہے، اسکے لئے صبر کی ضرورت ہے، اور یقینی طور پر اس کے لئے عمل اور محنت کی ضرورت ہے، اور عمل اور محنت ہی سے اللہ تعالی علم میں برکت دیتا ہے بشرطیکہ وہ عمل نیک اور صالح ہو۔

چونکہ ہم پرفتن دور میں رہ رہے ہیں اسلئے ضروری ہے کہ ان امور کو اچھی طرح سمجھ لیں، اس وقت بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں باطل افکار ونظریات کی طرف دعوت دے رہی ہیں، ہر کوئی اپنی طرف اور اپنے منہج اور طریقے کی طرف بلا رہا ہے، تاکہ لوگ مختلف جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہوجائیں، اور پھر وہ آپس میں دشمنی اور ایک دوسرے سے جھگڑا کریں، یہی شیطان چاہتا ہے، حالانکہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ایک جماعت پر قائم رہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ)

ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کردیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

اسی طرح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً

وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي"۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تركتُ فيكم شيئَينِ، لن تضِلوا بعدهما: كتابَ اللهِ، وسُنَّتي، ولن يتفرَّقا حتى يَرِدا عليَّ الحوضَ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے درمیان میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں انہیں جب تک تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت، اور یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے جب تک کہ حوض پر نہ آجائیں۔ (مستدرک حاکم: ۳۱۹)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے: (قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ) ترجمہ: میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا

ہی انحراف کرے گا۔(سنن ابن ماجہ: ۴۳)۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا:(فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔(سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر گمراہی دوزخ تک لے جانے والی ہے۔(سنن نسائی: ۱۵۷۸)۔

پتہ چلا کہ منہج اور طریقہ صرف ایک ہی ہے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا طریقہ ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ: ۱۰۰)۔

آیت سے پتہ چلا کہ جو لوگ احسان یعنی مضبوطی کے ساتھ اور علم و اتقان کے ساتھ صحابہ کے منہج پر قائم ہوں گے وہ صحیح منہج منہج پر ہوں گے، کیونکہ کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو سلفی ہونے اور منہج

سلف پر قائم ہونے کا دعوی کرتے ہیں مگر انہیں سلفی منہج کا علم نہیں ہوتا اسلئے کہ اس نے اس منہج کو سیکھا ہی نہیں، حالانکہ اس میں دعوی کافی نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ سلف کی طرف کچھ چیزوں کو منسوب کرے اور اس کا تعلق منہج سلف سے نہ ہوا اسلئے اس منہج کا سیکھنا ضروری ہے، یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کس منہج اور طریقے پر قائم تھے، تاکہ وہ بھی اسی منہج کی پیروی کرے مجرد دعوی اور نسبت کافی نہیں ہے۔

اسلئے صحیح منہج کے مطابق علم نافع کا حصول ضروری ہے اور وہ بھی متخصصین علماء کے ہاتھوں، صرف نسبت اور دعوی کافی نہیں ہے، کیونکہ لوگوں کو یہی صحیح منہج اور علم نافع ہی ایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکتا ہے جس طرح پہلے کے لوگوں کو انکی زبان اور رنگ ونسل مختلف ہونے کے باوجود جمع کیا۔ اور اختلاف اسی وقت آیا جب لوگ دھیرے دھیرے کتاب وسنت کی روشنی میں اس منہج دور ہوتے گئے۔

چنانچہ اس وقت جبکہ شہوات وشبہات کے فتنے عام ہیں، کہیں عقیدے ومنہج میں شبہات، کہیں اخلاق وکردار میں شہوات، ایسے میں صحیح علم اور علمائے متخصصین کی سخت ضرورت ہے تاکہ لوگ دونوں طرح کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب ہم کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے، وہ منہج جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔ لیکن اسکے لئے ہمیں اس منہج کو سیکھنے کی ضرورت ہے تاکہ اسے صحیح طور پر جان کر اس پر عمل کرسکیں، مجرد دعوی کافی نہیں ہے۔

شاعر کہتا ہے:

والدعاوي إذا لم يقيموا

عليها بينات أهلها أدعياء

ترجمہ: دعووں پر جب تک دلیل نہ قائم کرسکیں دعوی کرنے والے محض دعویدار ہی ہوں گے۔

اسلئے دعوی کے ساتھ دلیل کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور اس وقت فتنے اور گمراہیاں عروج پر ہیں

اسلئے دلیل اور شواہد کی سخت ضرورت ہے، علم صحیح اور علمائے ربانیین کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے، تا کہ ہم کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف پر قائم ہوسکیں کیونکہ تمام فتنوں سے یہی منہج ہمیں بچا سکتا ہے۔

*کتاب وسنت کو ہم کیسے تھام کر رکھیں گے؟

ہم منہج سلف کو پڑھیں گے ان کے منہج کو سیکھیں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کتاب وسنت سے کیسے استدلال کرتے ہیں اور کیسے سمجھتے ہیں اسی فہم اور منہج کے مطابق ہم بھی کتاب وسنت پر عمل کریں گے اور بعد کے ائمہ دین اور علمائے مجتہدین کے اقوال کو اسی منہج پر کتاب وسنت کی روشنی میں دیکھیں گے جو اس منہج کے موافق ہوگا اسے لے لیں گے اور جو مخالف ہوگا اسے ترک کردیں گے، کیونکہ ہمیں علم و بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ) ترجمہ: کہہ دیں یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔ (یوسف: ۱۰۸)۔

اسی آیت کی روشنی میں شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے دعوت دین میں اخلاص کا پتہ چلتا ہے کیونکہ کچھ لوگ اللہ کے دین کی طرف نہیں بلکہ اپنی ذات کی طرف یا اپنی جماعت کی طرف بلاتے ہیں۔

اپنی طرف بلاتے ہیں یعنی انکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسکی اتباع کریں نہ کہ کتاب وسنت کی روشنی میں دین حق کی اتباع۔

اسی طرح علم وبصیرت کا ہونا بھی ضروری ہے تا کہ لوگوں کو صحیح دین پہونچا سکیں۔

***طلب علم کیلئے صبر واحتساب کی ضرورت ہے:**

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ علم کو سیکھے، اور جب ایک علم کا ذکر خیر ہو تو ان سے محبت کرے، اور اس علم کو علمائے متخصصین کے ہاتھوں سیکھے، وہ علمائے ربانیین جو صبر وشکر کے ساتھ حق پر جمے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے ہاتھوں یہ علم حاصل نہ کرے جو کم علم متعالمین یا لبرل خیال کے حامل ہوتے ہیں، حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر صبر کرنے والا آدمی ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں چنگاری پکڑنے والا"۔ (سنن ترمذی: ۲۲۶۰)۔

مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہاتھ پر آگ کا انگارہ رکھنے والا بے انتہا مشقت وتکلیف برداشت کرتا ہے اسی طرح اس زمانے میں اپنے دین کی حفاظت اسی وقت ممکن ہوگی جب ثبات قدمی اور صبر عظیم سے کام لیا جائے گا، کیونکہ دین پر قائم رہنے والا ایسی مصیبت میں گرفتار ہوگا جیسے چنگاری کو ہاتھ پر رکھنے والا۔

اسی طرح معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو اس میدان میں صبر کی ضرورت ہے خواہ دوران تعلیم ہو یا اسکے بعد، اسی طرح حصول علم ومعرفت کے بعد اسی کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ علم آخری زمانے میں اجنبی ہو جائے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام

شروع ہوا غربت سے (اجنبی کی حیثیت سے مدینے میں) اور پھر ایسے ہی لوٹ آئے گا، جیسے شروع ہوا تھا (مدینہ میں) تو خوشی ہو غریبوں (اجنبیوں) کے لئے۔" (صحیح مسلم: ۱۴۵)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي ".

ترجمہ: سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(ایک وقت آئے گا کہ) دین اسلام حجاز میں سمٹ کر رہ جائے گا جس طرح کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور یقیناً دین حجاز میں آ کر ایسے ہی محفوظ ہو جائے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتی ہے، دین اجنبی حالت میں آیا اور وہ پھر اجنبی حالت میں جائے گا، خوشخبری اور مبارک بادی ہے ایسے گمنام مصلحین کے لیے جو میرے بعد میری سنت میں لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں اور برائیوں کی اصلاح کرتے ہیں"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۳۱)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ "، قَالَ: قِيلَ: وَمَنِ الْغُرَبَاءُ؟ قَالَ: النُّزَّاعُ مِنَ الْقَبَائِلِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام اجنبی حالت میں شروع ہوا، عنقریب پھر اجنبی بن جائے گا، لہٰذا ایسے وقت میں اس پر قائم رہنے والے

اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے، آپ سے سوال کیا گیا: غرباء کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ لوگ ہیں جو اپنے قبیلے سے نکال دیئے گئے ہوں“۔(سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۸)۔

یہاں پر قبائل سے نکال دیئے جانے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں انکے گھر اور خاندان والوں نے الگ تھلگ کر دیا ہو اور اس طرح وہ خود اپنے لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی اجنبی کی طرح ہوں، یا انہیں انکے وطن سے نکال دیا گیا ہو کیوں کہ وہ سنتوں پر عمل کرتے تھے، یہ آخری زمانے میں پیش آئے گا کہ جو صحیح دین پر عمل کرے گا اور لوگوں کو اس دین کی طرف بلائے گا اور انہیں فتنوں سے آگاہ کرے گا وہ اجنبی بن کر رہے گا۔

***کم علم متعالمین اور علمائے ضلالت:**

ہم پر ضروری ہے کہ ہم فتنوں سے آگاہ رہیں، ان کم علم متعالمین سے آگاہ رہیں جو عالم ہونے کا دعوی کرتے ہیں مگر وہ عالم نہیں ہوتے، اسی طرح ان علمائے ضلالت سے بھی آگاہ رہیں جنکے پاس علم دین ہوتا ہے مگر وہ اسکے برخلاف دعوت دیتے ہیں، اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔

جنہوں نے علم حاصل کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا انکی مثال اللہ نے اس گدھے سے دی ہے جو کتابوں کا دفتر لیکر چلتا ہو مگر اسے ان کتابوں کا کچھ علم نہ ہو، ارشاد باری تعالی ہے: (مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا، پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، گدھے کی مثال کی سی ہے جو کئی کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ان لوگوں کی مثال بری ہے جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الجمعہ: ۵)۔

کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بلعام نامی ایک شخص تھا جو علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تھا اور مومنین کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ مل گیا تھا چنانچہ اسے اللہ کتے سے تشبیہ دی ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ[175] وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ) ترجمہ: اور انھیں اس شخص کی خبر پڑھ کر سنا جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا، پھر شیطان نے اسے پیچھے لگا لیا تو وہ گمراہوں میں سے ہوگیا۔ [175] اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان کے ذریعے بلند کر دیتے، مگر وہ زمین کی طرف چمٹ گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا، تو اس کی مثال کتے کی مثال کی طرح ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے ہانپتا ہے، یا اسے چھوڑ دے تو بھی زبان نکالے ہانپتا ہے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ سو تو یہ بیان سنا دے، تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ (الاعراف: ۱۷۶)۔

***فتنوں کے دور میں علماء کا کردار:**

فتنے آتے ہیں تاکہ لوگوں کی حقیقت کا پتہ چل سکے، اور آخری زمانے میں فتنے بہت ہوں گے، جن سے آگاہ کرنے کی ضرورت بھی بہت ہوگی، فتنے پہلے کے زمانے میں بھی آئے اور ائمہ دین کو نشانہ بنایا گیا لیکن انہوں نے ان فتنوں کا مقابلہ کتاب وسنت کی روشنی میں کیا اور اللہ نے انہیں کامیاب کیا، جیسے کہ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جنہوں نے جہمیہ اور معتزلہ کا مقابلہ کیا اور اللہ نے آپ کو ان پر غالب کیا، آپ کو عظیم فتنوں سے دوچار کیا گیا، سزائیں دی گئیں جیلوں میں اسکا گیا قتل کی دھمکیاں دی گئیں، لیکن حق کو وہ نے نہیں چھوڑا اور بالآخر اللہ نے آپ کو غالب کیا اور ان دشمنان توحید کو ذلیل ورسوا کیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آخر دشمنان توحید کے ہاتھوں قید و بند کی سزاؤں کے علاوہ کیا جھیلا لیکن اللہ نے آپ کو بھی غلبہ عطا کیا، آپ کا علم باقی ہے اور دشمنان توحید کی جہالت اور خرافات ختم ہو گئی، کیونکہ انجام کار صرف اللہ کے نیک بندوں ہی کیلئے ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ[127] قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ[128] قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ) ترجمہ: اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا، تاکہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے؟ اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو بری طرح قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور یقینا ہم ان پر قابو رکھنے والے ہیں۔ [127] موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اس کا وارث اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بناتا ہے اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔ [128] انھوں نے کہا ہمیں اس سے پہلے ایذا دی گئی کہ تو ہمارے پاس آئے اور اس کے بعد بھی کہ تو ہمارے پاس آیا۔ اس نے کہا تمھارا رب قریب ہے کہ تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمھیں زمین میں جانشین بنا دے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (الاعراف: ۱۲۹)۔

بالآخر فرعون اور اسکی قوم غرق ہو جاتی ہے اور انجام کار نیک بندوں کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ آگے فرمایا: (فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ[136] وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ

وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ) ترجمہ: تو ہم نے ان سے انتقام لیا، پس انھیں سمندر میں غرق کر دیا، اس وجہ سے کہ بے شک انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے۔ [136] اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، اس سرزمین کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کا وارث بنا دیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور تیرے رب کی بہترین بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی، اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا اور ہم نے برباد کر دیا جو کچھ فرعون اور اس کے لوگ بناتے تھے اور جو عمارتیں وہ بلند کرتے تھے۔ (الاعراف: ۷ ۱۳۷)۔

یہ بہتر انجام نیک لوگوں کو اس وقت حاصل ہوا جب انہوں نے صبر واحتساب سے کام لیا، ثابت قدم رہے اور اللہ کی نصرت سے ناامید نہیں ہوئے۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: یہ دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں، رات کی کالی گھٹاؤں کی طرح فتنوں کی کثرت ہے، انہیں فتنوں میں ایک بڑا فتنہ وہ گمراہ داعی ہیں جو دوزخ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور بدعات وخرافات اور صوفیاء وروافض کی کھائی میں گرادیتے ہیں، تو کیا ان گمراہ داعیوں سے دین سیکھنا جائز ہے بطور خاص جن کا عقیدہ درست ہوتا ہے؟

جواب: ایسے لوگوں سے علم حاصل کرنا بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ گمراہی اور شر پھیلاتے، اور یہ معروف ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کی تقلید کرتا ہے اسکے نقش قدم پر چلتا ہے، اسلئے ایسے لوگوں سے دور رہا جائے اور دوسروں کو بھی آگاہ کیا جائے۔

سوال: علمائے ربانیین سے کون مراد ہیں؟

جواب: وہ علماء مراد ہیں جو کتاب وسنت پر عمل پیرا اور اپنے رب کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَـٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ) ترجمہ: اورلیکن رب والے بنو، اس لیے کہ تم کتاب سکھایا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم پڑھا کرتے تھے۔ (آل عمران:۷۹)۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں وہ علماء مراد ہیں جو طلبہ کو بچپن ہی سے پڑھا کر دھیرے دھیرے عالم فاضل بناتے ہیں، یعنی ربانی عالم وہ ہے جو بالتدریج لوگوں کو علم سکھاتا ہے، انکی نگرانی اور تربیت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ عالم فاضل بن جاتے ہیں۔

سوال: میں ایک غیر شادی لڑکی ہوں، مجھے تین دنوں تک ماہواری آئی پھر بند ہوگئی، چوتھے دن میں مکہ گئی اور عمرہ کیا، اسی دن ماہواری دوبارہ آگئی، میں نے بعد میں عمرے کی قضا بھی کرلی ہے، کیا اب مجھ پر دم وغیرہ لازم ہے، اور کیا یہ صحیح ہے کہ اگر دم لازم ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوگا؟

جواب: حیض کی حالت میں عمرے کا احرام باندھنا درست ہے، لیکن عمرہ اسی وقت کرے جب وہ پاک ہو جائے، اور اگر حالت حیض میں عمرہ کرلیا ہے تو یہ عمرہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حائضہ ہوگئی تھیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ طواف کے علاوہ وہ تمام کام کرسکتی ہو جو حاجی کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱۱)۔

اگر اس خاتون نے بعد میں قضا کرلیا ہے تو پھر کافی ہے۔

اور جہاں تک نکاح منعقد ہونے کی بات ہے تو اگر یہ عقد پہلے عمرے کے بعد ہوا ہے تو باطل ہوگا کیونکہ وہ اس وقت تک حالت احرام میں تھی، اور اس وقت عقد نکاح درست نہیں ہوتا۔ اگر عقد کرلیا گیا ہے تو دوبارہ عقد کرلے۔

سوال: صحابہ کرام حاملہ اور مرضعہ کیلئے بھی کھانا کھلانے کو کافی سمجھتے تھے، کیا یہ نص پر زیادتی نہیں ہے؟

جواب: یہ نص پر زیادتی نہیں ہے بلکہ نصوص ہی سے مستنبط ہے، کہ جس طرح ایک بوڑھا شخص اور دائمی مریض روزے کی جگہ کھانا کھلاسکتا ہے اسی طرح حاملہ اور مرضعہ بھی کھانا کھلاسکتی ہیں، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں ہے، بلکہ یہ بوڑھے شخص، دائمی مریض اور اسی طرح حاملہ اور مرضعہ کے حق میں باقی ہے۔

سوال: قرآن کو تجویدی قواعد کے ساتھ اور حدیث کو ملحن قراءت کے ساتھ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: تجویدی قواعد کے ساتھ قرآن کا پڑھنا مطلوب ہے، مگر اس میں زیادہ غلو نہ کیا جائے، اسی طرح اچھی آواز میں اگر حدیث بھی پڑھتا ہے تاکہ لوگ اسے سنیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ ملحن قراءت تو بالکل نہ ہو۔

سوال: کیا روزے کی نیت رات کے شروع ہوتے ہی کرلی جائے یا طلوع فجر سے پہلے سحری کرتے وقت ہی ضروری ہے؟

جواب: روزے کی نیت کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ شروع رات میں ہو یا رات کے آخر میں، اصل یہ ہیکہ طلوع فجر سے پہلے ہو۔

سوال: ایک عورت واجب روزے کی قضا کررہی تھی کہ اسے توڑ دیا، اب اس پر کیا واجب ہے؟ کیا اس پر کفارہ ہے؟

جواب: اس دن کے بدلے دوسرے دن روزہ رکھے گی، اور اس پر ہوئی کفارہ نہیں ہے۔

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ روزہ کے بدلے حاملہ اور مرضعہ بھی کھانا کھلاسکتی ہیں؟

جواب: حاملہ اور مرضعہ کو اگر اپنی ذات اور بچے کی ذات پر خوف ہو تو ایسی صورت میں وہ روزہ توڑ سکتی ہیں مگر اسکی جگہ کھانا کھلانا پڑے گا اور بعد میں قضا بھی کرنا پڑے گا۔

سوال: بیوی سے جماع کی نیت سے اگر کوئی کھانا کھا کر روزہ توڑ دیتا ہے تو اس پر کیا واجب

ہے؟

جواب: کھانا پینا جماع کو جائز نہیں کر دے گا،اس پر توبہ،روزے کی قضا اور کفارہ مغلظہ واجب ہے، یعنی ایک غلام کو آزاد کرے گا، اگر اسکی طاقت نہیں ہے تو پھر دو ماہ مسلسل روزہ رکھے گا اور اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا۔

سوال: رمضان میں افضل عبادت کیا ہے؛ تلاوت قرآن یا طلب علم، اس لئے کہ اکثر طلبہ رمضان کے اندر پڑھائی روک کر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں؟

جواب: جب رمضان کا مہینہ آتا تو سلف صالحین تلاوت اور عبادت پر توجہ دیتے تھے،اور طلب علم کو رمضان تک موخر کر دیتے تھے۔

سوال: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کیلئے کیا شرائط ہیں؟

جواب: اسکی شرط یہ ہیکہ وہ عفیفہ یعنی پاکیزہ ہو، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ) ترجمہ: آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مومن عورتوں میں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب تم انھیں ان کے مہر دے دو، اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو، بدکاری کرنے والے نہیں اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے۔(المائدہ: ۵)۔

سوال: میں جونوکری کرتا ہوں اس میں ہمیشہ سفر پر رہنا پڑتا ہے، رمضان میں کیا کروں؟

جواب: مسافر کیلئے یہ جائز ہے کہ اگر کے دوران روزہ توڑ دے، ارشاد باری تعالی ہے: (أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) ترجمہ: گنے ہوئے چند دنوں میں، پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔ (البقرہ: ۱۸۴)۔

سوال: رمضان کے دنوں میں تلاوت قرآن کے وقت اس نیت سے تھوک نگل جاؤں کہ اس سے شفا ملے گی، تو کیا اس دن کا قضا واجب ہے؟

جواب: تھوک کے نگلنے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

سوال: ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو لوگ نجدی دعوت اور بالخصوص کتاب الدرر السنیہ کو لیکر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ غالی تکفیری فکر کے حامل تھے؟

جواب: وہ ان ائمہ دعوت پر طعن کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی فکر کی تائید نہیں کرتے، اور اپنے مخالفین پر لعن طعن کرنا گمراہ عقائد کے حاملین اور بدعات کے داعیوں کا شیوہ ہے۔

سوال: وہ دعاۃ جو توحید کا اہتمام نہیں کرتے اور دوسرے امور میں مشغول رہتے ہیں جبکہ وہ علماء ہیں، کیا ان جیسے علماء سے علم سیکھنا مناسب ہے؟

جواب: جو توحید کا اہتمام نہ کرے اس سے علم نہ سیکھو، اس سے بہتر اگر کوئی عالم ملے تو اسی کے پاس چلے جاؤ۔

سوال: اگر رمضان کے دن میں کوئی بیہوش ہو جائے تو کیا اسکا روزہ صحیح ہوگا؟
جواب: اگر پورا دن بیہوش ہوگا تو روزہ صحیح نہیں ہوگا لیکن اگر کچھ عرصے کیلئے بیہوش ہوگا تو اسکا روزہ صحیح ہوگا کیونکہ اس نے روزے کی نیت کی ہوگی۔

سوال: رمضان کے دن میں احتلام ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟
جواب: اسکا روزہ صحیح ہوگا البتہ وہ غسل جنابت کرے گا۔

سوال: ان لوگوں کے تعلق سے آپ کی کیا رہنمائی ہے جو اس مبارک ملک کے علماء کو چاپلوس اور درباری ملا کہتے ہیں؟
جواب: بلا شبہ اہل حق پر انکے مخالفین طعن کرتے ہیں، یہاں کے علماء کی یہی غلطی ہے کہ انہوں نے ان تکفیریوں کے گمراہ عقائد اور متشدد نظریات کی موافقت نہیں کی ہے۔

سوال: کیا امام کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ مغرب اور فجر کی نمازوں میں تراویح کی قراءت کو جاری رکھے؟
جواب: یہ نیا طریقہ ہے، سلف میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا ہے، مزید یہ کسل مندی کی علامت بھی ہے، تراویح ہی میں پورا قرآن ختم کیا جائے تو بہتر ہے۔

سوال: عقیدہ پڑھنے میں ایک مبتدی طالب علم کیلئے سب سے پہلے کیا مناسب ہے؟
جواب: کسی بھی عقیدے کے مدرس اسے پوچھیں گے وہ بتا دے گا اور کچھ ابتدائی کتابیں خاص

کر دے گا، مثلاً پہلے مختصر کتابیں پڑھی جائیں جیسے اصول الثلاثۃ، کشف الشبہات اور کتاب التوحید وغیرہ، پھر اسکے بعد العقیدہ الواسطیہ اور شرح الطحاویہ وغیرہ۔

سوال: کیا کیسٹوں اور کتابوں سے طلب علم کافی ہے یا پھر اہل علم کی صحبت ضروری ہے؟

جواب: کیسٹوں اور کتابوں سے طلب علم کافی نہیں ہے، ان سے استفادہ کر سکتے ہیں مگر طلب علم کے لئے اہل علم کے علمی حلقوں میں بیٹھنا ضروری ہے۔

سوال: اگر کوئی نصاب کو پہونچنے سے قبل ہی اپنا مال کسی کو قرضہ دے دے تو کیا وہ اس میں زکاۃ نکالے گا؟

جواب: اگر اس مال پر سال گزر چکا ہے تو اس پر زکاۃ ہے خواہ وہ اسکے پاس ہو یا کسی کو قرضہ دے دیا ہو کیونکہ وہ اسی کا مال ہے۔

سوال: ایک شخص نے کچھ سالوں پہلے چند ایام روزے توڑ دیئے تھے، اب اس نے توبہ کرلیا ہے، وہ کیا کرے؟

جواب: وہ ان ایام کی قضا کرے گا اور تاخیر کہ وجہ سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائے گا۔

سوال: رخصتوں کو تلاش کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: علماء کے ایسے اقوال کو تلاش کرنا جو آسان اور شاذ ہوں اور ان پر کوئی دلیل نہ ہو، ایسا وہی

شخص کرتا ہے جو نفس پرست ہوتا ہے اور رخصتوں دو قسمیں ہیں:

-ایک وہ رخصت جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جیسے کہ مسافر اور مریض کیلئے روزہ نہ رکھنے کی رخصت، مسافر کیلئے قصر نماز کی رخصت، پانی نہ ہونے پر تیمم کرنے کی رخصت، یہ سب اللہ کی طرف سے رخصتیں ہیں جن کا کرنا عند اللہ محبوب عمل ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی رخصتوں پر عمل کرنے کو اسی طرح پسند کرتا ہے جیسے اپنی نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔ (مسند احمد: ۵۸۶۶)۔

-وہ رخصتیں جو اقوال علماء کی شکل میں ہوتی ہیں، تو انہیں اسی لینا جائز ہے جب ان پر کتاب وسنت سے دلیل موجود ہو، اگر دلیل کے ساتھ ہے تو پھر اس قول کا لینا جائز ہے اور اگر اسکے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہے تو وہ غلط قول ہوگا، اور اسے لینا جائز نہیں ہوگا، گرچہ انسان کی خواہش کے وہ قول موافق ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ) ترجمہ: پھر کیا جب کبھی کوئی رسول تمھارے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے تمھارے دل نہ چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا تو ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (البقرہ: ۸۷)۔

یہ یہودیوں کا طریقہ ہے جن پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی ہے، اور ان نصاریٰ کا طریقہ ہے جنہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو معبود بنا رکھا تھا بایں طور کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے اور یہ انکی اطاعت کرتے تھے۔

سوال: میں ایک باشرع نوجوان ہوں، میرے والداور بھائی مجھے مارتے ہیں، میرے والدمیری پوری سیلری لے لیتے ہیں، کیامیں انہیں چھوڑ دوں یاانکے ساتھ رہوں؟

جواب: صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں، اور دین کی راہ میں آنے والی مشقتوں پر صبر کریں، تمہارے والدکو یہ حق ہیکہ وہ تمہارے مال میں سے کچھ لے لیں، جیسا کہ حدیث کے اندروارد ہوا ہے کہ تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے۔(سنن ابن ماجہ:۲۲۹۱)۔

ہاں اگرتمہارے دین میں مشکلات پیش آئے تو پھر وہ جگہ چھوڑ دواوران لوگوں سے دور ہو جاؤ۔

سوال: بعض لوگ سلفی یااثری یا جامی کہنے پرنکیر کرتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے یا یک بھی دیگر احزاب کی طرح ایک حزب ہے؟

جواب: جامیہ کے بارے میں تو میں نہیں جانتا، اورنہ ہی ہمارے یہاں یہ کوئی فرقہ ہے، اس طرح کے القاب آج کے وہ نوجوان اپنے مخالفین کیلئے گڑھتے ہیں، جن کی کوئی بنیادنہیں ہے۔

اور جہاں تک سلفی کہنے کا تعلق ہے تو یہ ہر آدمی کو کہا جائے گا جوسلف کے طریقے پر چلتا ہو، انہیں کا ذکر اللہ نے کیا ہے اپنے اس قول کے اندر:(وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اورانصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیااور وہ اس سے راضی ہو گئے اوراس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۰۰)

اسلئے منہج سلف کو سیکھو اور قول و عمل ہر اعتبار سے اس پر چلو، تزکیہ نفس کے طور پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ سلفی یا اثری ہیں، اور اثری کا لقب بالخصوص ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو فن حدیث میں معروف اور متخصص ہیں۔ یہ لوگ ہر کسی کیلئے مناسب نہیں ہے۔

سوال: کیا اخوانی جماعت اور تبلیغی جماعت دونوں بہتر فرقوں میں شمار ہوں گے؟

جواب: میں یہ کہتا ہوں کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے منہج کی مخالفت کرے گا وہ بہتر فرقوں میں شمار ہوگا جنہیں دوزخ کی دھمکی دی گئی ہے، ان میں کچھ تو کفریہ عقائد کی بنا پر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کچھ وعید کے حکم میں ہوں گے جنہیں انکے گناہوں کی سزا دے کر واپس جنت میں ڈال دیا جائے گا۔

سوال: ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایک مومن اپنے رب کو خواب میں دیکھ سکتا ہے جبکہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ تم اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے یعنی مرنے سے پہلے؟

جواب: نہیں دیکھ سکتے عالم بیداری میں، لیکن جہاں تک خواب کا تعلق ہے تو یہ ممکن ہے۔ اور یہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو خوبصورت شکل میں دیکھا ہے۔ (ابن ماجہ: ۴۰۷۰)۔

لیکن جہاں تک حقیقی آنکھوں سے عالم بیداری میں دیکھنے کی بات ہے تو یہ آخرت میں ہوگا جہاں میدان محشر میں اور جنت میں مومنین دیکھیں گے۔

سوال: کیا جو زیورات زینت کیلئے ہوں پہننے کی خاطر ان میں زکاۃ ہے؟

جواب: اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ پہننے والے زیورات میں زکاۃ نہیں ہے، کیونکہ اسے استعمال کیلئے رکھا گیا ہے نہ کہ بڑھانے اور تجارت کیلئے۔

سوال: میں ایک بستی میں توحید کی دعوت دینے گیا تو مجھ سے بعض طلبہ نے کہا کہ صرف اخلاق کی دعوت دو ورنہ تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں ہوگا، اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: دعوت دین کے بارے میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت ضروری ہے، از شخص کی یا کسی کی بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے رسولوں کو توحید کی طرف دعوت دینے کیلئے بھیجا گیا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ) ترجمہ: اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔ (الانبیاء: ۲۵)۔

اور جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا تھا: (إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللَّهِ) ترجمہ: دیکھو! تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب (عیسائی یہودی) ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ (صحیح بخاری: ۱۴۵۸)۔

اسلئے عقیدے کی اصلاح ضروری ہے؛ کیونکہ عقیدے میں خلل سے دین میں خلل لازم آتا ہے، اسلئے سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح ضروری ہے، اور جو شخص اس منہج سے بھٹکا رہا ہے وہ حزبی منہج کا ہے جو اپنے منہج پر لوگوں کو اکٹھا کرنا چاہتے ہیں، وہ لوگوں کے عقائد اور مذاہب کو نہیں دیکھتے، حالانکہ توحید کے علاوہ کسی دوسری بنیاد پر مسلمانوں کا جمع ہونا محال ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ اس امت کے بعد والوں کی اصلاح انہیں چیزوں سے ہوسکتی ہے جن سے پہلوں کی اصلاح ہوئی ہے۔

سوال: میری شادی کے آٹھ سال ہو گئے ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا، جانچ کروانے پر معلوم ہوا کہ ٹیوب ہی سے بچے کی پیدائش ممکن ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: ایسے امور سے دور رہو، علاج کراتے رہو اور دوسری شادی کرلو، اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تمہارے اندر بانجھ پن ہے تو پھر صبر کرو، کیونکہ اولاد دینا اور بانجھ بنا دینا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ) ترجمہ: یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، یقیناوہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (الشوری: ۵۰)۔

سوال: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد محدثین کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح کتاب کون سی ہے: سنن نسائی یا سنن ابی داود؟

جواب: سنن سے پہلے صحاح ہیں، جیسے صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان، کہا جاتا ہے کہ صحیحین کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح ابن خزیمہ ہے۔

سوال: ابو الفرج اصبہانی کی کتاب الاغانی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ دینی نہیں ایک ادبی کتاب ہے، اس پر بہت سے ملاحظات ہیں، ابو الفرج ایک معروف شیعی ادیب ہے۔

سوال: کیا ایک باپ اپنی باکرہ بیٹی کو شادی پر مجبور کر سکتا ہے؟

جواب: لڑکی خواہ باکرہ ہو کہ ثیبہ اسے شادی پر مجبور نہیں کرسکتا، صحیح قول کی بنیاد پر مجبور نہیں کیا جائے

بلکہ اسکی رائے بھی لی جائے گی۔ باکرہ کے بارے میں باقاعدہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، وَلَا الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ إِذْنُهَا؟، قَالَ: إِذَا سَكَتَتْ "۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ لے لی جائے اور کسی بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کا حکم نہ معلوم کرلیا جائے۔" پوچھا گیا: یارسول اللہ! اس (کنواری) کی اجازت کی کیا صورت ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی خاموشی اجازت ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۹۶۸)۔

سوال: کسی کو بدعتی کہنے کا کیا ضابطہ ہے، کیا ہر بدعت کے مرتکب کو بدعتی کہہ سکتے ہیں؟

جواب: سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ سنت اور بدعت کیا ہے، اور بلا علم کسی کو بدعتی کہنا جائز نہیں ہے، اس کیلئے علم، دلیل اور حجت کی دلیل ہے۔

سوال: کیا دعوت الی اللہ کے وسائل توقیفی ہیں یا اجتہادی؟

جواب: منہج دعوت توقیفی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔ بے شک تیرا رب ہی زیادہ

جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔ (النحل:۱۲۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ) ترجمہ: کہہ دیں یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔(یوسف:۱۰۸)۔

اور جہاں تک وسائل دعوت کا تعلق ہے جنہیں تبلیغ دین میں استعمال کیا جاتا ہے تو یہ توقیفی نہیں ہے، بلکہ تجدیدی ہیں، جیسے میکروفون، جوکہ پہلے نہیں تھا، ریڈیو اور کیسٹ وغیرہ جوکہ پہلے نہیں تھے، اور اسی طرح سواریوں میں جدت کہ اگر اس وقت داعی جہاز کا سفر کرکے دعوت دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: وسائل دعوت کے طور پر اسلامی گیتوں کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: یہاں پر اسلامی کا لقب لگانا غلط ہے، گیت اور گانا گیت اور گانا ہے، دین اسلام سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے، صوفیوں نے اسے دین میں شامل کیا ہے، اہل سنت والجماعہ کے نزدیک شعرخوانی ہے جیسا کہ شعر کا سننا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اور پڑھنے اور گیت پڑھنے میں فرق ہے، شعر پڑھتا جائز ہے جبکہ صوفیوں کے مخصوص طرز پر یا اسے گانے طرز پر پڑھنا بدعت ہے۔

سوال: ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ" وَزَادَ غَيْرُهُ يَجْهَرُ بِهِ) ترجمہ: جوخوش آوازی سے قرآن نہیں پڑھتا وہ ہم مسلمانوں کے طریق پر نہیں ہے۔(صحیح بخاری:۷۵۲۷)۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو میوزک کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں، اس پر آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: یہ باطل کلام ہے، یہاں پر اچھی آواز میں پڑھنا مراد ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اسے گانا کی گایا جائے۔

سوال: اگر کسی کا شوہر نصیحت کے باوجود روزہ نہ رکھے، زکاۃ نہ دے اور نماز کو ایک ساتھ پڑھ لے تو کیا اس دے خلع لے سکتی ہے؟

جواب: ایسے شخص سے فوری طور پر جدا ہو جانا چاہئے۔

سوال: ارشاد باری تعالی ہے: (وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا) ترجمہ: اور تم میراث کھا جاتے ہو، سب سمیٹ کر کھا جانا۔ (الفجر: ۱۹)۔

اللہ کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

جواب: انسان کو مال سے محبت ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ) ترجمہ: اور بے شک وہ مال کی محبت میں یقینا بہت سخت ہے۔ (العادیات: ۸)۔

لیکن یہ محنت اسے اس بات پر نہ ابھارے کہ وہ اسے حلال حرام کی تمیز کئے بغیر حاصل کرنا شروع کر دے، بلکہ صرف حلال مال پر اکتفا کرے، ویسے اور مال سے محبت کرنا معیوب نہیں ہے الا یہ کہ اسے دین پر ترجیح دینے لگے۔

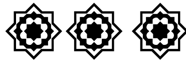
سوال: کیا نفلی روزے کیلئے بھی نیت کا وقت محدد ہے یعنی زوال سے پہلے کرنا واجب ہے یا بعد میں

بھی نیت کرسکتے ہیں؟

جواب: صحیح یہی ہے کہ اگر کھایا پیا نہ ہو تو زوال کے بعد بھی نیت کرسکتے ہیں۔

سوال: میں نے ماہانہ قسط پر زمین بیچی ہے، ہر ماہ دو ہزار ریال کی ادائیگی پر، تو کیا اس مال میں زکاۃ ہے؟

جواب: زکاۃ ضروری ہے، وہ قرض جو دوسروں کے پاس ہو اگر اس پر سال گزر جائے تو زکاۃ ادا کرنا ضروری ہے، کیونکہ اسکے مالک آپ ہی ہیں، الا یہ کہ مقروض شخص تنگ دست اور قلاش ہو جائے یا ٹال مٹول کرنے والا ہو بایں طور کہ آپ کو نہیں معلوم کہ وہ مال آپ تک آپ آئے گا یا نہیں، تو ایسے مال میں زکاۃ نہیں نکالیں گے جب تک کہ وہ آپ کے قبضے میں نہ آجائے۔



۹۶- حج مبرور کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

حج ایک عظیم عبادت ہے، یہ دین ابراہیمی کا ایک حصہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ [26] وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ [27] لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ) ترجمہ: اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کر دی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر۔ [26] اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل اور ہر لاغر سواری پر آئیں گے، جو ہر دور دراز راستے سے آئیں گی۔ [27] تاکہ وہ اپنے بہت سے فائدوں میں حاضر ہوں اور چند معلوم دنوں میں ان پالتو چوپاؤں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اس نے انھیں دیے ہیں، سو ان میں سے کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو کھلاؤ۔ (الحج:۲۸)۔

حج کا ذکر مزید کئی جگہوں پر آیا ہے، جیسا کہ ایک جگہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: (وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ

الْعَلِيمُ[127] رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ) ترجمہ: اور جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہا تھا اور اسماعیل بھی۔ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ [127] اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہمیں ہمارے عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی نہایت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (البقرہ: ۱۲۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ) ترجمہ: اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرو)۔ (البقرہ: ۱۹۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ) ترجمہ: اور اللہ کو چند گنے ہوئے دنوں میں یاد کرو، پھر جو دو دنوں میں جلد چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس شخص کے لیے جو ڈرے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ (البقرہ: ۲۰۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ[96] فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ) ترجمہ: بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے، بہت با

برکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ [96] اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہوگیا اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پروا ہے۔(آل عمران:۹۷)۔

اور جہاں تک سنت نبوی کی بات ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاکھ صحابہ سے زائد کے ساتھ دس ہجری میں حج کیا جسے حجۃ الوداع کے نام سے جانا جاتا ہے، اسلئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں مسلمانوں کو الوداع کہا تھا اور فرمایا تھا: (شاید اس حج کے بعد دوبارہ میں حج نہ کرسکوں)۔(صحیح مسلم:۱۲۹۷)۔ چنانچہ اسکے بعد ہی دو ماہ چند ایام کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، اور دوسرا حج نہ کرسکے۔

مشہور قول کے مطابق حج نو ہجری میں فرض ہوا ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سال حج نہیں کیا جسکی وجہ یہ بتائی گئی کہ مشرکین اس وقت جاہلیت کے رواج کے مطابق خانہ کعبہ کا ننگے ہوکر طواف کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو حج کرائیں، پھر ان کے بعد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ لوگوں میں جا کر اعلان کردیں: اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی خانہ کعبہ کا ننگے طواف کرے گا۔(صحیح بخاری:۳۶۹)۔

چنانچہ جب خانہ کعبہ مشرکین سے پاک ہوگیا تو آپ اگلے سال یعنی دس ہجری کو حج کیلئے نکلے اور آپ کوئی بھی عمل کرتے تو فرماتے کہ مجھ سے اعمال حج سیکھ لو شاید میں اس کے بعد دوبارہ حج نہ کرسکوں۔

اس طرح لوگوں نے عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج وعمرہ کے احکام کو سیکھا، اور اسے اپنے بعد کے لوگوں تک بڑی امانت داری کے ساتھ پورا پورا پہونچا دیا، اور بہت سارے صحابہ نے اسے

احادیث میں بیان کیا ہے جن میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی وہ روایت بہت مشہور ہے جو صحیح مسلم کے اندر وارد ہوئی ہے جس کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی پوری تفصیل موجود ہے۔

حج کے وجوب کو واضح کیا گیا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری: ۸)۔

اسی طرح حدیث جبریل کے اندر وارد ہوا ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (الإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) ترجمہ: اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے (یعنی زبان سے کہے اور دل سے یقین کرے) اس بات کی کہ کوئی معبود سچا نہیں سوا اللہ کے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو اور روزے رکھے رمضان کے اور حج کرے خانہ کعبہ کا اگر تجھ سے ہو سکے۔" (یعنی راہ خرچ ہو اور راستے میں خوف نہ ہو)۔ (صحیح مسلم: ۸)۔

چنانچہ حج ارکان اسلام میں سے ایک عظیم رکن ہے، یہ ہر مستطیع شخص پر فرض ہے، اور عمر میں صرف

ایک بار فرض ہے، کیونکہ لوگوں کو دور دور سے آنا پڑتا ہے، مشقت اور بھیڑ کی وجہ سے ہر سال فرض نہیں کیا گیا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: " أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا "، فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟، فَسَكَتَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ، ثُمَّ قَالَ: ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خطبہ پڑھا ہم پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فرمایا: ”کہ اے لوگو! تم پر حج فرض ہوا ہے سو حج کرو۔“ ایک شخص نے کہا کہ ہر سال یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ ہو رہے اس نے تین بار یہی عرض کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوتا اور پھر تم سے نہ ہو سکتا سو تم مجھے اتنی ہی بات پر چھوڑ دو کہ جس پر میں تمہیں چھوڑ دوں اس لیے کہ اگلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے انبیا علیہم السلام سے بہت سوال کیے اور ان سے بہت اختلاف کرتے رہے پھر جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں اس میں سے جتنا ہو سکے بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع کروں اس کو چھوڑ دو“۔ (صحیح مسلم: ۱۳۳۷)۔

بہر حال یہ اللہ کی طرف سے بندوں پر رحمت اور شفقت ہے۔

*** اسلام کے پانچ ارکان ہیں:**

پہلا رکن: شہادتین:

یعنی اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اسکے بندے ہیں۔

دوسرا رکن: نماز:

یہ دن رات میں پانچ بار تکرار کے ساتھ آتی ہے۔

تیسرا رکن: زکاۃ:

صاحب نصاب پر سال میں ایک بار واجب ہے۔

چوتھا رکن: روزہ:

سال میں ایک ماہ روزہ رکھنا واجب ہے ہر مقیم تندرست پر، لیکن اگر مریض یا مسافر ہے تو قضا کرے گا۔

پانچواں رکن: حج:

پرمشقت اور مسافت کی دوری کی وجہ سے عمر میں صرف ایک بار فرض ہے، کہا گیا ہے کہ درج ذیل اس آیت کے اندر حج ہی کو مراد لیا گیا ہے: (وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور وہ تمھارے بوجھ اس شہر تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جس میں تم کبھی پہنچنے والے نہ تھے، مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ، بے شک تمھارا رب یقینا بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (النحل: ٧)۔

حج خواہ فرض ہو یا نفل ہر ایک میں عظیم فوائد ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ) ترجمہ: تاکہ وہ اپنے بہت سے فائدوں میں حاضر ہوں اور چند معلوم دنوں میں ان پالتو چوپاؤں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اس نے انھیں دیے ہیں، سو

ان میں سے کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو کھلاؤ۔(الحج:۲۸)۔

یہ فوائد کسی کو زیادہ حاصل ہوتے ہیں اور کسی کو کم، سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ حج مبرور ہو جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس گھر کا حج کیا اور نہ شہوت کی فحش باتیں کیں، نہ گناہ کیا تو وہ اس دن کی طرح واپس ہوگا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔(صحیح بخاری:۱۸۲۰)۔

یہاں یہ واضح رہے کہ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہے، جہاں تک گناہ کبیرہ کا تعلق ہے تو یہ سب توبہ ہی سے معاف ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا) ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔(النساء:۴۸)۔

چنانچہ حج، روزہ اور نماز جیسی نیکیوں سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا) ترجمہ: اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تم سے تمھاری چھوٹی برائیاں دور کر دیں گے اور تمھیں باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے۔(النساء:۳۱)۔

اسکی صراحت درج ذیل حدیث کے اندر آئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَقُولُ: " الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ پانچوں نمازیں اور جمعہ، جمعہ تک اور رمضان، رمضان تک کفارہ ہو جاتے ہیں ان گناہوں کا جو ان کے بیچ میں ہوں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچے۔(صحیح مسلم: ۲۳۳)۔

مکفرات میں اللہ کا عفو و درگزر بھی چنانچہ اللہ تعالی شرک کے سوا جو گناہ چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اسی طرح مکفرات میں سے مصیبتوں کا آنا بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ حج کا سب سے بڑا فائدہ گناہوں کی معافی ہے، لیکن کیا ہر حج سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ نہیں، بلکہ اس حج سے جو حج مبرور یعنی مقبول حج ہو، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، " أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۷۷۳)۔

اور جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس

گھر کا حج کیا اور نہ شہوت کی فحش باتیں کیں، نہ گناہ کیا تو وہ اس دن کی طرح واپس ہوگا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔(صحیح بخاری: ۱۸۲۰)۔

اور حج مبرور کیلئے ضروری ہے کہ وہ فسق وفجور اور لڑائی جھگڑا سے پاک ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ) ترجمہ: حج چند مہینے ہے، جو معلوم ہیں، پھر جو ان میں حج فرض کرلے تو حج کے دوران نہ کوئی شہوانی فعل ہو اور نہ کوئی نافرمانی اور نہ کوئی جھگڑا۔(البقرہ: ۱۹۷)۔

چنانچہ ایک حاجی کو چاہئے کہ وہ دوران حج تمام قسم کے معاصی کے ارتکاب سے دور رہے اور اگر بیوی کے ساتھ ہے تو جماع اور اسکے تمام اسباب سے دور رہے تاکہ اسکا حج مبرور اور مقبول ہوسکے۔

اسی طرح لڑائی جھگڑا اور فحش باتوں سے بھی دور رہے، وہ ذکرواذکار اور حج کے دیگر اعمال میں خود کو مشغول رکھے۔

اسی طرح حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مختلف ملکوں اور شہروں سے ایک جگہ ایک ہی عبادت کیلئے جمع ہوتے ہیں، سب ایک ہی لباس میں ہوتے ہیں، وہاں پر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہوتی ہے، صرف تقوی کی بنیاد پر انسان کو فوقیت حاصل ہے، وہاں پر موجود سارے لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں، اس کے نزدیک صرف تقوی کی بنیاد پر فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ) ترجمہ: اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔(الحجرات: ۱۳)۔

اور جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " قَدْ أَذْهَبَ اللَّهُ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ، مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ ,وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور اپنے باپ دادا پر فخر کو ختم کر دیا ہے، اب لوگ مومن و متقی ہیں یا فاجر و بد بخت اور سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں"۔ (سنن ترمذی: ۳۹۵۶)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: (لا فَضلَ لعَرَبيٍّ على عَجَميٍّ، ولا لعَجَميٍّ على عَرَبيٍّ، ولا لأبيضَ على أسودَ، ولا لأسودَ على أبيضَ إلّا بالتَّقوى، الناسُ من آدَمَ، وآدَمُ من تُرابٍ) ترجمہ: کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقوی کے، سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ (مسند احمد: ۲۳۴۸۹)۔

حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ حج سے تواضع اور انکساری کا احساس ہوتا ہے، تمام ملکوں کے لوگ ایک دوسرے سے جڑتے ہیں، اور اس طرح یہاں ملکر اخوت کا شعور مضبوط ہوتا ہے، اور انہیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک امت اور ایک جماعت ہیں، اور یہ کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے خواہ وہ جگہ کے اعتبار سے کتنی ہی دوری پر کیوں نہ ہو انہیں جگہ کی دوری اخوت سے دور نہیں کر سکتی۔

اسی طرح حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ یہاں آ کر مسلمان ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں، جس سے آپس میں رحم اور شفقت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، آپ دیکھیں گے کہ یہ تمام حجاج مختلف ملکوں اور علاقوں سے بھاگے چلے آ رہے ہیں جنہیں نہ تو دنیا کی لالچ لاتی ہے اور نہ ہی کسی کے ڈر سے آتے ہیں بلکہ

انہیں ایمان کھینچ کرلاتا ہے، بیت اللہ کی محبت انہیں کھینچ کرلاتی ہے، اس دین کی یہی خصوصیت ہے کہ اسکی وجہ سے لوگوں کا دل آپس میں جڑتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ[62] وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) ترجمہ: اور اگر وہ ارادہ کریں کہ تجھے دھوکا دیں تو بے شک تجھے اللہ ہی کافی ہے۔ وہی ہے جس نے تجھے اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ قوت بخشی۔ [62] اور ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا ان کے دلوں کے درمیان الفت نہ ڈالتا اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (الانفال: ٦٣)۔

آپ دیکھیں کس طرح دور جاہلیت اوس وخزرج ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے مگر دین اسلام نے انہیں آپس میں جوڑ دیا اور ایک دوسرے کے بھائی بن گئے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ) ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (آل عمران: ١٠٣)۔

لوگ اس سرزمین کے مختلف خطوں میں رہتے ہیں یہ دین اسلام ہے کہ انہیں ایک ساتھ جوڑ کر رکھتا ہے۔

* اسی طرح اس حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ یہ حج لوگوں کو حق پر اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے چنانچہ ہر جگہ سے لوگ یہاں آتے ہیں صرف ایک معبود کو پکارتے ہیں مختلف زبانوں میں اللہ سے معافی مانگتے ہیں، سب کا ہدف ایک ہوتا ہے کہ اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے، اسی لئے سب ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں، چنانچہ یہ حج لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتا ہے، شرک و بدعات سے عقیدے کو پاک کرتا ہے۔

* اسی طرح حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے حجاج کرام مادی اور معنوی ہر اعتبار سے استفادہ کرتے ہیں، جہاں تک مادی فائدے کا تعلق ہے تو حج کے دوران بہت سے حجاج کرام خرید و فروخت کرتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ) ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا کوئی فضل تلاش کرو، پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کو اس طرح یاد کرو جیسے اس نے تمھیں ہدایت دی ہے اور بلاشبہ اس سے پہلے تم یقینا گمراہوں سے تھے۔(البقرہ:۱۹۸)۔

بعض صحابہ کرام حج کے دوران تجارت کر رہے تھے تو اس پر کچھ لوگوں کو اشکال ہوا اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(تفسیر ابن کثیر)۔

اور جہاں تک معنوی فائدے کا تعلق ہے تو یہاں ہر ملک کے علماء دعاۃ اور عوام حاضر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے دینی احکام بطور خاص حج عمرے کے احکام و مسائل سیکھتے ہیں، اور یہ بہت بڑا معنوی فائدہ ہے۔

* اسی طرح حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے مسلمانوں کے اندر مساوات کا اظہار ہوتا ہے،

ایک مسلمان اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے کہ وہ خواہ کسی بھی حالت میں ہو وہاں پر جا کر خود کو سب کے برابر پاتا ہے، اسے احساس ہوتا ہے کہ ایک مسلمان محترم اور عزیز ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ) ترجمہ: عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے اور لیکن منافق نہیں جانتے۔ (المنافقون: ۸)۔

* اسی طرح حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ ایک حاجی جب اپنے وطن واپس آتا ہے تو ساتھ دین وعقیدہ کے اعتبار سے کافی استفادہ کر کے آتا ہے، وہاں پر اسے صحیح عقیدے کا علم ہوتا ہے، بدعات وخرافات کی جانکاری ہوتی ہے، اگر وہ پہلے ان میں ملوث ہوتا ہے تو چھوڑ دیتا ہے، اس طرح وہ اپنے وطن واپس آتا ہے مصلح اور داعی بن کر، چنانچہ اپنے وطن میں وہ مصلح اور داعی کس کردار ادا کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ) ترجمہ: اور ممکن نہیں کہ مومن سب کے سب نکل جائیں، سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تا کہ وہ بچ جائیں۔ (التوبہ: ۱۲۲)۔

حج کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان حاجی کا لقب پا جائے اور اس پر فخر کرے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، اور جب وہ اپنے وطن واپس جاتے ہیں تو اسی لقب سے پکارے جانے کو پسند کرتے ہیں، جبکہ حج کا مقصد اس سے کہیں بلند ہے اسکا مقصد یہ ہیکہ جب آدمی حج کر کے واپس جائے تو اس کا حج مقبول ہو جائے اور اسکے سارے گناہ معاف ہو جائیں، وہ نصیحت اور عبرت لیکر واپس آئے۔

* اسی طرح حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہاں پر مشاعر مقدسہ میں ٹھہرے تو انبیاء کے

مواقف کو یاد کرے، جیسے ابراہیم علیہ السلام کو کہ آپ نے وہاں کیلئے کیسے دعائیں کیں اور مختلف جگہوں پر ٹھہرے اور شیطان کا مقابلہ کیا اور رمار بھگایا۔ اسی طرح آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کا طرح عرفہ میں ٹھہر کر خطبہ دیا جو خطبہ وداع کے نام سے جانا جاتا ہے، جسکے کلمات آج بھی اپنے خیر و برکات بکھیر رہے ہیں۔

اس طرح آپ غور کریں گے تو لگے گا کہ پورا حج عبرتوں سے بھرا ہوا ہے، آدمی خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے، حجر اسود کا بوسہ لیتا ہے، تین یمانی کو استلام کرتا ہے، اور اللہ اکبر کہتے ہوئے دعا کرتا ہے: (رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (البقرہ:۲۰۱)۔

اس طرح رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان اس دعا کو پڑھتا ہے اسکے علاوہ بھی دیگر دعا واذ کار طواف کے اندر کرتا ہے اور اللہ کی تعظیم بیان کرتا ہے۔

طواف کے بعد مقام ابراہیمی کے پاس دو رکعت سنت ادا کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى) ترجمہ: اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا، اور تم ابراہیم کی جائے قیام کو نماز کی جگہ بناؤ۔ (البقرہ:۱۲۵)۔

یہاں پر وہ ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام اور آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتا ہے۔

پھر اسکے بعد صفا و مروہ پہاڑی پر سعی کرتے ہیں، پہلے صفا پہاڑی پر چڑھتے ہیں اور اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوئے یہ دعا کرتے ہیں: (لا إلهَ إلّا اللّٰهُ وحدَہ لا شريكَ لهُ لهُ الملكُ ولهُ الحمدُ وهوَ على كلِّ شيءٍ قديرٌ لا إلهَ إلّا اللّٰهُ أنجزَ وعدَہ وصدقَ عبدَہ وَهزمَ الأحزابَ وحدَہُ)۔

پھر مروہ اور صفا کے بیچ میں سعی کرتے ہیں اس دوران اللہ کی تعریف وتوصیف اور تکبیر وتحمید بیان کرتے ہیں، اپنے رب گناہوں کی بخشش اور مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اسی طرح عرفہ کے میدان میں بھی ٹھہرتے وقت اللہ کی تعظیم بیان کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں، دعائے عرفہ کے بارے میں ایک معروف حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ".

ترجمہ: عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے بہتر دعا عرفہ والے دن کی دعا ہے اور میں نے اب تک جو کچھ (بطور ذکر) کہا ہے اور مجھ سے پہلے جو دوسرے نبیوں نے کہا ہے ان میں سب سے بہتر دعا یہ ہے: (لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير) ”اللہ واحد کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے (ساری کائنات کی) بادشاہت ہے، اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے“۔ (سنن ترمذی: ۳۵۸۵)۔

اسی دن کے بارے میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُو عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ، فَيَقُولُ مَا أَرَادَ هَؤُلَاءِ ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جتنا عرفہ کے دن اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اتنا کسی اور دن نہیں، اللہ تعالیٰ قریب ہو جاتا ہے، اور

ان کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے، اور فرماتا ہے: میرے ان بندوں نے کیا چاہا"؟۔(سنن ابن ماجہ: ۳۰۱۴)۔

یعنی کس چیز کی خواہش اور طلب میں اس قدر لوگ اس میدان میں جمع ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: تیری مغفرت چاہتے ہیں، اور تیرے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے میں نے ان کو بخش دیا۔

پھر اسکے بعد مزدلفہ کی طرف جاتے ہیں اللہ کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے: (فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ) ترجمہ: پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کو اس طرح یاد کرو جیسے اس نے تمھیں ہدایت دی ہے اور بلاشبہ اس سے پہلے تم یقینا گمراہوں سے تھے۔(البقرہ: ۱۹۸)۔

مشعر حرام سے مراد مزدلفہ ہے، جہاں وہ مغرب اور عشاء کی نماز جمع وقصر کے ساتھ ایک ہی ساتھ پڑھ لے گا، پھر اللہ کا ذکر کر کے سو جائے گا، پھر فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ کر مشعر حرام کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرے گا، پھر طلوع آفتاب سے قبل ہی منی کیلئے نکل جائے گا، اور جمرہ عقبہ کی رمی کرے گا اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے گا، رمی ہو یا دیگر مشاعر مقدسہ ہر ایک کے اندر اللہ کی تعظیم اور تکبیر پائی جاتی ہے، اور ایک حاجی اپنے انہیں تسبیح وتکبیر اور ذکر واذکار کی وجہ سے اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوتا ہے، خواہ وہ طواف کی حالت میں ہو یا وہ صفا ومروہ اور عرفہ میں ہو، منی میں ہو یا مزدلفہ میں، اور یہ ایم مومن کی زندگی کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

اور ان سب سے پہلے ایک حاجی جب میقات سے احرام باندھتا ہے تو وہ اس وقت کہتا ہے: لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک۔اس طرح وہ توحید اور ذکر الہی کے ساتھ تلبیہ پکارتا ہے، اور وہ

اس طرح پورے حج کے دوران برابر اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے، اور یہ حج کے بڑے فوائد میں سے ہے اگر ہم اس پر غور کریں، اس لئے ضروری ہے کہ ہم کوشش کریں تا کہ ہمارا حج مقبول اور مبرور بن جائے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (الْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ) ترجمہ: اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۷۷۳)۔

اسی لئے ضروری ہے کہ ہم تمام مخربات اور مفسدات حج سے دور رہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ) ترجمہ: پھر جو ان میں حج فرض کرلے تو حج کے دوران نہ کوئی شہوانی فعل ہو اور نہ کوئی نافرمانی اور نہ کوئی جھگڑا۔ (البقرہ: ۱۹۷)۔

چنانچہ مفسدات حج کی بہت ساری صورتیں ہیں انہیں میں سے ایک حرام کمائی بھی ہے، چنانچہ اگر کوئی حج حرام خرچ پر ہوگا تو وہ حج فاسد ہو جائے گا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

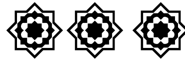
عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا خرَج الخارجُ حاجًّا بنفقةٍ طيِّبةٍ ووضَع رِجلَه في الغَرْزِ ونادى لبَّيك اللَّهمَّ لبَّيك ناداه منادٍ من السَّماءِ لبَّيك وسَعْدَيك زادُك حلالٌ وراحلتُك حلالٌ وحجُّك مبرورٌ غيرُ مأزورٍ وإذا خرَج بالنَّفقةِ الخبيثةِ فوضَع رِجلَه في الغَرْزِ فنادى لبَّيك ناداه منادٍ من السَّماءِ لا لبَّيك ولا سَعْدَيك زادُك حرامٌ ونفقتُك حرامٌ وحجُّك غيرُ مبرورٍ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک شخص پاک خرچے پر نکلتا ہے اور اپنے پاؤں کو سواری پر رکھتا ہے اور لبیک اللھم پکارتا ہے تو آسمان سے ایک پکارنے والا کہتا ہے کہ جاؤ تمہاری حاضری مقبول ہے، تمہارا زاد راہ حلال ہے، تمہاری سواتی حلال حلال ہے تمہارا حج مقبول ہے، لیکن جب بندہ حرام خرچ پر نکلتا ہے اور سواری پر اپنا پاؤں رکھتا ہے

اور لبیک اللھم لبیک پکارتا ہے تو آسمان سے ایک پکارنے والا کہتا ہے کہ تمہاری حاضری مقبول نہیں ہے، تمہارا زادراہ حرام ہے، تمہارا خرچ حرام ہے اور حج مقبول نہیں ہے۔(مجمع الزوائد ۲۹۵/۱۰)۔

سو حج کیلئے خرچ کی بڑی اہمیت ہے اسلئے بغیر پاک خرچ کے حج کیلئے نہ نکلیں کیوں کہ حرام مال کو اللہ قبول نہیں کرتا جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا) ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے (یعنی صفات حدوث اور سمات نقص و زوال سے) اور نہیں قبول کرتا مگر پاک مال کو (یعنی حلال کو)۔(صحیح مسلم: ۱۰۱۵)۔

اسلئے ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ کا تقوی اختیار کریں اور حج کی عظمت کا احساس کریں، اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: ترویہ کے دن کے بارے میں اختصار سے معلوم کی گزارش ہے، اور یہ کہ احرام کے افضل وقت کیا ہے؟

جواب: سب سے پہلا کام احرام باندھنا ہے اسی جگہ سے جہاں آپ ٹھہرے ہوئے ہیں، اور افضل یہ ہیکہ ظہر سے قبل ہی احرام باندھ لیں، اور منی جا کر ۹ / تاریخ کی رات گزاریں، اور وہیں احرام کی حالت میں پانچوں وقت کی نماز ادا کریں یعنی ظہر سے لیکر فجر تک۔ یہی افضل ہے، لیکن اگر ظہر کے بعد بھی کوئی اگر ان باندھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ افضلیت چھوٹ جائے گی۔

سوال: اگر نماز کی وجہ سے طواف روک دوں، تو پھر دوبارہ طواف کہاں سے شروع کروں، جہاں پر ختم ہوا ہے یا پھر حجر اسود سے؟

جواب: اہل علم نے یہی لکھا ہے کہ جس چکر میں نماز پڑھی ہے اس چکر کو دوبارہ شروع کرے کیونکہ اسے کاٹ دیا ہے، اس لئے اسے دوبارہ اعادہ کرے گا، اور باقی چکر جنہیں پہلے کر چکا ہے انہیں شمار کرے گا۔

سوال: رمی کو آخری ایام تک موخر کر دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: رمی کو آخری ایام تک موخر کرنا جائز ہے البتہ ترتیب وار رمی کرے گا، اور یہ تاخیر عذر ہی کی بنیاد پر جائز ہے جیسے کہ آدمی عمر دراز یا مریض ہو، یا اسے بھیڑ سے خطرہ ہو۔

سوال: تحلل اول اور تحلل ثانی کسے کہتے ہیں اور یہ کب ہوتا ہے؟

جواب: تحلل اول کہتے ہیں کہ اسکے بعد آدمی کیلئے وہ ساری چیزیں حلال ہوجاتی ہیں جو حالت احرام میں حرام تھیں سوائے بیوی کے۔اور تحلل ثانی کے بعد بیوی بھی حلال ہوجاتی ہے۔

اور جہاں تک یہ کہ تحلل اول کب ہوتا ہے تو یہ تین کاموں میں دو کام کے بعد ہوتا ہے: رمی جمرہ عقبہ، سر منڈانا اور طواف کرنا، اور سعی بھی کرنا اگر اس پر رہ گیا ہے، ان تین میں سے کسی دو کام کرنے کے بعد اسے تحلل اول حاصل ہوجائے گا، اب اسکے لئے سوائے بیوی سب حلال ہوجائے گا، اور جب تینوں کام کرلے گا تو تحلل ثانی بھی حاصل ہوجائے گا، اور قربانی کرنا تحلل میں شامل نہیں ہے، یہ ایک مستقل عبادت ہے، کیوں کہ قربانی ایام تشریق میں کبھی بھی کرسکتا ہے۔

سوال: تلبیہ کب شروع کرے گا اور کب ختم کرے گا؟

جواب: احرام باندھتے وقت یا اسکی نیت کرتے وقت تلبیہ پکارنا شروع کرے گا اور عمرہ کرنے والا عمرے کا طواف کرتے وقت تلبیہ پکارنا بند کردے گا جبکہ حاجی اس وقت بند کرے گا جب جمرہ عقبہ کا رمی کرے گا۔

سوال: کیا حج افراد کی نیت کرنے والا اپنی نیت کو حج تمتع میں بدل سکتا ہے، اور یہ کیسے ہوگا؟

جواب: جائز ہی نہیں بلکہ افضل ہیکہ ایک مفرد یا قارن اپنی نیت کو حج تمتع میں بدل دے بایں طور کہ عمرہ کی نیت سے طواف، سعی اور تقصیر کرلے، پھر احرام سے نکل جائے پھر ترویہ کے دن حج کا احرام باندھے۔

سوال: کیا قربانی کے دن تمام اعمال پر طواف افاضہ کو مقدم کر سکتے ہیں؟

جواب: عید کے دن جس طرح چاروں اعمال میں سے کسی کو بھی آگے پیچھے کر سکتے ہیں اسی طرح طواف کو بھی مقدم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ قربانی کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی کسی چیز کے مقدم موخر کرنے کے بارے میں سوال کرتا تو آپ یہی فرماتے کہ کرو کوئی حرج نہیں ہے۔(صحیح بخاری: ۸۳)۔

لیکن افضل یہ ہیکہ چاروں اعمال میں پہلے رمی کو مقدم کرے، پھر قربانی کرے، پھر سر منڈائے اور پھر طواف وسعی کرے۔

سوال: میں حج کیلئے آیا لیکن میرے والد راضی نہیں تھے جب کہ میں نے ابھی تک حج کا فریضہ ادا نہیں کیا تھا، مجھ پر بددعا کر رہے تھے، کیا اس میں والد کی نافرمانی ہوگی؟

جواب: واجب حج سے آپ کے والد آپ کو نہیں روک سکتے، ہاں اگر نفلی حج ہوتا تو بوقت ضرورت روک سکتے تھے۔

سوال: کیا وقوف عرفہ کیلئے طہارت یعنی باوضو ہونا ضروری ہے؟

جواب: ضروری نہیں ہے لیکن اگر باوضو ہوتا ہے تو بہتر ہے کیونکہ دعا اور ذکر واذکار کیلئے باوضو ہونا مستحب ہے، بلکہ بعض علماء کے نزدیک غسل کر لینا بھی مستحب ہے۔

سوال: طواف کے بعد دو رکعت کا کیا حکم ہے، اگر کوئی چھوڑ دے تو کیا اس کی قضا کرے گا؟

جواب: جمہور اہل علم کے نزدیک سنت ہے، چھوٹ جانے پر کوئی حرج نہیں ہے، طواف ہو جائے

گا،بس یہ ہیکہ ایک افضل سنت کو چھوڑ دیا ہے۔

سوال: جس کے باپ دادا کر گئے ہوں اور اپنی زندگی میں حج نہ کئے ہوں، ان کہ طرف سے حج کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اپنی طرف سے حج کرلیا ہےتو پھر دوسرے کی طرف سے حج کر سکتے ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

سوال: آپ نے بتایا کہ حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے،لیکن جو لوگ ہر سال حج کرتے ہیں اور دوسروں کیلئے تنگی کا باعث بنتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہےلیکن اگر کوئی ایک سے زائد کرتا ہےتو یہ افضل ہے، کیونکہ حج کو افضل جہاد میں سے بتایا گیا ہےاور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا ہےکہ حج وعمرہ کثرت سے کرو۔(سنن ترمذی:۸۱۰)۔

لہذا اگر انسان کو موقع ملے تو اسے حج کرنا چاہئے الا یہ کہ بھیڑ کی وجہ سے اسے نقصان کا خطرہ ہو تو ملتوی کردے.

سوال: کیا حاجی کیلئے یک جائز ہےکہ وہ قربانی کو دوسرے یا تیسرے دن کیلئے ملتوی کردے؟

جواب: عید کا دن اور ایام تشریق سب قربانی کے لئے ہیں،ان چار ایام میں کسی بھی دن قربانی کر سکتا ہے۔

سوال: ہم لوگ جماعت کے ساتھ سات ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر نکلے، تو کیا آٹھ تاریخ کو دوبارہ حج کا احرام باندھ سکتے ہیں؟

جواب: جس وقت حج کا احرام باندھ لیا اسی وقت حج منعقد ہوگیا، اب اسے توڑ کر دوبارہ مت باندھیں۔

سوال: کیا اگر نیچے بھیڑ ہو تو دوسرے منزلے پر طواف اور سعی کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں دونوں جائز ہے، کیونکہ جہاں طواف کیا جاتا ہے وہ مسجد حرام میں داخل ہے اور مسعی کے اوپر مسعی ہی ہے۔

سوال: اگر کوئی بھول کر حالت احرام میں ناخن کاٹ لے تو اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: صحیح قول کے مطابق اس پر کوئی حرج نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا) ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔ (البقرہ:۲۸۶)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک اللہ نے میری امت سے بھول چوک اور زبردستی کرائے گئے کام معاف کر دیئے ہیں"۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵)۔

سوال: اگر کوئی ۸ / ذی الحجہ کو یعنی ۹ / کی رات منیٰ میں نہ گزارے تو اسکا کیا حکم ہے؟
جواب: اس پر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس تاریخ کی رات منیٰ میں گزارنا سنت ہے واجب نہیں۔

سوال: اگر عرفہ کے دن جمعہ پڑ جائے تو پھر حاجی لوگ کیا کریں گے؟
جواب: حجاج کرام مسافر کے حکم میں ہیں، ان پر جمعہ نہیں ہے، اسی طرح مکہ کے لوگ بھی جب عرفہ میں ہوں گے تو وہ بھی دیگر حجاج کے حکم میں ہوں گے۔

سوال: عرفہ کا دن اگر جمعہ کا دن ہو تو کیا اس کی فضیلت ہے؟
جواب: جی ہاں، کیونکہ اس میں جمعہ اور عرفہ دونوں کی فضیلت اکٹھا ہو جاتی ہے۔

سوال: طواف افاضہ اور طواف وداع کو ایک ہی نیت سے جمع کر سکتے ہیں؟
جواب: طواف افاضہ طواف وداع کیلئے کافی ہے۔

سوال: کیا اگر کوئی طواف وداع ترک کر دے تو اس پر دم لازم آئے گا؟ اور کیا دم مکہ ہی میں دینا پڑے گا یا ریاض میں ذبح کر دے تو جائز ہے اور کیا اس وہ خود کھا سکتا ہے؟
جواب: اگر مکہ سے نکل گیا اور طواف وداع نہیں کیا تو اس پر دم ہے۔ اگر وہ مکہ کے قریب ہے تو واپس آ کر طواف کر لے اس پر ہوئی دم نہیں ہوگا۔
اور دم مکہ ہی میں دینا پڑے گا اور وہیں کے فقراء پر تقدیم کرنا پڑے گا اور خود کچھ نہیں کھا سکتا۔

سوال: کیا رات میں طواف افاضہ کر سکتا ہے؟

جواب: طواف افاضہ سفر کے وقت ہوتا ہے خواہ وہ رات ہو یا دن۔

سوال: میں ابھا میں رہتا ہوں، اور جدہ میں آیا تھا جہاں میرا گھر ہے، اور وہیں سے احرام باندھ کر مکہ گیا، کیا میرا احرام صحیح ہے؟

جواب: جس میقات سے گزرہوا ہے وہاں سے احرام باندھنا واجب ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّأْمِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا، فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ فَمِنْ أَهْلِهِ حَتَّى إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا ".

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ میقات ٹھہرایا اور شام والوں کے لیے جحفہ، یمن والوں کے لیے یلملم اور نجد والوں کے لیے قرن المنازل۔ یہ ان ملکوں کے لوگوں کے لیے ہیں اور دوسرے ان تمام لوگوں کے لیے بھی جو ان ملکوں سے گزریں۔ اور حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ لیکن جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں۔ تو وہ اپنے شہروں سے احرام باندھیں، حتی کہ مکہ کے لوگ مکہ ہی سے احرام باندھیں۔ (صحیح بخاری: ۱۵۲۹)۔

لیکن اگر اپنے گھر سے حج کی نیت کی ہے تو پھر وہیں سے احرام باندھ لے گا لیکن اگر ابھا سے نیت کی ہے تو پھر میقات سے احرام باندھنا واجب ہے۔

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ اگر عرفہ جمعہ کے دن ہو جائے تو وہ سات حج کے برابر ہو جاتا ہے جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے؟

جواب: اس پر مجھے کوئی دلیل معلوم نہیں ہے۔

سوال: مزدلفہ کے بعد منی آئے جہاں ہمیں کوئی جگہ نہ ملی، تو کیا یہاں ٹھہرانا واجب ہے؟ اسی طرح گیارہ اور بارہ تاریخ کو بھی کیا منی میں ٹھہرانا واجب ہے؟

جواب: جہاں تک دس تاریخ کی بات ہے تو اس دن منی میں ٹھہرنا سنت ہے لیکن اسکے بعد گیارہ اور بارہ تاریخ کو منی میں ٹھہرنا واجب ہے، اگر وہاں جگہ نہ ملے تو کسی قریبی جگہ پر ٹھہر جائیں۔

سوال: کیا مکہ اور جدہ والوں کیلئے جائز ہے کہ وہ منی ہی سے احرام باندھ لیں یا پھر گھر سے باندھنا ضروری ہے؟ اور کیا عشاء کے بعد احرام باندھنا جائز ہے؟

جواب: مکہ والے اپنے گھروں سے اور جدہ والے اپنے گھروں سے احرام باندھیں گے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ) ترجمہ: لیکن جن کا قیام میقات اور مکہ کے درمیان ہے تو وہ احرام اسی جگہ سے باندھیں جہاں سے انہیں سفر شروع کرنا ہے۔ یہاں تک کہ مکہ کے لوگ مکہ ہی سے احرام باندھیں۔ (صحیح بخاری: ۱۵۲۴)۔

سوال: کیا دس تاریخ سے قبل قربانی کر سکتے ہیں؟

جواب: ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ) ترجمہ:

اور اپنے سروں کو نہ مونڈو، یہاں تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پر پہنچ جائے۔(البقرہ:١٩٦)۔

اس آیت کی روشنی میں دس تاریخ سے قبل قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے بھی واضح کیا ہے کہ دس تاریخ سے قبل قربانی جائز نہیں ہے۔

سوال: اگر کوئی قربانی کا جانور ساتھ لاتا ہے لیکن راستے میں ضائع ہو جائے یا عیب دار ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب: اگر عیب دار ہو جائے تو اسے ذبح کر کے فقراء مکہ میں تقسیم کر دے اور اگر ضائع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ تعیین سے قبل اس پر واجب نہیں ہے، ہاں اگر مل جائے تو اسکی قربانی کر دے۔اور اگر واجب قربانی ہے تو اسکا بدل کرے گا۔

سوال: کیا اگر اہل مکہ مشاعر مقدسہ میں ہوں تو وہ نمازوں میں قصر کریں گے؟

جواب: صحیح یہی ہے کہ اگر اہل مکہ مشاعر مقدسہ میں ہوں حج کی نیت سے تو وہ بھی قصر اور جمع میں دیگر حجاج کرام کے حکم میں ہوں گے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل مکہ نے بھی حج کیا تھا لیکن آپ نے انہیں نماز پوری کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے کہا کہ تم لوگ چار چار رکعت پڑھو کیونکہ ہم لوگ سفر پر ہیں۔(سنن ابی داود:١٢٢٩)۔

تو یہ فتح مکہ کے وقت کہا تھا اس وقت جب مکہ والوں کو آپ نے نماز پڑھائی تھی، اور یہ حج کے موقع پر نہیں تھا۔پتہ چلا کہ اہل مکہ مشاعر مقدسہ میں ہوں تو دیگر حجاج کرام کے حکم میں ہوں گے۔

سوال: طواف وداع کو موخر کرنے کا کیا حکم ہے، یہ معلوم رہے کہ میں اس وقت جدہ میں ہوں؟

جواب: حج کے بعد جب جدہ جانے کا ارادہ ہو تو اس وقت طواف وداع واجب ہے۔

سوال: اگر میں مکہ ہوتے ہوئے جدہ جاؤں تو کیا مجھ پر عمرہ واجب ہے؟ اور کیا یہ حکم ذی الحجہ میں مختلف ہے؟

جواب: اگر عمرہ کی نیت سے آئیں تو اچھی بات ہے لیکن اگر بغیر احرام کے گزر رہے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، میقات سے گزرنے والے کیلئے اگر دم باندھنا اسی خو واجب ہے جو وہاں سے عمرہ یا حج کی نیت سے گزرے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ) ترجمہ: یہاں سے ان مقامات والے بھی احرام باندھیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی جو ان راستوں سے آئیں اور حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ (صحیح بخاری: ۱۵۲۴)۔

اور آپ نے حج یا عمرے کی نیت نہیں کی ہے اس لئے آپ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، اور یہ حکم عام ہے خواہ وہ حج کے مہینوں میں ہو یا دوسرے کسی ماہ میں۔



۹۷-خودکش حملہ کی سنگینی اور معصوم جان کے قتل کی حرمت:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

اللہ نے انسان کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (الذاریات: ۵۶)۔

اللہ نے انسان کو عزت عطا کی ہے اور اسکے لئے اپنی مخلوقات میں سے ان تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے جو اسکے لئے مفید اور کارآمد ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا) ترجمہ: اور بلاشبہ یقینا ہم نے آدم کی اولاد کو بہت عزت بخشی اور انھیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے جو مخلوق پیدا کی اس میں سے بہت سوں پر انھیں فضیلت دی، بڑی فضیلت دینا۔ (الاسراء: ۷۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ [4] ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ [5] إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ) ترجمہ: بلاشبہ یقینا ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔ [4] پھر ہم نے اسے لوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا۔ [5] مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے تو ان

کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔(التین:۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَالْعَصْرِ[1] إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ[2] إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) ترجمہ: زمانے کی قسم![1] کہ بے شک ہر انسان یقینا گھاٹے میں ہے۔[2] سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔(العصر)۔

چنانچہ یہ انسان جب اس مقصد کو پورا کرے گا جس کیلیے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے اور جس کا حکم دیا ہے تو اللہ بھی اسے دنیا اور اجرگ دونوں جگہ سرخرو رکھے گا،لیکن اگر اس مقصد کو نہ تو پورا کر دے اور نہ ہی اس حکم کو بجالائے گا تو اللہ اسے رسوا کر کے دردناک عذاب سے دو چار کرے گا۔

اسی لئے یہ انسان یا تو عزت واحترام کے اعلی مقام پر فائز ہوگا یا پھر ذلت ورسوائی کی گہری کھائی میں پڑا ہوگا۔ارشاد باری تعالی ہے:(أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ) ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ،اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ۔اور بہت سے وہ ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا اور جسے اللہ ذلیل کر دے پھر اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔(الحج:۱۸)۔

یہاں وجہ اور سبب انسان کا اپنا عمل ہے،وہ اچھا عمل کرے گا تو بلند مقام پر فائز ہوگا اور اگر برا عمل کرے گا تو نچلی سطح پر جائے گا،ارشاد باری تعالی ہے:(وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا

كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا) ترجمہ: اور کتاب رکھی جائے گی، پس تو مجرموں کو دیکھے گا کہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے ہائے ہماری بربادی! اس کتاب کو کیا ہے، نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑتی ہے اور نہ بڑی مگر اس نے اسے ضبط کر رکھا ہے، اور انھوں نے جو کچھ کیا اسے موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (الکھف: ۴۹)۔

اللہ کی طرف سے انسان کی عزت وتکریم میں سے یہ بھی ہے کہ اسکے خون کو حرام کر دیا ہے لہذا کوئی اس پر زیادتی کرتے ہوئے اس کا خون نہیں بہا سکتا، ارشاد باری تعالی ہے: (وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ) ترجمہ: اور ہم نے اس میں ان پر لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں میں برابر بدلہ ہے، پھر جو اس (قصاص) کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ) ترجمہ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ حقیقت یہ ہے کہ جس نے ایک جان کو کسی جان کے (بدلے کے) بغیر، یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے اسے زندگی بخشی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی اور

بلاشبہ ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے، پھر بے شک ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے ہیں۔(المائدہ:۳۲)۔

اور اسکی تفصیل ایک حدیث کے اندر وارد ہوئی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جب بھی کوئی انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے تو آدم علیہ السلام کے سب سے پہلے بیٹے (قابیل) کے نامہ اعمال میں بھی اس قتل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔کیونکہ قتل ناحق کی بنا سب سے پہلے اسی نے قائم کی تھی۔" (صحیح بخاری: ۳۳۳۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ[27] لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ[28] إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: اور ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر کی تلاوت حق کے ساتھ کر، جب ان دونوں نے کچھ قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔اس نے کہا میں تجھے ضرور ہی قتل کر دوں گا۔اس نے کہا بے شک اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔[27] اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف اس لیے بڑھایا کہ مجھے قتل کرے تو میں ہرگز اپنا ہاتھ تیری طرف اس لیے بڑھانے والا نہیں کہ تجھے قتل کروں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، جو سارے جہانوں

کارب ہے۔[28] میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ لے کر لوٹے، پھر تو آگ والوں میں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی جزا ہے۔(المائدہ:۲۹)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب جو بھی کسی کا خون ناحق بہائے گا اس کا ایک حصہ گناہ اس کے سر جائے گا جس نے اب سے پہلے خون بہایا ہے۔

چنانچہ بغیر شرعی جواز کے کسی کا خون بہانا بالکل جائز نہیں ہے، اور شرعی جواز قصاص ہے، فساد فی الارض ہے، جیسے ڈاکو اور باغی وغیرہ، یا جو بھی ملکی سلامتی کیلئے خطرہ بنے، اور لوگوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرے یا جو نشہ آور چیزوں کا رواج دے اور لوگوں کے بدن کو فاسد کرنے میں مدد کرے، تو یک بھی فساد فی الارض ہے، اسے بھی قتل کیا جائے گا تا کہ اس کی برائی سے لوگ محفوظ رہیں۔

اسی طرح ارتداد کی وجہ سے بھی قتل کیا جائے گا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عِكْرِمَةَ، أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، حَرَّقَ قَوْمًا فَبَلَغَ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحَرِّقْهُمْ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللَّهِ، وَلَقَتَلْتُهُمْ"، كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ".

ترجمہ: عکرمہ سے مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو (جو عبداللہ بن سبا کی متبع تھی اور علی رضی اللہ عنہ کو اپنا رب کہتی تھی) جلا دیا تھا۔ جب یہ خبر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ملی تو آپ نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو کبھی انہیں نہ جلاتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب کی سزا کسی کو نہ دو، البتہ میں انہیں قتل ضرور کرتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کر دے اسے قتل کر دو۔(صحیح بخاری:۳۰۱۷)۔

مزید ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کو جو گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی سچا معبود نہیں ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں، مارنا درست نہیں مگر تین میں سے کسی ایک بات پر یا اس کا نکاح ہو چکا ہو اور وہ زنا کرے، یا جان کے بدلے جان (یعنی کسی کا خون کرے) یا جو اپنے دین سے پھر جائے مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔"

ان سب کو قتل کیا جائے گا کیونکہ ان سب کے اندر قتل کے اسباب متاچر پیغام گے، مذکورہ اسباب کے سوا کسی دوسری وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جہاد کے کچھ ضوابط اور شرائط ہیں، جن پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں، قرآن کے اندر صرف ہر طرح کی تعریف اسکی مذکور ہے، چنانچہ عبادت کی طرح جہاد جو اللہ نے یظم کیا ہے، اللہ نے کسی معصوم جان لینے کی وعید سناتا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا) ترجمہ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ حقیقت یہ ہے کہ جس نے ایک جان کو کسی جان کے (بدلے کے) بغیر، یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ (المائدہ: ۳۲)۔

پھر آخر اسکا کیا حکم ہوگا جو خودکش حملہ کر کے ایک ساتھ کئی لوگوں کی جان لیتا ہے، کئی گھروں کو تباہ کرتا ہے اور بہتوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرتا ہے؟! یہ تو بہت بڑا فسادی ہوگا، اس کا یک عمل فساد اور تخریب ہے نہ کہ جہاد۔

بلا شرعی جواز کے آپ مسلمان کو قتل نہیں کر سکتے ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ) ترجمہ: اور کسی مومن کا کبھی یہ کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک مومن گردن آزاد کرنا اور دیت دینا ہے، جو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی ہو۔ (النساء: ۹۲)۔

قتل خطا کی بہت سی صورتیں ہیں، اللہ تعالی نے قتل خطا کو بھی معاف نہیں کیا ہے تا کہ انسان اس تعلق سے کافی محتاط رہے، اور غلطی سے بھی کسی معصوم جان کو نہ مارے۔

یہ صرف قتل مومن تک محدود نہیں ہے بلکہ اللہ نے اس کافر کا خون بھی حرام کر دیا ہے جو ذمی یا معاہد ہے، اسی لئے آگے اسکے قتل کے بارے میں فرمایا: (وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا) ترجمہ: اور اگر اس قوم میں سے ہو کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان ہو تو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی دیت ادا کرنا اور ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے، پھر جو نہ پائے تو پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنا ہے۔ یہ بطور توبہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہمیشہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ (النساء: ۹۲)۔

اور مسلمان عہد و پیمان کا احترام کرتے ہیں، اور اسے پورا کرتے ہیں، گرچہ وہ کفار ہی کے تئیں ہو، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ

کرو۔عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔(المائدہ:۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ) ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی اس لیے کہ انھوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا، تمھیں اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ حد سے بڑھ جاؤ، اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔(المائدہ:۲)۔

اور جان بوجھ کر قتل کرنے کے تعلق سے ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا) ترجمہ: اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنے والا ہو اور اللہ اس پر غصے ہوگیا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔(النساء:۹۳)۔

اور اسی طرح معاہد اور ذمی کافر کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے کسی ذمی کو (ناحق) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے سونگھی جاسکتی ہے۔“(صحیح بخاری:۳۱۶۶)۔

یہی معاملہ اس کافر کا بھی ہے جو امان کے ساتھ ملک میں داخل ہوا ہو گرچہ وہ حربی کافر ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ) ترجمہ: اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔ (التوبہ: ٦)۔

اور یہ طریقہ دعوت میں شامل ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کی طرف عدل وانصاف اور وفاداری دیکھیں گے تو اس سے اسلام کی طرف انکا میلان بڑھے گا اور اگر غداری اور ظلم دیکھیں گے تو اسلام سے متنفر ہوں گے۔

اسی طرح وہ مزدور بھی امن وامان سے رہیں گے جنہیں کافر ملکوں سے بلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے ملک واپس چلے جائیں۔

یہ دین غداری اور وحشیانہ نہیں ہے بلکہ یہ دین وفا اور دین دعوت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ) ترجمہ: تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں سے کچھ مومن ہیں اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔ (آل عمران: ١١٠)۔

قتل کی حرمت پر ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی ہے فرمایا: (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا [68] يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا [69] إِلَّا مَنْ

تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا) ترجمہ: اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ [68] اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا۔ [69] مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا، کچھ نیک عمل تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰)۔

آپ دیکھیں گے کہ قتل نفس کو حرمت میں شرک باللہ کے برابر قرار دیا ہے، مگر توبہ کرنے والے کیلئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

اسلئے ایک مومن کو چاہئے کہ وہ اس تعلق سے معلومات رکھے تا کہ ایسے حرام کاموں سے دور رہے اور اس کی حرمت اور وعید کا اندازہ کرے۔

دور حاضر میں اعدائے اسلام کفار کی مکمل سرپرستی اور پلاننگ کے ساتھ مسلم ملکوں میں بم دھماکے کروائے جاتے ہیں اور مسلم بچوں کو بیوقوف بنا کر جہاد اور دینی غیرت کے نام پر انہیں استعمال کیا جاتا ہے، انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جہاد کسے کہتے ہیں اور قتل مومن کا کیا گناہ ہے، یہ جہاد اور حصول جنت کے نام پر سب کچھ کر گزرتے ہیں۔

انہیں کیا پتہ کہ اس خودکش دھماکوں کے نتیجے میں کتنی معصوم جانیں جاتی ہیں، کتنی تباہی آتی ہے اور کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہوتی ہیں !!!

اس طرح آپ دیکھیں گے کہ خودکش حملہ آور دو عظیم جرائم کا مرتکب ہوتا ہے:

پہلا جرم: اس نے خودکشی جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے، اللہ نے اسے حرام کیا ہے اور اس پر سخت وعید سنائی ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، يَتَرَدَّى فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَحَسَّى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کرلی وہ جہنم کی آگ میں ہوگا اور اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا اور جس نے زہر پی کر خودکشی کرلی وہ زہر اس کے ساتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اسے اسی طرح ہمیشہ پیتا رہے گا اور جس نے لوہے کے کسی ہتھیار سے خودکشی کرلی تو اس کا ہتھیار اس کے ساتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لیے وہ اسے اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔(صحیح بخاری:۵۷۷۸)۔

چنانچہ ایک مسلمان کتنی ہی تکلیف مصیبت میں گرفتار ہو اسے خودکشی کی اجازت نہیں ہے، وہ صبر کرے گا، حتی کہ ایک شخص جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل تھا اس نے خودکشی کرلی تو آپ نے اسے دوزخی کہہ دیا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ:" هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ"، فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ: قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ وَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَأَثْبَتَتْهُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ الَّذِي تَحَدَّثْتَ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ، فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ"، فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَرْتَابُ، فَبَيْنَمَا هُوَ عَلَى ذَلِكَ، إِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى كِنَانَتِهِ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهَا، فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، صَدَّقَ اللَّهُ حَدِيثَكَ، قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا بِلَالُ، قُمْ فَأَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی لڑائی میں موجود تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں جو آپ کے ساتھ شریک جہاد تھا اور اسلام کا دعویدار تھا فرمایا کہ یہ جہنمی ہے۔ جب جنگ ہونے لگی تو اس شخص نے بہت جم کر لڑائی میں حصہ لیا اور بہت زیادہ زخمی ہو گیا پھر بھی وہ ثابت قدم رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے آ کر عرض کیا: یارسول اللہ! اس شخص کے بارے میں آپ کو معلوم ہے جس کے بارے میں ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے وہ تو اللہ کے راستے میں بہت جم کر لڑا ہے اور بہت زیادہ زخمی ہو گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی یہی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ ممکن تھا کہ بعض مسلمان شبہ میں پڑ جاتے لیکن اس عرصہ میں اس شخص نے زخموں کی تاب نہ لا کر اپنا ترکش کھولا اور اس میں سے ایک تیر نکال کر اپنے آپ کو ذبح کر لیا۔ پھر بہت سے مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑتے ہوئے پہنچے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات سچ کر دکھائی۔ اس شخص نے اپنے آپ کو ہلاک کر کے اپنی جان خود ہی ختم کر ڈالی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ اے بلال! اٹھو اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہو گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت و مدد بے دین آدمی سے بھی کراتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۶۰۶)۔

اس کے باوجود یہ مجرمین اس بھیانک دوزخی جرم کو شہادت کا نام دیتے ہیں!! جبکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے، کیونکہ شہید وہ ہے جو راہ خدا میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوا ہو اس نے خود کو اپنے ہاتھوں قتل نہ کیا ہو، چنانچہ جو خود کو قتل کرے گا وہ فاسق، مجرم اور فسادی ہوگا نہ کہ شہید۔

ایسے مجرم کے ہاتھوں کو قدر جان ومال اور املاک کی تباہی ہوتی ہے! یہ کس قدر غداری اور خیانت ہے!! جبکہ اسلام عہد و پیمان کا احترام کرتا ہے ارشاد باری تعالی ہے:(فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا) ترجمہ: پھر جس نے عہد توڑا تو درحقیقت وہ اپنی ہی جان پر عہد توڑتا ہے اور جس نے وہ بات پوری کی جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ اسے جلد ہی بہت بڑا اجر دے گا۔(الفتح:۱۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا) ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کا سوال ہوگا۔(الاسراء:۳۴)۔

اس عہد و پیمان کے بارے میں بروز قیامت سوال ہوگا ارشاد باری تعالی ہے:(وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ) ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرو جب آپس میں عہد کرو اور قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، حالانکہ یقینا تم نے اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنایا ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔(النحل:۹۱)۔

غداری اور خیانت منافقوں کی علامت ہے، مومن غداری نہیں کرتا۔

لہذا ضروری ہے کہ یہ سر پھرے دھوکہ میں پڑے ہوئے جتنا جلدی ہوسکے اللہ سے توبہ کریں اور دینی علوم حاصل کریں، اور اس طرح کی تخریب کاریوں سے دور رہیں، حتی کہ ان بلاد کفر میں بھی یہ سب جائز نہیں ہے جہاں سے مسلم ملکوں کے معاہدے اور سیاسی تعلقات ہیں، لہذا ایک مسلمان کیلئے بالکل جائز

نہیں کہ غداری اورخیانت کی نشانی بنے نہ ہی مسلم ملکوں میں اور نہ ہی بلاد کفر میں کہ جس سے کفار دین اسلام سے بیزاری کا شکار ہو جائیں، یہ خود کو گرچہ اسلام کا مجاہد سمجھ رہے ہوں مگر فی الواقع دین اسلام کیلئے تخریب کاری اور خوانخواری کی علامت اور دین اسلام کیلئے عار بنے ہوئے ہیں۔

اسلئے مسلمانوں کو اس سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے، گمراہ داعیوں کے باطل افکار ونظریات اور اعدائے اسلام کی چالوں اور سازشوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ سرپھرے نوجوان انہیں کی سازشوں اور گمراہ کن فتوؤں کا شکار ہوتے ہیں، جنکے پاس علم دین نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، یا علم ہوتا ہے مگر انکے پاس اللہ کا خوف نہیں ہوتا۔

آج انہیں مجرم سرپھرے داعشی نوجوانوں اور گمراہ داعیوں کے باطل افکار ونظریات اور قاتل فتوؤں کی وجہ سے اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے اور اعدائے اسلام انہیں سرپھروں اور قاتل فتوؤں کو بہانہ بنا کر ہر مسلمان کو دہشت گرد ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس طرح یہ جاہل اور سرپھرے خود اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی زندگی کے ساتھ بھی کھلواڑ کرتے ہیں۔

ان سرپھروں کو چاہئے کہ یہ توبہ کریں اور جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت سمجھیں، اسکے شرائط معلوم کریں، اور یہ جان لیں کہ اپنی جان لینا اپنے ہاتھ سے کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، خواہ انسان کتنی ہی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا نہ ہو وہ ہر حال میں صبر کرے گا، حتی کہ اگر اسے یہ معلوم ہو کہ دشمن اسے قتل کر دے گا پھر بھی وہ خودکشی نہیں کرے گا بلکہ وہ صبر کرے گا، ہاں وہ حتی الامکان اپنا دفاع اور علاج معالجہ کرے گا لیکن خودکشی نہیں کرے گا، ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، حَدَّثَنَا جُنْدَبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ وَمَا نَسِينَا مُنْذُ حَدَّثَنَا وَمَا نَخْشَى، أَنْ يَكُونَ جُنْدُبٌ كَذَبَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ

جُرْحٌ فَجَزِعَ فَأَخَذَ سِكِّينًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهُ فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ".

ترجمہ: حسن نے کہا ہم سے جندب بن عبداللہ نے اسی مسجد میں بیان کیا (حسن نے کہا کہ) انہوں نے جب ہم سے بیان کیا ہم اسے بھولے نہیں اور نہ ہمیں اس کا اندیشہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس حدیث کی نسبت غلط کی ہو گی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پچھلے زمانے میں ایک شخص (کے ہاتھ میں) زخم ہو گیا تھا اور اسے اس سے بڑی تکلیف تھی، آخر اس نے چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ لیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خون بہنے لگا اور اسی سے وہ مر گیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے خود میرے پاس آنے میں جلدی کی اس لیے میں نے بھی جنت کو اس پر حرام کر دیا۔" (صحیح بخاری: ۳۴۶۳)۔

اس لئے ضروری ہے کہ ایک مسلمان اس سے آگاہ رہے اور خودکشی کی سنگینی کو واضح کرے کہ جس کے نتیجے میں معصوم جانوں کا ضیاع ہوتا ہے، لوگ خوف و ہراس میں مبتلا ہوتے ہیں، امن و امان تباہ ہو جاتا ہے، ملک بدامنی اور بغاوت کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس کا واضح سبب یہی ہے کہ یہ سر پھرے علمائے ربانیین کو چھوڑ کر باطل افکار کے داعیوں کو پکڑا اور انکے قاتل فتوؤں پر عمل کیا اور اسی خوھو سمجھ کر خود کو بم سے اڑا لیا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تباہ کیا۔ اپنی آخرت اور دنیا دونوں کو تباہ اور دوسروں کہ دنیا اجاڑ دی۔

یہ معاملہ یہیں تک محدود نہیں ہے اور انکے جرائم کا نقصان صرف انہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ لوگ دین اسلام کیلئے بھی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں، اور اپنے پیچھے بہت سے معصوم لوگوں کو تڑپتا چھوڑ جاتے ہیں۔

انہیں داعشی سر پھروں کی وجہ سے دہشت گرد مسلمان کا مترادف لفظ بن چکا ہے، چنانچہ یورپ

میں جب مسلمان کا نام لیا جاتا ہے تو ساتھ میں دہشت گرد کا لفظ بھی دہراتے ہیں، کیونکہ انہیں داعشیوں کے ذریعے انہوں نے اسلام کو دہشت گردی سمجھ لیا ہے، خواہ وہ حقیقت جانتے ہوں اور تدلیس وفریب سے کام لیتے ہوں یا وہ حقیقت میں اسلام کو ایسا ہی سمجھتے ہوں، کیونکہ انہوں نے اسلام کو انہیں کی داعشی کتابوں اور سنگھ مرشدوں کے لٹریچر سے سمجھا ہے، انھوں نے اسلام کو قرآن اور حدیث نیز سیرت النبی سے نہیں سمجھا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے ملک کو اور اپنے نوجوانوں کو ایسے گمراہ داعیوں، ان کے باطل افکار ونظریات اور قاتل سرپھروں سے آگاہ رکھیں۔

الحمدللہ یہاں پر مدارس ومعاہد سے لیکر جامعات اور کالج تک ہر جگہ دین اسلام کی سچی تعلیم ہی دی جاتی ہے، کتاب وسنت اور عقیدہ توحید کا درس ہوتا ہے، وہاں بتایا جاتا ہے کہ ایک مسلمان کے خون کی کیا اہمیت اور حرمت ہے، اسی طرح ایک معاہد ذمی کافر کے خون کی بھی کیا حرمت ہے۔

ہمارے پاس ایک عظیم دین ہے، ضروری ہے کہ ہم اسے اسکے عظیم مصادر سے سیکھیں، اور سمجھیں، اسکے احکام اور حدود کی جانکاری حاصل کریں ، ارشاد باری تعالی ہے:(قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: کہہ دیں کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔(الاعراف:۳۳)۔

معلوم ہوا کہ اللہ اور اسکے دین کے بارے میں بغیر علم کے گفتگو کرنا اللہ پر بہتان ہے اور شرک سے بڑا گناہ ہے۔ اور جو جہاد اور ولاء وبراء کے بارے میں بات کرنے والے فائدہ سے زیادہ دین اسلام کو

نقصان پہونچاتے ہیں، کیونکہ جہالت کا نتیجہ جہالت ہی ہوتی ہے، اور جاہل مرکب جاہل بسیط سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، کیونکہ جاہل بسیط کی جہالت اسی تک محدود ہوتی ہے جب کہ جاہل مرکب کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ جاہل ہے بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور سچا عالم ہے جبکہ دیگر علمائے اہل سنت چاپلوس اور بزدل ہیں۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: کچھ لوگ خودکش دھماکوں کے جواز میں لڑکے کے واقعے سے استدلال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر دشمنوں کو آپ نے ملک سے بھگانے کا کوئی طریقہ نظر نہ آئے تو خودکش حملہ کرسکتے ہیں، اس تعلق سے آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: یہ الٹا استدلال ہے، اسلئے کہ لڑکے نے خود اپنی جان نہیں لی تھی بلکہ اسے ظالم بادشاہ نے قتل کیا تھا، دعوت اسلام کی خاطر وہ شہید ہوگیا اور اسی پر صبر کیا، آخر یہ لوگ کیسے اس واقعے سے استدلال کرتے ہیں جبکہ اس نے خود کو قتل نہیں کیا تھا؟!

سوال: آخر جہاد سے دشمنی کیوں ہے، لوگوں کو کیوں جہاد سے روکا جارہا ہے، جبکہ امت مسلمہ کو اس وقت جہاد کی ضرورت ہے جس سے کہ اعدائے اسلام نفرت کرتے ہیں، پھر ہم انکی موافقت کیوں کررہے ہیں، اسی طرح اللہ کے قول (ترھبون) کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ہم جہاد سے محبت کرتے ہیں اور جہاد کرنا بھی چاہتے ہیں، مگر جسے تم لوگ جہاد کہہ رہے ہو وہ جہاد نہیں تخریب کاری اور ناحق خون بہانا اور قتل وخونریزی ہے، جہاد کے کچھ خاص احکام، ضوابط اور شرائط ہیں، اور جسکی ذمیداری حاکم وقت کی ہے، اسی کی اجازت سے جہاد ہوگا، دیکھیں بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: (أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ) ترجمہ: بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر

کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔(البقرہ:۲۴۶)۔

وہ خود سے ہتھیار اٹھا کر جہاد کیلئے نہیں نکل گئے بلکہ اپنے نبی سے مطالبہ کیا کہ ہم جہاد کرنا چاہتے ہیں ہمارے لئے قائد مقرر کر دیں، جسکی قیادت میں ہم جہاد کریں، چنانچہ جہاد کو منظم کرنا اور اسکے لئے فوج اور اسلحہ جمع کرنا سب حاکم وقت کی ذمہ داری ہے۔

اور سورہ انفال کی آیت نمبر ۶۰ میں لفظ (ترھبون) سے مراد غیر معاہد کفار کو ڈرانا ہے نہ کہ مسلمانوں اور معاہد و ذمی کفار کو!

سوال: میرے والدین یہ نہیں چاہتے کہ میری بیوی نقاب پہنے، اسی لئے میں نے گھر کو چھوڑ دیا ہے، لیکن میں برابر والدین کے احوال معلوم کرتا ہوں اور خرچہ بھیجتا رہتا ہوں، کیا گھر سے میرا نکلنا والدین کی نافرمانی ہے؟

جواب: آپ نے گھر کو اللہ کی اطاعت میں چھوڑا ہے، اس میں والدین کی نافرمانی نہیں ہے، بلکہ آپ کے والدین ہی غلطی پر ہیں، وہ معصیت کا حکم دے رہے تھے اور خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی طاعت نہیں ہے۔

اور یہ قدم ٹھیک اٹھایا کہ الگ گھر میں بیوی کو رکھو اور والدین کی زیارت کرو اور انہیں سمجھاؤ بھی، اور انکے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔

سوال: جو شخص خودکشی کی حرمت کو نہ جانتے ہوئے خودکشی کرلے تو کیا وہ اس وعید میں شامل ہوگا؟

جواب: وہ خطاکار ہے، اس نے اہل علم سے کیوں نہیں پوچھا، اس کا معاملہ اللہ پر ہے۔

سوال: منفی افکار مجھے خودکشی کی طرف بلاتے ہیں، ان منفی افکار کا کیا علاج ہے؟

جواب: مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا ہی اسکا واحد علاج ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) ترجمہ: اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ تجھے ابھار ہی دے تو اللہ کی پناہ طلب کر، بے شک وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (الاعراف: ۲۰۰)۔

اسلئے شیطان سے پناہ مانگیں، کثرت سے اللہ کا ذکر کریں اور صبر واحتساب سے کام لیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ) ترجمہ: اور اس (مصیبت) پر صبر کر جو تجھے پہنچے، یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔ (لقمان: ۱۷)۔

سوال: وہ کون سے شبہات ہیں جن پر تکفیری اپنے عقائد کی بنیاد رکھتے ہیں؟

جواب: شبہات بہت ہیں، لیکن ان میں سب سے بڑا شبہہ یہ ہیکہ وہ متشابہ دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں، اور انہیں محکم دلائل کی طرف نہیں پھیرتے، اسی طرح وہ ایسے لوگوں کی تقلید کرتے ہیں جو کم علم متعالمین ہوتے ہیں یا ان کے پاس شریعت کا علم ہی نہیں ہوتا ہے۔

سوال: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر عمل کرتے ہوئے کیا جادوگر کو قتل کرنا جائز ہے؟

جواب: جادوگر پر حد نافذ ہوتا ہے، اسے حکومت نافذ کرے گی قاضی کے فیصلے کے بعد، اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی کو قتل کیا تھا جس نے جادو کر دیا تھا اور آقا اپنے مملوک پر حد نافذ کر سکتا ہے۔

سوال: کیا کسی عیسائی مریض کو خون ہدیہ کر سکتے ہیں؟

جواب: جس طرح انہیں کھانا کھلا سکتے ہیں اسی طرح خون کا عطیہ بھی دے سکتے ہیں، یک بھی احسان کے باب سے ہوگا، ارشاد باری تعالی ہے: (لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ) ترجمہ: اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنہ: ۸)۔

سوال: ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ) ترجمہ: جب بھی کوئی انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے تو آدم علیہ السلام کے سب سے پہلے بیٹے (قابیل) کے نامہ اعمال میں بھی اس قتل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ قتل ناحق کی بنا سب سے پہلے اسی نے قائم کی تھی۔ (صحیح بخاری: ۳۳۳۵)۔

اور قرآن کے اندر وارد ہوا ہے: (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى) ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ (فاطر: ۱۸)۔

ان دونوں نصوص کے اندر تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واضح کیا ہے اسلئے کہ اس نے سب سے پہلے قتل کی سنت جاری کی ہے اور یہ اس کا بوجھ ہے۔

سوال: استعمال والے زیورات کا کیا حکم ہے، کیا اس پر زکاۃ ہے؟

جواب: راجح یہی ہے کہ اس میں زکاۃ نہیں ہے۔

سوال: ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) ترجمہ: اندھیری راتوں میں مسجدوں کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے دن پوری روشنی کی خوشخبری دے دو۔ (سنن ابی داود: ۵۶۱)۔

اس حدیث کی کیا تشریح ہے؟

جواب: اس حدیث کے اندر مسجد کی طرف پیدل جانے کی فضیلت بتائی گئی ہے، اسکے علاوہ بھی اسی معنی میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

سوال: موجودہ دور میں فتنے ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں گھر میں بازار میں، مگر میں شرم کی وجہ سے ان فتنوں پر نکیر نہیں کر پاتا، نکیر کی کیا صورت ہے؟

جواب: درج ذیل حدیث کی روشنی میں نکیر کر سکتے ہیں: (مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ) ترجمہ: جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار رہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے۔ (صحیح مسلم: ۴۹)۔

سوال: ایک شخص جو کہ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہے، دوسری شادی کرنا چاہتا ہے لیکن پہلی بیوی

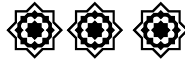
کے نام گھر لکھ رہا ہے کیونکہ اس نے بڑی مشقت اٹھائی ہے، کیا اس میں کوئی حرج ہے؟
جواب: ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہے، ایک شوہر بیوی کو عطیہ دے سکتا ہے.

سوال: ایک آدمی سے جھگڑا ہوا ہے، اگر ملاقات پر اس سے سلام کر لیتے ہیں تو کیا وعید سے بچ جائیں گے؟
جواب: اگر آپ نے سلام کر لیا تو گویا اپنا حق ادا کر دیا اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:
عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ".
ترجمہ: سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اپنے کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ کے لیے ملاقات چھوڑے، اس طرح کہ جب دونوں کا سامنا ہو جائے تو یہ بھی منہ پھیر لے اور وہ بھی منہ پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔“ (صحیح بخاری: ٦٠٧٧)۔

سوال: جہاد کی معرفت کیلئے کن کتابوں سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں؟
جواب: تفسیر اور شروحات حدیث کی کتابوں سے، اسی طرح فقہ اور عقیدے کی کتابوں سے، ان سب کے اندر جہاد کے شرائط اور ضوابط بتائے گئے ہیں، مگر انہیں اطمینان سے پڑھنے کی ضرورت ہے، بغیر عالم کے صرف مطالعہ سے کام نہیں چلے گا۔

سوال: ایک حاملہ عورت نے بھاری بوجھ اٹھایا اور اس کے لئے پیٹ سے سہارا لیا جسکی وجہ سے بچہ مرگیا، کیا اس پر دیت ہے؟

جواب: چونکہ بچے کی موت کا وہ سبب بنی ہے اس لئے اسے کفارہ ادا کرنا پڑے گا اور وہ ایک غلام کا آزاد کرنا ہے، مگر چونکہ اس وقت غلام موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسے دو ماہ مسلسل روزہ رکھنا پڑے گا، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



۹۸-صحابہ کرام کے تئیں اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء ورسل کے بعد مبعوث کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے نبی عیسی علیہ السلام کے درمیان تقریبا چھ سو سال کا فاصلہ ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) ترجمہ: اے اہل کتاب! بے شک تمھارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے، رسولوں کے ایک وقفے کے بعد، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا، تو یقینا تمھارے پاس ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ (المائدہ:۱۹)۔

لوگوں اس دین حنیف کے اندر تحریف کر ڈالا تھا، انبیاء سابقین کے پیغام مٹ چکے تھے، بت پرستی پر سو عام ہو چکی تھی، ایسے موقع پر اللہ نے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا والوں کی طرف مبعوث کیا جن میں انسانوں کے ساتھ جنات بھی شامل ہیں کیوں کہ آپ کی رسالت سب کو عام ہے۔

اللہ نے آپ کو مکہ کے اندر تنہا مبعوث کیا پھر آپ نے اپنی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نزول وحی سے متعلق سب کچھ خبر کر دی، اور اس سے جو آپ کو گھبراہٹ لاحق ہوئی اسکی بھی شکایت کی، تو آپ نے نبی

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور اطمینان دلایا، اور اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ صفات سے استدلال کیا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ، وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ، فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ: يَا ابْنَ عَمِّ، اسْمَعْ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: يَا ابْنَ أَخِي، مَاذَا تَرَى، فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللَّهُ عَلَى مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ، قَالَ: نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا، ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ) ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی اور کہا کہ آپ کا خیال صحیح نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے اوصاف حسنہ والا انسان یوں بے وقت ذلت وخواری کی موت نہیں پاسکتا۔ پھر مزید تسلی کے لیے خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو ان کے چچازاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں نصرانی مذہب اختیار کر چکے تھے اور عبرانی زبان کے کاتب تھے، چنانچہ انجیل کو بھی حسب

منشائے خداوندی عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔(انجیل سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی پھراس کا ترجمہ عبرانی زبان میں ہوا۔ورقہ اسی کو لکھتے تھے) وہ بہت بوڑھے ہوگئے تھے یہاں تک کہ ان کی بینائی بھی رخصت ہو چکی تھی۔خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے اور کہا کہ اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی ذرا ان کی کیفیت سن لیجیئے وہ بولے کہ بھتیجے آپ نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کی تفصیل سناؤ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از اول تا آخر پورا واقعہ سنایا، جسے سن کر ورقہ بے اختیار ہو کر بول اٹھے کہ یہ تو وہی ناموس (معزز راز دان فرشتہ) ہے جسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی دے کر بھیجا تھا۔کاش، میں آپ کے اس عہد نبوت کے شروع ہونے پر جوان عمر ہوتا۔کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ (حالانکہ میں تو ان میں صادق وامین ومقبول ہوں) ورقہ بولا ہاں یہ سب کچھ سچ ہے۔مگر جو شخص بھی آپ کی طرح امر حق لے کر آیا لوگ اس کے دشمن ہی ہو گئے ہیں۔اگر مجھے آپ کی نبوت کا وہ زمانہ مل جائے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔مگر ورقہ کچھ دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔پھر کچھ عرصہ تک وحی کی آمد موقوف رہی۔ (صحیح بخاری:۳)۔

اسکے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوگیا یہاں تک کہ آپ پر دوبارہ وحی نازل ہوئی: (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [1] قُمْ فَأَنذِرْ) ترجمہ: اے کمبل میں لپٹنے والے! [1] اٹھ کھڑا ہو، پس ڈرا۔(المدثر:۲)۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اقرا کے ذریعے نبی بنایا گیا اور مدثر لگ ذریعے رسول بنایا گیا۔اقرا سے اللہ کا یہ قول ہے: (اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ) ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔(العلق:۱)۔

اس سورت کے ذریعے آپ نبی ہوئے پھر اسکے بعد آپ پر مدثر نازل ہوئی، اور اس سورت کے

ذریعے آپ کو دعوت دین کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ کافروں کے بیچ میں جا کر دین کی تبلیغ کرتے، جس کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، اسکے باوجود اللہ نے کچھ لوگوں کو ہدایت دی اور بعض افراد قریش سے چھپ کر اسلام لے آئے، پھر اسکے بعد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے، اور کچھ ہی دنوں کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اسلام لے آئے، یہ دونوں قریش کھ اندر بڑے طاقتور اور بارعب تھے، ان دونوں کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو تقویت ملی، اور پھر مسلمان مسجد حرام میں جا کر نماز پڑھنے لگے اور کعبہ کا طواف بھی کرنے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دین کا کام کرتے رہے اور مشرکین مکہ کی سختیاں بھی بڑھتی رہیں، بطور خاص ان کمزوروں پر جنہیں کوئی بچانے والا نہیں تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ وہاں پر نصاری کی حکومت تھی، لیکن وہاں کا حاکم عادل تھا جسے نجاشی کہا جاتا تھا، اسکے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا، چنانچہ جب وہاں پر چند مسلمان ہجرت کر کے پہونچے تو اس نے انہیں ٹھکانہ دیا اور انہیں تحفظ عطا کیا بلکہ ان کا دفاع کیا، اس طرح وہاں پر یہ لوگ اطمینان سے رہنے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد انہیں خبر ملی کہ قریش کے لوگ اسلام لے آئے ہیں، یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور مکہ واپس آنے لگے، راستے میں خبر ملی کہ یہ محض افواہ ہے اور قریش اب تک کفر وشرک ہی پر باقی ہے، چنانچہ کچھ تو واپس چلے گئے اور کچھ امان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

اسکے بعد قریش نے مسلمانوں پر سختیاں مزید بڑھا دیں، جسکی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، اور اسے ہجرت ثانیہ سے جانا گیا، اور جن لوگوں نے دونوں ہجرت کی تھی ان میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اہلیہ رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔

اسکے بعد قریش نے اپنے دو آدمی: عمرو بن العاص اور ساتھ میں ایک دوسرے شخص کو کچھ ہدایا دیکر نجاشی کے پاس بھیجا، لیکن ان دونوں کو وہاں سے ناکام واپس آنا پڑا۔

پھر اسکے بعد جو بھی مکہ میں تھے انہیں بہت زیادہ ستایا جانے لگا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ اس وقت اوس وخزرج کے کچھ لوگ حج کیلئے آئے ہوئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق انکے پاس تبلیغ دین کیلئے پہونچے تو انہیں جمرہ عقبہ کے پاس دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں، آپ نے انکے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور دین اسلام کی دعوت دی، یہ سن کر ان لوگوں نے کہا: یہی وہ آدمی لگ رہا ہے جسکی بنیاد پر یہود ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں، ایسا کرتے ہیں کہ ہم ان سے سبقت کرلیں۔

چنانچہ وہ لوگ اسلام لے آئے، پھر یہ لوگ مدینہ آکر تبلیغ کرنے لگے جسکی بنیاد پر بہت سارے لوگ اسلام لائے، پھر دوسرے سال حج پر آئے پہلے سال کے مقابلے کہیں زیادہ تعداد میں، اس بار ستر سے زائد کی تعداد تھی، ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمرہ عقبہ کے پاس دوسری بیعت کی اس بات پر کہ آپ لوگ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آجائیں، جہاں ہم آپ کی مدد کریں گے اور ہر طرح سے ساتھ دیں گے۔

اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی عام اجازت دے دی، چنانچہ سارے لوگ خفیہ طور پر ہجرت کر گئے، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تھے، چنانچہ جب اللہ کی طرف اجازت ملی تو آپ بھی ابو بکر کے ساتھ نکل گئے، اور جا کر غار ثور میں چھپ گئے، قریش نے ہر جگہ تلاش کیا مردہ یا زندہ لانے پر انعام بھی رکھا، یہاں تک کہ کچھ لوگ ثور تک بھی پہونچے، لیکن آپ دونوں کو نہ دیکھ سکے، یہاں تک ابو بکر نے کہا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا فِي

الْغَارِ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ تَحْتَ قَدَمَيْهِ لَأَبْصَرَنَا. فَقَالَ: "مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللَّهُ ثَالِثُهُمَا".

ترجمہ: سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہم غار ثور میں چھپے تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر مشرکین کے کسی آدمی نے اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو وہ ضرور ہم کو دیکھ لے گا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابو بکر! ان دو کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔" (صحیح بخاری: ۳۶۵۳)۔

اس طرح اللہ نے انکی بصارت چھین لی اور وہ خائب وخاسر ہو کر واپس چلے گئے، ارشاد باری تعالی ہے: (إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ)

ترجمہ: اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اس پر اتار دی اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (التوبہ: ۴۰)۔

کچھ دنوں کے بعد جبکہ مشرکین مکہ آپ کو تلاش کر بیٹھ گئے تو آپ غور ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف چل پڑے، جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال اوس وخزرج اور دیگر مدینہ کے مسلمانوں نے کیا۔

جب مدینہ میں انصار و مہاجرین سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو انصار مدینہ نے اپنے مہاجرین بھائیوں کی ہر طرح سے مدد کی، اس وقت اللہ نے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت دی،

اور قتال کو فرض کیا گیا کیونکہ ان کے پاس بھی اب افرادی اور مالی طاقت اکٹھا ہوگئی تھی، چنانچہ کافروں سے کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں بدر، احد، خندق وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

پھر اٹھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد صحابہ کے ساتھ نکلے، ارادہ مکہ کو فتح کرنا تھا، آپ کے ساتھ دس ہزار مسلح مجاہدین تھے، چنانچہ اللہ نے مکہ کو آپ کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی، اور فتح مکہ کے لوگ جوق در جوق اسلام کے اندر داخل ہونے لگے، اسی وقت یہ سورت نازل ہوئی تھی: (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ [1] وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا [2] فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا) ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ [1] اور تو لوگوں کو دیکھے کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ [2] تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس سے بخشش مانگ، یقیناوہ ہمیشہ سے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النصر)۔

اور جہاں تک سورہ فتح کی پہلی آیت کا تعلق ہے جس میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا) ترجمہ: بے شک ہم نے تجھے فتح دی، ایک کھلی فتح۔ (الفتح: ۱)۔ تو اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے، اللہ نے اسے فتح مبین کہا کیونکہ اس سے بڑے اچھے نتائج مرتب ہوئے اور یہی فتح مکہ کا سبب بنا۔

فتح مکہ کے لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے، چنانچہ دس ہجری میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کیلئے نکلے تو اس وقت آپ کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد لوگ تھے، اسے حجۃ الوداع کہا گیا اور اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی: (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔ (المائدہ: ۳)۔

حجۃ الوداع کے بعد دو ماہ چند ایام ہی گزرے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے پیچھے دین اسلام کو کامل طور پر چھوڑ کر گئے، اور آپ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ

ہوئے، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، انہیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے، باقی دیگر صحابہ ان کے معاون اور ساتھی تھے، ان سب کو صحابہ کہا جاتا ہے جو کہ انکے لئے بہت بڑی امتیازی خصوصیت ہے، انہیں کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

عن عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ. قَالَ عِمْرَانُ: لَا أَدْرِي، أَذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً۔

ترجمہ: سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ (صحابہ) ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے (تابعین) پھر وہ لوگ جو اس کے بھی بعد آئیں گے۔ (تبع تابعین) عمران نے بیان کیا کہ میں نہیں جانتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زمانوں کا (اپنے بعد) ذکر فرمایا یا تین کا۔ (صحیح بخاری: ۲۶۵۱)۔

انہیں صدیوں کو قرون مفضلہ کہا جاتا ہے، اور ان میں سب سے افضل صدی صحابہ کی صدی ہے، انکے بارے میں اللہ تعالی نے بیان کیا ہے کہ کیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی دھیرے دھیرے تربیت کی ہے یہاں تک کہ یہ مکمل نبی اکرم کے تربیت یافتہ ہو گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا) ترجمہ: محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ

رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ (الفتح:۲۹)۔

اس طرح صحابہ کی دھیرے دھیرے تربیت کی گئی، اور شروع میں انکی تعداد بہت ہی کم تھی اسی لئے آغاز اسلام میں جب کسی نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ایک آزاد اور ایک غلام ہے یعنی ابو بکر اور بلال رضی اللہ عنہما ہیں۔ (صحیح مسلم: ۸۳۲)۔

اور اسی لئے حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام شروع ہوا غربت سے (اجنبی کی حیثیت سے مدینے میں) اور پھر ایسے ہی لوٹ آئے گا، جیسے شروع ہوا تھا (مدینہ میں) تو خوشی ہو غریبوں (اجنبیوں) کے لئے۔“ (صحیح مسلم: ۱۴۵)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ

يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي ".

ترجمہ: سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(ایک وقت آئے گا کہ) دین اسلام حجاز میں سمٹ کر رہ جائے گا جس طرح کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔اور یقیناً دین حجاز میں آ کر ایسے ہی محفوظ ہو جائے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتی ہے، دین اجنبی حالت میں آیا اور وہ پھر اجنبی حالت میں جائے گا،خوشخبری اورمبارک بادی ہے ایسے گمنام مصلحین کے لیے جو میرے بعد میری سنت میں لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں اور برائیوں کی اصلاح کرتے ہیں"۔(سنن ترمذی: ۲۶۳۱)۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو آپ کے صحابہ میدان جہاد و دعوت میں اتر گئے،اور پوری دنیا میں دعوت و جہاد کے ذریعے اس دین کو پہونچا دیا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام سب سے افضل ہیں، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے،سو انکے بعد جو بھی آئیں گے انکے مقام و مرتبہ تک کبھی نہیں پہونچ سکتے ،اور نہ ہی ان کا کوئی مقابلہ اور برابری کرسکتا، انکے لئے بس یہی کافی ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، جنہوں نے آپ کو دیکھا آپ پر ایمان لائے اور آپ سے علم دین سیکھا، آپ کے ساتھ جہاد کیا، آپ کو ٹھکانہ دیا اور آپ کی مدد کی، اور اس نور کی اتباع کی جو آپ کے ساتھ نازل ہوئی، وہ سب سے زیادہ نیکی کرنے والے سب دے زیادہ سچے اور علم والے تھے، اللہ نے انہیں اپنے آخری پیغمبر کی صحبت کیلئے منتخب کرلیا تھا۔

صحابہ کی دو قسمیں تھیں: کچھ مہاجرین تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا گھر بار ترک کر دیا اور کچھ انصار تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکانہ دیا اور مہاجرین کو ٹھکانہ دیا انکا ہر طرح سے تعاون کیا یہاں تک کہ دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ارشاد باری تعالی ہے: (مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ

لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ. لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ) ترجمہ: جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے، تاکہ وہ تم میں سے مال داروں کے درمیان ہی گردش کرنے والا نہ ہو اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔ (یہ مال) ان محتاج گھربار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ (الحشر: ۸)۔

اللہ نے ان کی سچائی کی گواہی دی ہے، اور انکی مدح وستائش کی، یقیناً انہیں کفار کی طرف سے ان کے گھروں سے نکالا گیا، پھر بھی انہوں نے صبر کیا اور اپنے کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اور اسی کی خاطر اپنا گھربار اولاد سب چھوڑ دیا جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں)۔

یہ مہاجرین صحابہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے یہ وضاحت کی ہے، اور یہاں تک انصار صحابہ کا تعلق ہے تو انکے بارے میں آگے فرمایا: (وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنالی ہے، وہ ان سے

محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔(الحشر:۹)۔

یہ انصار صحابہ تھے جن کی کامیابی کی خوش خبری سنائی گئی ہے، پھر انکے بعد تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے، اور ان سارے لوگوں کا جو ان کے نقش قدم پر قیامت تک چلیں گے جو مقام و مرتبہ میں ان سے کم تر ہوں گے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔(الحشر:۱۰)۔

اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العقیدہ الواسطیہ میں کہا ہے:(اہل سنت والجماعہ کے اصول میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے تئیں اپنے دل اور زبان کو پاک وصاف رکھا جائے)۔ دل کو صاف رکھیں یہ دعا کرتے ہوئے:(وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا)۔ اور زبان کو پاک رکھیں یہ دعا کرتے ہوئے:(رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ)۔

اور دل و زبان کی پاکی کے ساتھ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں بھی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اورمہاجرین اورانصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیااور وہ اس سے راضی ہوگئے اوراس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۰۰)۔

لیکن جوصحابہ سے بغض رکھتے ہیں ان کی تکفیر کرتے ہیں، ان پرلعن طعن کرتے ہیں اور انکی مذمت کرتے ہیں، وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں، کیوں کہ وہ انکی ذات سے نفرت نہیں کرتے ہیں بلکہ انکے اوصاف اور کارناموں سے نفرت کرتے ہیں، انکی شرف صحابیت اورنصرت نبی سے نفرت کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے دین کی تبلیغ کی اوراسکا اصلی چہرہ پوری دنیا تک پہونچایا، اسی لئے وہ ان سے نفرت کرتے ہیں، اسی لئے حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي , اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ، وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں، اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں، اورمیرے بعد انہیں ہدف ملامت نہ بنانا، جو ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، جس نے انہیں ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ وہ اسے اپنی گرفت میں لے لے“۔(سنن ترمذی: ۳۸۶۲)۔

پتہ چلا کہ جو صحابہ سے نفرت کرتا ہے وہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کرتا ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (لِيَغِيظَ بِ※ِمُ الْ※ُفَّارَ) ترجمہ: تاکہ وہ انکے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے۔(الفتح:۲۹)۔

پتہ چلا کہ صحابہ سے نفرت کا تو ایک کافر کرے گا یا پھر منافق گرچہ وہ خود کو مسلمان کہے۔

ایک مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی صحابی سے نفرت اور بغض نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان پر تنقید کرسکتا ہے اور نہ ہی انہیں برا بھلا کہہ سکتا ہے، بلکہ انہیں امت محمدیہ میں دب سے افضل مانے گا اور انکے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرے گا اور ان سے بے انتہا محبت کرے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے انتہا محبت کرتے تھے، اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے بارے میں فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مت برا کہو میرے اصحاب کو، مت برا کہو میرے اصحاب کو، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی تم میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) تو ان کے مد (سیر بھر) یا آدھے مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔“ (صحیح مسلم:۲۵۴۰)۔

یہ صرف صحابیت کی فضیلت ہی ہے کہ انکا تھوڑا صدقہ بعد والوں کے بہت زیادہ صدقہ سے افضل ہے۔

اسی لئے صحابہ پر تنقید وہی کرے گا جس کے دل میں ایمان نہیں ہوگا، بلکہ انکے خلاف حقد وحسد اور

دشمنی ہوگی، ارشاد باری تعالی ہے:(وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔(الحشر:١٠)۔

چنانچہ ہم پر صحابہ کا یہ حق ہے کہ ہم انکا احترام کریں ان سے محبت کریں، انکے نقش قدم پر چلیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ساتھی اور دوست ہیں، اللہ ان سے محبت کرتا ہے، اسکے رسول بھی ان سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ جس کھبی دل میں ایمان ہوگا وہ ان سے محبت کرے گا، اور ان سے بغض وہی رکھے گا جس کے دل میں ایمان نہیں ہوگا، چنانچہ وہ یا تو کافر ہوگا یا پھر منافق ہوگا۔

چنانچہ جب بھی صحابہ کا ذکر آئے ہم انکا احترام کریں، انکی تعریف کریں، انکے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کریں، بلا افراط وتفریط ان کی تعظیم کریں، ان سے ویسے ہی محبت کریں جیسا کہ ہمیں ان سے محبت کرنے کا حکم ہے، کیونکہ انہوں نے دین اسلام کیلئے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ کارنامے بعد میں آنے والوں میں سے کسی نے نہیں دیا ہے، بطور خاص خلفائے راشدین، کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے آپ کی مدد کی، اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے، غار میں، ہجرت میں اور جہاد میں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو آپ نے خلافت سنبھالی، صحابہ کو جمع کیا، مرتدین سے قتال کیا، لشکر اسامہ کو بھیجا، اور جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز کیا، اور رومیوں سے جنگ کیا۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ) ترجمہ: عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد پھر ہمیں ہمیشہ عزت حاصل رہی۔(صحیح بخاری:٣٦٨٤)۔

آپ نے بھی جہاد کا علم بلند رکھا یہاں تک کہ مشرق ومغرب تک اسلامی قلمرو کا دائرہ وسیع کر دیا۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور جہاد کا سلسلہ جاری رکھا، اسلام کو پھیلایا مصحف کو جمع کیا اور ایک مصحف پر سب کو متحد کر دیا۔ پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور وہ ہے خوارج سے قتال کیا، اندرونی

شورش کو خاتمہ کیا، باقی صحابہ نے بھی انہیں خلفائے راشدین کی ماتحتی میں جہاد اور دعوت دین کا کام جاری رکھا، اللہ ان تمام سے راضی ہو اور انکی محبت ہمارے دلوں میں بھر دے اور ان سے بغض کرنے والوں سے نفرت ہمارے دلوں میں پیدا کر دے۔

ہم پر صحابہ کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ہم انکے ان باہمی اختلافات میں مداخلت نہ کریں جو انکی زندگی کے آخر میں پیش آئے تھے، اور ان داعیان ضلالت اور اعدائے اسلام کی سازشوں کا شکار نہ بنیں جو یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صحابہ کے باہمی اختلافات کو بنیاد بنا کر سماج میں فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم ان میں سے کسی پر کوئی نقد نہ کریں اور نہ ہی کسی کو خطا کار قرار دیں، بلکہ ان سب کیلئے دعائے مغفرت کریں کیونکہ انکے درمیان جو کچھ بھی پیش آیا وہ سب ان کے اختیار سے نہیں تھا، بلکہ وہ ایک فتنہ تھا جسے اعدائے اسلام نے برپا کیا تھا اور جسکا صحابہ کرام شکار ہوئے، وہ سب مجتہد ہیں، اور ایک مجتہد گرچہ غلطی کرے وہ ایک اجر ضرور پاتا ہے۔

انہوں نے جو کچھ کیا اسکا مقصد حق کی تلاش اور دین کی نصرت تھی انہوں نے کسی کی عداوت میں یا دنیا طلبی میں کوئی قدم نہیں اٹھایا، اللہ نے انہیں ان چیزوں سے پاک رکھا ہے، وہ ایک فتنہ تھا جسے دشمن اسلام ابن سبا یہودی نے برپا کیا تھا اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف کچھ اوباش قسم کے لوگوں کو اکٹھا کیا تھا جو گفتگو کے بہانے سے آیا اور ظالمانہ طور پر شہید کر دیا، اس وقت اکثر صحابہ حج پر گئے ہوئے تھے، بعد میں انکا معاملہ لوگوں پر ظاہر ہوا اور انہوں نے جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تو آپ نے ان سے قتال کیا۔

چنانچہ اہل سنت والجماعہ کا یہ اصول ہیکہ صحابہ کے درمیان پیش آنے والے اختلافات پر سکوت اختیار کیا جائے اور ان کی غلطیوں کو تلاش نہ کیا جائے جس طرح کہ منافقین ہوتے ہیں، اسلئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور دوست ہیں، ان سے جو کچھ بھی غلطی ہوئی وہ سب معاف ہے اللہ نے اپنی

رضامندی کی انہیں سرٹیفکٹ دے دی ہے، اس لئے ہم بھی انکے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کریں گے۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی خلافت پر طعن و تشنیع نہیں کرتے ہیں، پہلے اجماع کے ذریعے خلافت ابو بکر کیلئے ثابت ہے، پھر عمر کیلئے پھر عثمان کیلئے پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کیلئے۔اسی ترتیب کا ذکر کرنے کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان میں سے جو کسی ایک کی بھی خلافت پر طعن کرے وہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

چنانچہ ہم انکی خلافت پر کوئی طعن و تشنیع نہیں کرتے، اور نہ ہی انکے فضائل و مناقب میں شک کرتے ہیں، اور ان میں سے جنہیں اللہ اور اسکے رسول نے مقدم کردیا انہیں ہم بھی مقدم کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کے خلاف جو بھی باطل افواہ اور جھوٹی باتیں پھیلائی جاتی ہیں ان پر ہم کان نہیں دھرتے ہیں، یہ سب سیدھا دین اسلام پر طعن ہے، کیونکہ وہ اس کے مبلغ اول اور محافظ ہیں، صحابہ پر طعن کرنا یہودی سازش کا حصہ ہے لیکن یہ دشمنان صحابہ جان لیں کہ وہ اس سے نہ تو صحابہ کا کچھ بگاڑ لیں گے اور نہ ہی دین اسلام کا، اس سے ان کا اپنا نقصان ضرور ہوگا اور ان لوگوں کا جو بھی ان کے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم ایسی سازشوں سے محتاط رہیں کیونکہ یہ سیدھا دین اسلام پر نقد کرنا چاہتے ہیں، اسلئے کہ صحابہ کرام ہی ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں، اگر واسطہ ہی مطعون ہوگا تو پھر دین بھی مطعون ٹھہرے گا اور اعدائے اسلام کا یہی مقصد ہے۔

صحابہ کرام کے تعلق سے بہت پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں انکے منافق بھائیوں نے زبان درازی کی تھی اور کہا تھا: (ما رأيتُ مثلَ قرّائِنا هؤلاءِ لا أرغبَ بطونًا ولا أكذَبَ ألسِنَةً ولا أجبَنَ عند اللّقاءِ) ترجمہ: ہم نے اپنے ان قاریوں سے زیادہ پیٹو،

زیادہ جھوٹا اور زیادہ بزدل کبھی نہیں دیکھا۔

نعوذ باللہ وہ ان لوگوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مراد لے رہے تھے۔ انہیں کے بارے میں اس وقت قرآن نازل ہوا جو رہتی دنیا تک تلاوت کی جاری رہے گی: (وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ[65] لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ) ترجمہ: اور بلاشبہ اگر تو ان سے پوچھے تو ضرور ہی کہیں گے ہم تو صرف شغل کی بات کر رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ کہہ دے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ [65] بہانے مت بناؤ، بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے، اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔ (التوبہ:٦٦)۔

چنانچہ جو بھی صحابہ کے بارے میں کلام کرے گا ان پر نقد کرے گا بطور خاص ان میں جنہیں برج فضیلت حاصل ہے اس کو یہ آیت شامل ہوگی۔

سو ہم تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں، ان میں سے کسی کی طرفداری کر کے کسی سے دشمنی نہیں کرتے ہیں، خواہ وہ اہل بیت ہوں یا دوسرے صحابہ، اہل بیت میں جو صحابہ ہیں انکی خصوصی فضیلت ہے، ایک شرف صحابیت کی اور دوسری قرابتداری کی، ہم انکا احترام اور عزت کرتے ہیں کیونکہ انکے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی وصیت ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (أُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي) ترجمہ: میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں تم کو اپنے اہل بیت کے باب میں۔" تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی۔ (صحیح مسلم:٢٤٠٨)۔

ہم ان سے اسلئے محبت کرتے ہیں کیونکہ ان سے اللہ اور اسکے رسول محبت کرتے ہیں، اور اس لئے کہ دین اسلام کے اندر انکا ایک مقام اور خاص مرتبہ ہے، اور اسلئے کہ وہ ہمارے دینی بھائی ہیں، مگر ہم انکی محبت میں غلو نہیں کرتے، اور نہ ہی ان میں جو سب سے افضل ہے اس پر کسی کو مقدم کرتے ہیں، اور نہ ہی انہیں ہم معصوم سمجھتے ہیں، اور شیعوں نے صحابہ کے خلاف جو کچھ نقل کیا ہے سب جھوٹ ہے۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، صحابہ کرام سے خصوصی طور پر اور تمام مومنین سے عمومی طور پر ہمارے دلوں میں محبت پیدا کردے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



سوالات

سوال: وہ روافض جو صحابہ کرام کو گالی دیتے ہیں بطور خاص جو ہمارے ساتھ رہتے ہیں، ان کے ساتھ ہمارا تعامل کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: بلا شبہ یہ بہت بڑی آزمائش اور فتنہ ہے، چنانچہ ان میں سے جس کا شر اسی تک محدود ہو اسے اسی کے حال پر چھوڑ دیں البتہ جو اس برائی کو عام کرے اسے ہم حتی الامکان روکیں اور اسکے شبہات کو رد کریں اور ایسے ذمیداران سے شکایت کریں جو اسکا ہاتھ روکے۔

سوال: روافض بعض صحابہ کی تعظیم کیوں کرتے ہیں جبکہ اکثر کو گالی دیتے ہیں؟

جواب: یہ انکی گمراہی ہے کہ وہ اکثر صحابہ کو گالی دیتے ہیں، انکا عقیدہ ہے کہ سوائے چار (علی، مقداد، سلمان اور ابو ذر) کے سارے صحابہ مرتد ہو گئے تھے نعوذ باللہ، اور یہ کہ ان لوگوں نے خلافت کو اہل بیت سے غضب کر لیا تھا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی سے محبت نہیں کرتے ہیں بس اہل بیت کو انہوں نے صحابہ کرام کو بدنام کرنے کیلئے بہانہ بنایا ہوا ہے۔

سوال: اہل بدعت کو ایکسپوز کرنے کی خاطر ان سے ٹی وی چینلز پر مناظرہ کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: میں نے پہلے ہی جواب دے دیا ہے کہ اگر یہ اپنے شر اور بدعت کو عام کریں تو ان پر رد کرنا اور جواب دینا انہیں ایکسپوز کرنا واجب ہے خواہ وہ ٹی وی چینلز پر ہو یا کسی بھی پلیٹ فارم پر ہو، انہیں

کھلا نہ چھوڑا جائے کہ وہ اپنی گمراہی اور بدعات پھیلاتے رہیں جن سے جاہل کم علم لوگ متاثر ہوتے رہیں، لیکن ان سے مناظرہ اور ان پر ردوہی کرے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور صحیح عقیدے اور صحیح منہج کا حامل ہو۔

سوال: کیا اثنی عشری روافض سے سلام کر سکتے ہیں انہیں دعوت دینے کی خاطر تاکہ وہ اہل سنت سے قریب ہو جائیں؟

جواب: واجب یہ ہیکہ انہیں دین حق کی طرف دعوت دی جائے، اور اسے واضح کیا جائے، جب وہ دین حق خو قبول کرلیں تو ان سے سلام کریں، اور اگر قبول نہ کریں تو سلام نہ کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى) ترجمہ: تو اس کے پاس جاؤ اور کہو بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، پس تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور انھیں عذاب نہ دے، یقیناہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلے۔(طہ:۴۷)۔

سوال: اہل بدعت کی طرف سے گاہے بگاہے صحابہ کے خلاف گستاخی سنتے رہتے ہیں، ایسے وقت میں ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب: جو صحابہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہیں:

وہ یا تو منافقین ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں، یا پھر وہ جاہل ہیں، بلا تمیز کے گمراہ کتابوں کی کتابوں کو پڑھتے ہیں، یا بغیر تمیز کے صحابہ کے خلاف سنتے ہیں اور پھر ان پر وہ باتیں اثر کر جاتی ہیں۔

ایسی صورت میں ہم پر واجب ہے کہ ہم صحابہ سے محبت کریں، ان کے نقش قدم پر چلیں اور انکے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کریں جیسا کہ ہمیں اللہ کی طرف سے ہدایت ہے:(وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنۢ بَعۡدِهِمۡ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالۡإِيمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔(الحشر:١٠)۔

اور یہ کہ ہم ان لوگوں پر رد کریں اور جواب دیں جو صحابہ کہ گستاخی کرتے ہیں۔

سوال: مخالفین پر رد کرنے کیلئے شرعی ضوابط کیا ہیں؟

جواب: شرعی ضابطہ دلیل ہے، جو بھی شرعی دلیلوں کی مخالفت کرے وہ اسے اسی دلیل کی روشنی میں جواب دیں۔

سوال: عمومی طور پر شیعوں کی تکفیر کا کیا حکم ہے؟

جواب: حق واضح ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اسے انکار کرے تو اسکی تکفیر کی جائے گی لیکن جو جاہل ہو، یا مقلد اور متاول ہو تو اسکے سامنے پہلے بے قائم کریں گے، اسکے بعد بھی اگر وہ اصرار کرتا ہے تو اسکی تکفیر کی جائے گی کیونکہ اسکے بعد اسکے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔

سوال: کیا دعوت کی غرض سے ہم شیعوں کو وہاں بھائی کہہ سکتے ہیں؟

جواب: جب تک وہ توبہ کرکے صحیح دین پر نہ آجائیں ہم انہیں اپنا دینی بھائی نہیں کہہ سکتے، اسی طرح کچھ لوگ یہود ونصاریٰ کو بھی بھائی کہتے ہیں، یہ دراصل جہالت یا گمراہی کی وجہ سے ہے، ورنہ ہمارے دینی بھائی اہل ایمان ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ) ترجمہ: اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں۔(التوبہ:۷۱)۔

سوال: ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہاں کے حکام اور علماء کی تکفیر کرتے ہیں، حتی کہ ہمارے کچھ نوجوان بھی اس فتنے میں مبتلا ہیں؟

جواب: الحمدللہ، ہمارے ملک کے رہنما صحیح عقیدے اور دین پر قائم ہیں، ہم ان کے تئیں خیر ہی جانتے ہیں، اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ معصوم ہیں، ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، بلکہ غلطی تو ہر ایک سے ہوتی ہے، ہم ہر ایک کیلئے اصلاح اور ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔

اور جو لوگ تکفیر کی بدعت میں مبتلا ہیں وہ دراصل دشمنان مملکہ بلکہ دشمنان اسلام کی طرف سے لگائے گئے ہیں خواہ انہیں اس کا شعور ہو یا نہ ہو، ایسے عناصر سے ہم لوگوں کو آگاہ کریں، یہ اسی ملک میں رہ کر یہاں کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔

سوال: کیا ٹی وی چینلز پر یا سوشل میڈیا پر صحابہ کے تئیں شرعی منہج کو واضح کرسکتے ہیں؟

جواب: حقیقت یہ ہیکہ صحابہ کے درمیان پیش آنے والے اختلافات پر سکوت اختیار کیا جائے، لیکن اگر دشمنان صحابہ صحابہ پر نقد وجرح کررہے ہوں تو ایسی صورت میں اسی پلیٹ فارم سے جواب دینا واجب ہوجاتا ہے، کیونکہ صحابہ کے تعلق سے اکثر باتیں جھوٹی پھیلائی گئی ہیں، اور جو تھوڑا بہت صحیح بھی ہے ان میں

وہ معذور اور مجتہد ہیں۔ اللہ نے انکی غلطیوں کو معاف کر کے ان سے راضی ہو چکا ہے۔

سوال: کیا ہم یہ دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ ہمیں جنت میں صحابہ کی رفاقت عطا کرے؟

جواب: بالکل درست ہے، دعا کریں کہ اللہ ہمیں جنت میں صحابہ کی رفاقت عطا کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے تحت، کیونکہ جو جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ محشر میں اٹھایا جائے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟، قَالَ:" وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟" قَالَ: لَا شَيْءَ إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:" أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ". قَالَ أَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ"، قَالَ أَنَسٌ: فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ , وَعُمَرَ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لیے تیاری کیا کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کچھ بھی نہیں، سوا اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تمہارا حشر بھی انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔" انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں کبھی اتنی خوشی کسی بات سے بھی نہیں ہوئی جتنی آپ کی یہ حدیث سن کر ہوئی کہ" تمہارا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔" انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہوں اور ان سے

اپنی اس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میرا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، اگرچہ میں ان جیسے عمل نہ کرسکا۔ (صحیح بخاری:۳۶۸۸)۔

سوال: کفار کی عیدوں کی مناسبت سے انہیں مبارکبادی پیش کرنا کیسا ہے؟

جواب: جھوٹ اور باطل پر مبارکبادی پیش کرنا بالکل جائز نہیں ہے، اللہ نے کافروں کی عیدوں کو باطل اور جھوٹ کہا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا) ترجمہ: اور وہ جو جھوٹ میں شریک نہیں ہوتے اور جب بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو باعزت گزر جاتے ہیں۔ (الفرقان: ۷۲)۔

چنانچہ انکی عیدوں میں ہم نہ تو شریک ہوں گے اور نہ ہی اس موقع پر انکا کوئی تعاون کریں گے، اور نہ ہی مبارکبادی پیش کریں گے، اور اس مناسب سے بنے ہوئے کھانے کو نہ ہی کھائیں گے، بلکہ ان سے براءت کا اظہار کریں گے۔

سوال: اگر کوئی علم طلب کرنا چاہے اور وہ جامعہ میں نیا نیا آیا ہو، اسے آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: اگر وہ جامعہ میں آیا ہے تو پھر وہ علم ہی حاصل کرنے آیا ہے، وہاں پر نصاب کی تمام کتابیں موجود ہیں۔

سوال: میرا تعلق مصر سے ہے، امارات میں آنے کے بعد مجھے حق کا پتہ چلا اور میں استقامت پر ہوں، لیکن مصر واپس جانے کے بعد وہاں مناہج میں اختلاف دیکھنے کو ملا، اب میں کس منہج کو اپناؤں؟

جواب: اگر حق کا علم ہوگیا ہے تو اسی پر قائم رہیں اور اسی کو پھیلائیں۔ جزاک اللہ خیرا۔

سوال: بینک میں کام کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بینک اگر سودی لین دین کرتا ہو تو اس میں کام کرنا جائز نہیں ہے، کمائی کے ذرائع بہت ہیں، اس لئے سودی کاروبار میں تعاون نہ کریں، ویسے لوگوں پر لعنت بھیجی گئی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: "لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ".

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور سود لکھنے والے پر اور سود کے گواہوں پر اور فرمایا: وہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۸)۔

سوال: ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رہنمائی ہے جو کہتے ہیں کہ روافض کے باطل عقائد کو ٹی وی چینلز پر اچھالنا قوم کے اندر فتنے کا باعث ہے؟

جواب: فتنے کو دراصل انہوں نے شروع کیا ہے، اس لئے اس پر خاموش رہنا مناسب نہیں ہے بلکہ اسکا ختم کرنا ضروری ہے اور یہ اسی وقت ختم ہوگا جب اسی پلیٹ فارم سے اسکا جواب دیا جائے، وہ صحابہ کو گالی دیتے ہیں اور وہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالی دیتے ہیں، تو کیا یہ مشورہ دینے والے لبرل چاہتے ہیں کہ ہم خاموش رہیں، اور اس فتنے کا جواب نہ دیں، جبکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ) ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی واقع ہوتی ہے وہ بدلہ لیتے ہیں۔ (الشوری: ۳۹)۔

سوال: ان طلبہ کے سرپرستوں کو اور ان طلبہ کو کیا نصیحت کریں گے جو اپنے بچوں کو بلاد کفر میں پڑھائی کیلئے بھیجتے ہیں؟

جواب: یہ طلبہ جو دین اور عقیدہ میں پختہ نہیں ہیں انہیں جو لوگ بلاد کفر میں تعلیم کیلئے بھیج رہے ہیں وہی اس کے ذمہ دار ہوں گے، بروز قیامت ان سے اس بارے میں سوال ہوگا۔

اور ان طلبہ کو میں نصیحت کروں گا کہ وہاں پر اللہ کا تقوی اختیار کرنا، اپنے دین کی حفاظت کرنا، فتنوں سے دور رہنا، باطل داعیوں سے بھی بچ کر رہنا، صرف اسی کام پر دھیان دینا جسکے لئے وہاں گئے ہیں۔

سوال: ایک اثر میں وارد ہوا ہے کہ یہ علم دین ہے چنانچہ دیکھ لو کہ تم اپنا دین کا سے سیکھ رہے ہو۔ اس قول کی صحت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ بعض سلف (محمد بن سیرین) کا قول ہے، اور یہ صحیح ہے، لہذا یک علم ہر کسی ایرے غیرے سے نہیں لیا جائے گا بلکہ جو معتبر اہل علم ہوں انہیں سے یہ علم لیا جائے گا، کم علم متعالمین اور گمراہ عالموں سے نہیں لیا جائے گا۔

سوال: خطبہ جمعہ کے اندر امام جب بارش کی دعا کرتا ہے تو اپنا ہاتھ اوپر اٹھا لیتا ہے کیا یہ سنت ہے؟

جواب: جی ہاں، یہ سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے اور صحابہ آمین کہتے تھے۔

سوال: ایک مسلمان جو نماز میں لاپرواہی کرے اور زکاۃ کا منکر ہو اسے کافر کہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ترک نماز کفر ہے، اسے اس طرح کہنا چاہئے کہ ترک نماز کفر ہے اسلئے اللہ سے توبہ کرو اور نماز کی پابندی کرو۔

سوال: میرے ساتھ ایسا کئی بار ہوا ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت کے وقت قبر رسول پر کچھ لوگوں کو دیکھا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیتے ہیں، ایسے موقع پر میں کیا کروں، انکی پٹائی شروع کردوں یا کیا کروں؟

جواب: مسجد نبوی کے ذمیداران کو شکایت کریں کہ قبر نبوی پر منکرات ہو رہے ہیں تاکہ انہیں روکا جاسکے۔

سوال: میرے پاس کچھ کسٹمر آتے ہیں مگر میرے پاس اس وقت سامان نہیں ہوتا یا کم مقدار میں ہوتا ہے لیکن میں اس سے سودا کر لیتا ہوں اور بعد میں اسے سامان دے دیتا ہوں، کیا یہ اس بیع میں شمار ہوگا جس کا میں مالک نہیں ہوں؟

جواب: جی یہ اسی بیع میں شمار ہوگا جس کے آپ مالک نہیں ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، يَأْتِينِي الرَّجُلُ فَيُرِيدُ مِنِّي الْبَيْعَ لَيْسَ عِنْدِي أَفَأَبْتَاعُهُ لَهُ مِنَ السُّوقِ. فَقَالَ: لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ".

ترجمہ: سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آدمی آتا ہے اور مجھ سے اس چیز کی بیع کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہوتی، تو کیا میں اس سے سودا کرلوں، اور بازار سے لا کر اسے وہ چیز دے دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو

اسے نہ بیچو"۔(سنن ابی داود:۳۵۰۳)۔
چنانچہ کسی بھی بیع کی صحت کیلئے یہ شرط ہیکہ بائع بیع کرتے وقت سامان کا اور خریدار پیسے کا مالک ہو۔

سوال: صحابہ کرام پر نقد کرنے والے کچھ گمراہ قسم کے داعی حوض والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جس میں (اصحابی) کا لفظ وارد ہے؟
جواب: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مرتد ہو گئے تھے، کیونکہ حدیث کے اندر یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: (إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ) ترجمہ: مجھے بتایا جائے گا کہ آپ کی جدائی کے بعد یہ لوگ دین سے پھر گئے تھے اور اسی پر انکی موت ہوئی تھی۔(صحیح بخاری:۴۶۲۵)۔
اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا ہے۔

سوال: کیا صحابہ کی معرفت فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟
جواب: اصل یہ ہیکہ جو ان میں معروف ہیں انکی جانکاری رکھیں جیسے خلفائے راشدین اور باقی عشرہ مبشرہ، اور جب صحابہ کا ذکر آئے تو انکے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کریں اور انکے نقش قدم پر چلیں، البتہ انکا شمار کرنا انکی عدد کی معرفت رکھنا یہ محدثین اور متخصصین اہل علم کا کام ہے۔

سوال: اس مسجد کے اندر جامعہ الامام سے بہت سارے بیرونی طلبہ حاضر ہوتے ہیں انہیں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب: وہ اللہ کا تقوی اختیار کریں اور طلب علم میں مشغول رہیں، دوسروں کی غیبت اور چغلی نہ کریں، علم نافع کے حصول میں کوشش کریں، اور جب اپنے وطن واپس جائیں تو اس علم کو پھیلائیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ) ترجمہ: اور ممکن نہیں کہ مومن سب کے سب نکل جائیں، سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تاکہ وہ بچ جائیں۔ (التوبہ: ۱۲۲)۔

